

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



محرم الحرام ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۰۱۲ء

السلام علیہ و آلہ و سلم

شش ماہی مجلہ

سیرات پر صفیر

(بر صفیر کے علمی، ادبی، ثقافتی اور شرعی نگار کا ترجمان)

محرم الحرام نمبر

عہد کائناتی، اسلام کا شہدائی، مسلمانوں کا فکری اور امت کا جاننا، عہد کا محبوب، محمد کا لخت جگر، علی کا نور نظر، فاطمہ کا چاند، حق کا دلدادہ، صداقت کا شیرازہ، بحسب ایمان، صبر و استقلال کا پتلا، خلق و مروت کا نمونہ، امت کا وہ شہید، امت کا پیشوا، خاتم النبیین کا مظہر، کمالات و رسالت کا کینہ، حافظہ دین الہی، مظلوموں کے بادشاہ، صابرین کے شہنشاہ، حسین ابن علی کی بارگاہ شریعت، ناخیز رہیہ شیش کیا جاتا ہے۔

دوسرا سال

تیسرا شمارہ



نوٹ

مآب کسی خاص خاندان یا کسی خاص شخص کا ترجمان نہیں ہے، بلکہ ہماری کوشش ہے کہ برصغیر کی مرحوم عظیم شیعہ شخصیات کا تحریر کردہ مواد اور ان شخصیات کے بارے میں اطلاعات، ملت کے ہاتھوں پہنچائی جائیں، اس میں ہمارے پیش نظر تمام وہ مرحوم شخصیات ہیں جنہوں نے مذہب اہل بیت کی نمایاں و مخلصانہ طور پر علمی، فربہنگی، فردی و اجتماعی خدمات انجام دی ہوں۔

اس حوالے سے سینکڑوں شخصیات ابھی تک ایسی موجود ہیں جنہوں نے کئی حوالوں سے مذہب کی خدمت انجام دی، حتیٰ اس راہ میں اپنی جان بھی قربان کر دی، لیکن ہم ابھی تک انکے حالات و آثار سے واقف نہیں ہیں، جن کے چند نمونے مآب کے تعارف نامہ، اور مجلہ میراث کے پہلے شمارہ میں پیش کیے ہیں۔

مجلہ میراث برصغیر میں مرحومین کی تحریروں کو محققین مآب کی آراء کے بعد زیور طبع سے آراستہ کیا جائے گا اور بقید حیات اہل قلم (خدا انہیں زندہ و سلامت رکھے) کی تحریروں میں سے فقط وہ تحریریں نشر ہوں گی جو مندرجہ ذیل تین موضوعات میں سے کسی ایک سے متعلق ہوں:

۱۔ تاریخ تشیع: مثلاً برصغیر میں شیعہ حکومتیں، تاریخ عزا داری، گزشتہ و موجودہ، مذہبی و سیاسی تحریکیں و تنظیمیں، خاص شیعہ علاقے، گزشتہ و موجودہ شیعہ خاندان، موقوفات، مقابر، مذہبی رسومات و مذہبی مقامات، مثلاً مدارس، امام باڑے، مساجد وغیرہ (برصغیر یعنی ہندوستان، پاکستان، کشمیر، بنگلہ دیش کے کسی ملک، کسی شہر، کسی دہات، و علاقہ سے مربوط مقالات ہوں۔)

۲۔ تراجم: یعنی مرحوم شیعہ اہم شخصیات اور ان کے آثار و خدمات سے متعلق کچھ تحریر کیا گیا ہو۔

۳۔ کتاب شناسی: کسی خاص ایک کتاب کی تحقیق یا معرفی، خاص شخص کی کتابیں، خاص کتابخانہ کی فہرست کسی خاص موضوع یا کسی ایک خاندان کی علمی میراث وغیرہ کے حوالے سے قلم اٹھایا گیا ہو۔

اراکین ادارے کا صاحب مقالہ (زندہ یا مرحوم) کی آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

من مہشدر اللہ لا مہشدر اللہ

(تفسیر نور الثقلین، ج ۵، ص ۱۳۸۔)

ہم تہہ دل سے ان تمام حضرات کے شکر گزار ہیں۔ جنہوں نے مؤسسہ ”مرکز احیاء آثار بر صغیر (مآب)“ کی ترقی کے لیے ہمارے ساتھ دامے، درمے، سخنے اور قدمے تعاون فرمایا۔ خصوصاً ان خیرین (کثر اللہ امثالہم) کہ جن میں سے بعض احباب نے اپنا نام دینا مناسب نہیں سمجھا لیکن مرکز کے اہداف کو عملی جامعہ پہننے کے لیے اور بالخصوص محلہ میراث بر صغیر کے اس نمبر میں خصوصی تعاون فرمایا۔

تاریخین کرام سے التماس ہے کہ معاونین مرکز احیاء آثار بر صغیر (مآب) اور دیگر خاندانین مکتب اہل بیت علیہم السلام کے مرحومین کی مغفرت کے لیے دعا گو رہیں۔

والسلام

مرکز احیاء آثار بر صغیر

فہرست مطالب

کتاب: مفارقات الحسینیہ والعثمانيہ

۱۹.....	مؤلف کے بارے میں.....
۱۹.....	ولادت و تعلیم.....
۲۲.....	آثار.....
۲۵.....	متن کتاب.....
۲۵.....	(آغازِ سخن).....
۲۶.....	(سات عدد مشترکات).....
۲۷.....	پہلا امر مشترک یہ ہے کہ دونوں خلیفہ رسول
۲۷.....	تھے:.....
۲۷.....	دیگر مشترک امور.....
۳۳.....	(مفارقات).....
۳۳.....	پہلا فرق:.....
۳۳.....	دوسرا فرق:.....

کتاب: ارض العتاق

۳۵.....	مؤلف کے بارے میں.....
---------	-----------------------

۱۱.....	اداریہ.....
۱۳.....	مرکز احیاء آثارِ رصغیر کے اہداف.....
۱۳.....	۱۔ احیاء میراث علمی.....
۱۳.....	۲۔ شیعہ دائرۃ المعارف.....
۱۳.....	۳۔ کتابوں کی فہرست کی تدوین.....
۱۳.....	۴۔ رصغیر کے شیعہ اکلبرین کائنہ کرہ.....
۱۴.....	۵۔ یادنامے.....
۱۴.....	۶۔ سینار.....
۱۴.....	۷۔ تراجم کتب.....
۱۴.....	۸۔ نشر مجلہ.....
۱۴.....	۹۔ ویب سائٹ.....
۱۴.....	مرکز سے تعاون کے ذرائع.....
۱۴.....	مالی تعاون:.....
۱۵.....	کتب کے متعلق تعاون:.....
۱۵.....	تدوین مقالات:.....
۱۶.....	ارسال فوٹو:.....
۱۶.....	ضروری اعلان !.....

۶۸..... تعلیم	۴۹..... کتاب کے بارے میں
۶۹..... طریقہ تکمیل دروس	۵۰..... سوال
۷۰..... اجتہاد	۵۰..... پہلا جواب
۷۰..... خطاب صدر المحققین	۵۰..... دوسرا جواب
۷۰..... والد کے بعد میدان عمل	۵۱..... تیسرا جواب
۷۱..... قومی و ملی خدمات	۵۱..... چوتھا جواب
۷۴..... دیگر خصوصیات	۵۱..... پانچواں جواب
۷۴..... ذہن و حافظہ	۵۲..... چھٹا جواب
۷۵..... مطالعہ کتب	۵۳..... متن کتاب
۷۶..... کتب خانہ ناصریہ	۵۳..... سوال
۷۷..... تصنیف و تالیف	۵۴..... پہلا جواب
۷۹..... وفات	۵۴..... دوسرا جواب
۷۹..... وصایا	۵۵..... تیسرا جواب
۸۲..... کتاب کے بارے میں	۵۵..... چوتھا جواب
۸۲..... ایک شبہ	۵۵..... پانچواں جواب
۸۳..... روشبہ	۵۷..... چھٹا جواب
۸۳..... پہلی دلیل: (لکھنؤ کا سفر)	۵۷..... تنبیہ: انبیاء علیہم السلام کی صحبت و مجاورت میزان
۸۳..... تقریب استدلال	۵۸..... نجات نہیں ہے
۸۴..... دوسری دلیل:	
۸۵..... تیسری دلیل:	کتاب: ہدایات ناصریہ
۸۵..... تقریب استدلال	۶۴..... مؤلف کے بارے میں
۸۵..... چوتھی دلیل:	۶۸..... ولادت

۱۲۵ پہلی وجہ	۸۵ پانچویں دلیل:
۱۳۱ عقد شہزادہ قاسم علیہ السلام کے قائلین کی ادلہ ..	۸۶ چھٹی دلیل:
۱۳۱ پہلی دلیل	۸۷ نوٹ:
۱۳۱ جواب	۸۸ نسخہ عکسی کتاب ”ہدایات الناصریہ“
۱۳۲ دوسری دلیل	۹۶ متن کتاب
۱۳۲ جواب	
۱۳۲ تیسری دلیل	کتاب ہدایات ناصریہ پر
۱۳۲ جواب	ایک تحقیقی نظر
۱۳۲ دو غلط حوالے	
۱۳۲ پہلا غلط حوالہ	۱۰۴ سوال چہارم کے تائیدی بیانات
۱۳۳ دوسرا غلط حوالہ	۱۰۴ تین بنیادی مباحث
۱۳۴ تضاد بیانی	۱۰۴ پہلی بحث: انکار کی وجوہات
۱۳۵ تائیدات جواب پنجم	۱۰۵ پہلی وجہ:
۱۳۶ پہلا مسئلہ: تعداد اولاد امام حسین علیہ السلام	۱۰۵ دوسری وجہ:
۱۳۷ پہلا قول: اولاد امام کی تعداد ۱۲ عدد ہے:	۱۰۶ تیسری وجہ:
۱۳۷ دوسرا قول: دس عدد اولاد	۱۰۶ چوتھی وجہ:
۱۳۸ تیسرا قول: دس عدد اولاد	۱۰۷ پانچویں وجہ:
۱۳۹ چوتھا قول: نو عدد اولاد	۱۰۷ چھٹی وجہ:
۱۴۰ پانچواں قول: آٹھ عدد اولاد	۱۰۷ وجہ ہفتم:
۱۴۰ چھٹا قول: سات عدد اولاد	۱۰۸ وجہ ہشتم:
۱۴۱ ساتواں قول: چھ عدد اولاد	۱۰۹ دوسری بحث:
	۱۱۱ تیسری بحث:

۱۸۰	مؤلف کے بارے میں	۱۴۹	خلاصہ کلام:
۱۸۱	اولاد	۱۴۹	دوسرا مسئلہ:
۱۸۲	آثار	۱۴۹	جناب فاطمہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کا تعارف ...
۱۸۳	متن کتاب	۱۵۳	امانت دار وصیت امام حسین علیہ السلام ...
۱۸۳	(شہادت امام حسینؑ کے تاریخی واقعات)	۱۵۴	جناب فاطمہ صغریٰ کوفہ میں
۱۸۳	دیباچہ	۱۵۴	جناب فاطمہ صغریٰ کا اہل کوفہ سے خطاب
۱۸۴	جنگ کربلا کے تاریخی حالات!	۱۵۵	صغریٰ اور کبریٰ کہنے کی وجہ
۱۸۴	حالات امام حسینؑ علیہ السلام	۱۵۵	سوال
۱۸۴	جنگ کربلا کا قافلہ سالار حسینؑ مظلوم	۱۵۵	جواب
۱۸۵	امام حسین کا شجرہ نسب		کتاب: غارہ شاہد
۱۹۰	عثمان کارویہ	۱۶۲	مؤلف کے بارے میں
۱۹۰	فرزند رسول ﷺ کی مدد کیوں نہ کی؟	۱۶۲	علمی صلاحیتیں
۱۹۴	لطیفہ:	۱۶۳	وفات
۱۹۴	جواب شبہ:	۱۶۳	آثار
۱۹۶	جنگ کربلا کے ظاہری اسباب	۱۶۴	متن کتاب
۱۹۷	سفر امام حسین علیہ السلام	۱۶۵	سوال:
۱۹۹	نقشہ	۱۶۵	جواب:
۱۹۹	نقشہ	۱۷۶	خاتمہ الطبع
۱۹۹	شہادت حضرت مسلمؑ		کتاب: تاریخ کا خونِ ورق
۱۹۹	حالات تاریخ ہائے محرم اور ورود امامؑ		
۲۰۰	افسران فوج مزید باختلاف روایات		

۲۱۳	لکھنویونیورسٹی	۲۰۳	شہادت کے بعد اہم تاریخی واقعات
۲۱۴	علی گڑھ یونیورسٹی	۲۰۴	سب سے پہلا زائر
۲۱۴	وفات	۲۰۴	پہلی صدی:
۲۱۴	تصانیف	۲۰۴	دوسری صدی:
۲۱۶	کتاب کے بارے میں	۲۰۴	تیسری صدی:
۲۱۷	کتاب شہید انسانیت	۲۰۴	چوتھی صدی:
۲۱۸	۱۔ بیان بصیرت افروز (از عمدۃ العلماء)	۲۰۵	پانچویں صدی:
۲۱۸	شیعہ کانفرس میں کیا ہوا	۲۰۵	چھٹی صدی:
۲۲۲	صلح کی کوشش میں کیا ہوا؟	۲۰۵	آٹھویں صدی:
۲۳۰	صلح کا پہلا مسودہ	۲۰۵	دسویں صدی:
۲۳۰	صلح کا دوسرا مسودہ	۲۰۵	گیارہویں صدی:
۲۳۱	۲۔ سید العلماء کے بیانات	۲۰۵	تیرہویں صدی:
	کتاب "شہید انسانیت" کے کسی ایک لفظ کے بھی	۲۰۶	چودھویں صدی:

کتاب: شہید انسانیت

۲۱۰	مؤلف کے بارے میں
۲۱۱	سفر عراق
۲۱۱	نجف میں عربی تصانیف
۲۱۲	وہابیت کے خلاف تحریک:
۲۱۲	امامیہ مشن
۲۱۲	یادگار حسینی (شہید انسانیت کی تالیف)
۲۱۳	خطابت

- ۳۔ اظہار رائے کی آزادی ۳۰۸
- ۴۔ خدا اور خلق کے سامنے جواب دہی .. ۳۰۹
- ۵۔ بیت المال۔ ایک امانت ۳۱۰
- ۶۔ قانون کی حکومت ۳۱۲
- ۷۔ حقوق اور مراتب کے لحاظ سے کامل مساوات ۳۱۳
- امام حسینؑ کا مومنانہ کردار ۳۱۳
- امام باقرؑ جڈ پیل (سرینگر) تاریخ کے جھروکوں سے
- تاریخ اول (۹۵۵ھ بمطابق ۱۵۳۸ء) ۳۱۷
- تاریخ دوم (۹۹۳ھ بمطابق ۱۵۸۵ء) ۳۱۷
- تاریخ سوم (۱۰۳۵ھ بمطابق ۱۶۳۵ء) ۳۱۸
- تاریخ چہارم (۱۰۹۶ھ بمطابق ۱۶۸۲ء) ۳۱۸
- تاریخ پنجم (۱۱۳۲ھ بمطابق ۱۷۱۹ء) ۳۱۹
- تاریخ ششم (۱۱۵۸ھ بمطابق ۱۷۴۵ء) ۳۲۰
- تاریخ ہفتم (۱۱۷۵ھ بمطابق ۱۷۶۳ء) ۳۲۱
- تاریخ ہشتم (۱۲۱۶ھ بمطابق ۱۸۰۱ء) ۳۲۱
- تاریخ نهم (۱۲۴۶ھ بمطابق ۱۸۳۰ء) ۳۲۲
- تاریخ دہم (۱۲۸۹ھ بمطابق ۱۸۷۲ء) ۳۲۲
- موصوف کا ایک اہم بیان ۲۳۹
- جناب سید العلماء سے سوالات ۲۳۹
- حضرت سید العلماء دام ظلہ کے جوابات ... ۲۴۳
- مکتوب سید العلماء مدظلہ العالی ۲۴۴
- مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ کا بیان ۲۴۵
- عکس کتاب ”شہید انسانیت“ (چاپ اول) ۲۵۰
- کتاب: شہادت امام حسینؑ
- مؤلف کے بارے میں ۲۸۶
- تصانیف ۲۸۷
- کتاب کے بارے میں ۲۹۸
- مقن کتاب ۳۰۲
- مقصد شہادت ۳۰۲
- ریاست کے مزاج، مقصد اور دستور کی تبدیلی
- ۳۰۳
- نقطہ انحراف ۳۰۴
- انسانی بادشاہی کا آغاز ۳۰۵
- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا قہطل ۳۰۵
- اسلامی دستور کے بنیادی اصول ۳۰۶
- ۱۔ آزادانہ انتخاب ۳۰۶
- ۲۔ شورائی نظام ۳۰۷

اداریہ

برصغیر میں تشیع کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ تاریخ بھی محض حالات اور ان کے آثار کے ساتھ آہستہ آہستہ تاریخ کے سینے اور جوانوں کے ذہنوں سے مٹتی جا رہی ہے جس کی حفاظت ہماری اولین ذمہ داری ہے۔ لہذا آئیں اور سب مل کر اس تاریخ اور میراث کو زندہ کریں تاکہ بزرگوں کی یہ لمانت صحیح و سالم آئندہ نسلوں تک پہنچا سکیں۔

اس حوالے سے انہیں محض اسلام کے آثار و حالات اور ان کی یاد کو زندہ رکھنے کے لیے برصغیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مرکز احیائے آثار برصغیر کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ جس میں دیگر اہم کاموں کے علاوہ ایک شش ماہی مجلہ بنام ”میراث برصغیر“ کی اشاعت بھی شامل ہے۔ جس میں برصغیر کے بزرگ مرحوم علماء و دیگر خدمتگزاران اسلام و تشیع کے آثار و حالات کے علاوہ تاریخ تشیع کے عنوان سے علمی مواد موقع و محل کی مناسبت سے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا ان شاء اللہ۔

یہ مجلہ ہر سال ماہ محرم اور تاب کی تاریخ تاسیس کی مناسبت سے جمادی الثانی میں نشر ہوگا۔ اس وجہ سے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ محرم الحرام میں نشر ہونے والا مجلہ اکثر محرم الحرام نمبر کے عنوان سے شائع کیا جائے۔ اس حوالے سے یہ پہلا محرم نمبر ہے جو قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

بمجد اللہ سرزمین برصغیر میں فقط امام حسین علیہ السلام، عزاداری سید الشہداء اور دیگر شہداء کربلا سے متعلق اردو، عربی، فارسی اور دیگر علاقائی زبانوں میں دو ہزار (۲۰۰۰) سے زیادہ کتب و رسائل تحریر ہوئے

ہیں جن میں سے اہم کتب و رسائل کو موقع و محل اور امکانات کو مد نظر رکھتے ہوئے ملت کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

ایک اہم بات: اس حوالے سے جو اہم بات ہم عرض کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ رسائل یا مضامین چونکہ قدیم ہیں اور اُس زمانے کی نزاکت و ضرورت کو پیش نظر رکھ کر لکھے گئے ہیں۔ لہذا ممکن ہے۔ ان میں کچھ ایسے مطالب موجود ہوں جو دور حاضر کے بعض ذہنوں کے لیے قابل قبول نہ ہوں۔ تو ہم ان حضرات سے میراث کو من و عن پیش کرنے کی وجہ سے پیشگی معذرت چاہتے ہیں۔ البتہ کہیں خاص خاص موقعوں پر سخت و ثقیل الفاظ کو آسان الفاظ میں تبدیل کیا جائے گا۔ بعض تکراری باتوں کو علامت گذاری کے ساتھ حذف کیا جائے گا لیکن ہماری سعی یہی رہے گی کہ کسی بھی عنوان سے محسنان اسلام کی اس علمی میراث کے اصل مطالب میں تبدیلی نہ آنے پائے۔

اس مجلہ میں اگرچہ شیعہ دانشوروں ہی کی میراث کو نشر کیا جائے گا لیکن اہل سنت کے ان دانشوروں کے آثار بھی نشر کیے جائیں گے جن میں کسی بھی عنوان سے دفاع اہل بیت علیہم السلام ہوا ہے یا مذہب اہل بیت کی حقانیت کے پہلو اجاگر ہوئے ہیں۔ ہمارے پیش نظر ہندوستان، پاکستان، کشمیر، بنگلہ دیش کے تمام شیعہ علماء و دیگر دانشوروں کے حالات اور ان کے آثار ہیں۔

البتہ یہ ممکن ہے کہ ہر دو مذہب (شیعہ و سنی) کے دانشوروں میں سے کوئی شخص یا کوئی کتاب کسی کی محبوب اور کسی کی مبغوض ہو۔ لیکن مرکز احيائے آثار برصغیر (ماب) سعی کرے گا کہ ان اختلافات کو نظر انداز کر کے ہر اس شخص اور ہر اس کتاب کو ملت کے سامنے پیش کرے۔ جس نے کسی بھی عنوان سے حقیقی تشیع و عزاداری سید الشہداء و صحیح تعلیمات آل محمد علیہم السلام کی پاسبانی کی ہو۔

لہذا اس جگہ پر ہم پیشگی اعلان کر رہے ہیں کہ تشیع کے نام پر باطل فرقوں کے مروجین اور ان کی کتب کو مرکز احيائے آثار برصغیر (ماب) کسی بھی عنوان سے نشر نہیں کرے گا۔

مرکز احیائے آثار بر صغیر کے اہداف

مرکز احیائے آثار بر صغیر، کا اصلی ہدف بر صغیر کی شیعہ علمی میراث کو زندہ کرنا ہے، لیکن اس اصلی ہدف کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے آہستہ آہستہ مندرجہ ذیل اہداف کو لے کر آگے بڑھے گا:

۱۔ احیائے میراث علمی

شیعیان بر صغیر کی دینی علمی، تحقیقی، ادبی اور فہنگی میراث کا احیاء مندرجہ ذیل طریقوں سے ممکن ہے:

الف) کتابوں کی اشاعت

ب) کتابوں کی Pdf اور Qds تیار کرنا:

ج) فوٹو کاپی: اصل کتاب کے نہ ملنے کی صورت میں اسکی تصویر حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔
د) لائبریری کا قیام: جس کے ایک حصے میں صرف بر صغیر کے علماء اور دیگر دانشوروں کی مخطوطہ اور مطبوعہ کتابوں کو محفوظ کیا جائے گا۔

۲۔ شیعہ دائرۃ المعارف

اس کتابی مجموعے میں بر صغیر کی شیعیت سے مربوط تمام اہم مطالب، اہم شخصیات، کتب، مقامات وغیرہ کو مقالوں کی شکل میں الف، ب یعنی حروف تہجی کی ترتیب سے پیش کیا جائے گا۔

۳۔ کتابوں کی فہرست کی تدوین

اس کتابی مجموعے میں بر صغیر کی شیعہ تالیفات، تصنیفات، تراجم (مخطوطات اور مطبوعات) کی توصیفی معرفت کی جائے گی۔ جنکی تعداد ایک تخمینی حد تک چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) ہے۔

۴۔ بر صغیر کے شیعہ اکابرین کا تذکرہ

اس کتابی مجموعے میں بر صغیر کے شیعہ علماء اور دیگر دانشوروں کے مجموعی حالات زندگی پر روشنی ڈالی جائے گی۔

۵۔ یاد تائے

یعنی بعض شیعہ علماء اعلام و دیگر دانشوروں کے حالات زندگی اور ان کی علمی و اجتماعی کاوشوں پر مشتمل مستقل کتابیں تحریر کی جائیں گی۔

۶۔ سیمینار

ملت کے بزرگوں اور محنتان اسلام کی یاد میں سیمینار کا انعقاد کرنا۔

۷۔ تراجم کتب

بر صغیر کے علمائے اعلام کی عربی اور فارسی کتابوں کا اردو میں اور بعض اردو کتابوں کا فارسی اور عربی میں ترجمہ کیا جائے گا۔

۸۔ نشر مجلہ

”میراث بر صغیر“ کے عنوان سے شش ماہی مجلہ کی اشاعت و تشریح۔

۹۔ ویب سائٹ

انٹرنیٹ کے ذریعے ان مطالب کو ساری دنیا تک پہنچایا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۱۰۔ احیائے قبور

یعنی جن بزرگ شخصیات نے مذہب اہل بیتؑ کی خدمات انجام دی ہیں انکی قبور و مقابر کی تعمیرات کرنا۔

مرکز سے تعاون کے ذرائع

آپ مندرجہ ذیل طریقوں سے اس مرکز کے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں:

مالی تعاون؛

مرکز احیائے آثار بر صغیر کسی بھی ادارے اور شخصیت سے منسلک نہیں بلکہ قوم و ملت کا درور رکھنے والے مخیر حضرات کے تعاون سے اپنی منزل کی طرف گامزن ہے۔ لہذا قوم و ملت کے تمام افراد سے اس کار خیر میں تعاون کی اپیل کی جاتی ہے۔

کتاب سے متعلق تعاون:

یعنی عام کتاب کے علاوہ نایاب و کمیاب کتابوں کا قلمی یا مطبوعہ اصل نسخہ یا فوٹو کاپی یا CD اور سال کر کے یا اطلاع دے کر؛

قلمی و دیگر قدیمی کتابوں کے بارے میں فون، ایمیل یا خط کے ذریعے اطلاع دے کر کہ فلاں کتاب فلاں صاحب یا فلاں کتابخانہ میں ہے؛

جن افراد کے پاس قلمی و نادر الوجود (کمیاب) کتابیں ہیں۔ وہ مرکز سے مربوط افراد کو فوٹولینے کی اجازت دیں؛

جن کتابوں کو یہ مرکز شائع کرنا چاہتا ہے۔ آپ اپنے بزرگوں کے ایصال ثواب کی نیت سے اس کتاب کو شائع کروائیں؛

محققین اور مترجمین مرکز کی انتخابی کتابوں کی تحقیق اور ترجمے میں حتی المقدور تعاون فرما کر؛
اور ملت کے تمام دلسوز افراد سے اپیل ہے کہ براہ کرم، شیعہ دائرۃ المعارف، فہرست کتب اور تذکرہ اکابرین شیعہ سے مربوط کتب کی تدوین کے لئے شیعہ مذہب سے مربوط اطلاع فراہم کر کے اس اہم کام میں مرکز کے ساتھ تعاون فرمائیں، مثلاً

تدوین مقالات:

آپ اپنے علاقے یا دیگر علاقوں سے متعلق مذہب و ملت کے موجودہ اور گزشتہ دلسوز شیعہ علمائے کرام، ذاکرین، اطباء، حکماء، مستبرین (یعنی اپنے سابقہ مذہب کو چھوڑ کر مذہب شیعہ کو قبول کرنے والے حضرات)، مذہب کے خدمت گزار شیعہ ذراء، و قبائلی رؤسا، شیعہ خاندان، شیعہ حکمران، شیعہ اولیائے کرام و دیگر اہم ترین شیعہ شخصیات، کے حالات زندگی اور ان کے آثار اور اہم ترین ماحمی انجمنیں، امام بارگاہیں، شیعہ مساجد، شیعہ مدارس، شیعہ کتاب خانے، شیعہ موقوفات، شیعہ قبرستان، خلاصہ: شیعیت سے متعلق ہر قسم کی چھوٹی یا بڑی، ہر زبان اور ہر موضوع سے متعلق کتاب و دیگر مقالات اور موضوعات کے متعلق اطلاعات اور مقالات ارسال کر کے۔

ارسال فوٹو:

مذکورہ بالا عناوین یعنی شیعہ علمائے کرام و دیگر دانشوروں اور مذہب کے دیگر محسنوں کے اور شیعیت سے متعلق مقالات سے مربوط فوٹو، فلم وغیرہ ارسال کر کے، یا اطلاع دے کر، خلاصہ کلام یہ کہ بر صغیر کی شیعیت سے مربوط ہر قسم کی دقیق اطلاع یا اصل مواد فراہم کر کے آپ اس کار خیر میں حصہ لے سکتے ہیں۔

ضروری اعلان!

آپ جس قسم کی بھی اطلاع یا مواد فراہم کریں اُسے مستند ہونا چاہیے اور اگر آپ کی یہ اطلاع مقالہ کی شکل میں ہو تو مذکورہ بالا کتب میں اسے آپ کے ہی نام سے تحریر کیا جائے گا لہذا اسے مستند و مستدل طریقے سے تحریر کرنا ضروری ہے البتہ مرکز اس کو مفید بنانے کے لیے ترمیم و اضافہ کا حق رکھتا ہے اور حتی المقدور چاپ کرنے سے قبل ایک دفعہ صاحب مقالہ کو یہ مقالہ دکھایا جائے گا، اس لیے آپ اطلاع ارسال کرتے وقت اپنا مستقل اور عارضی پتہ اور رابطہ و فون نمبر اور Email ضرور تحریر فرمائیں۔ شکریہ



مفارقات الحُسینیہ والعثمانیہ

تالیف: علامہ الحکیم السید غلام حسین کنتوری
ناشر: مطبع اصلاح کھجوه ضلع ساران ہند (زیر سرپرستی علامہ سید علی حیدر نقوی)

﴿تمثال مؤلف کتاب﴾
﴿مؤلف کے بارے میں﴾
﴿کتاب کے بارے میں﴾

مؤلف کے بارے میں

علامہ سید غلام حسنین کنٹوری (۷ ربیع الاول ۱۲۴۷ھ - ۳ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ - ق)

ولادت و تعلیم

آپ ۷ ربیع الاول ۱۲۴۷ھ میں بمقام کنٹور پیدا ہوئے۔ کنٹور میں قرآن ختم کرنے کے بعد ۱۲۵۴ھ میں لکھنؤ آئے اور شاہی مدرسہ میں ابتدائی کتب پڑھیں، ۱۵ سال کی عمر میں یعنی ۱۲۶۲ھ میں آپ کی شادی جناب علامہ سید مفتی محمد قلی خان مرحوم کی صاحبزادی سے ہوئی۔

پھر آپ کچھ عرصے کے لیے اپنے شہر کنٹور تشریف لے گئے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں دوبارہ لکھنؤ آئے اور جناب سید احمد علی صاحب محمد آبادی اور آیت اللہ سید العلماء سید حسین علیین مکان اور جناب ممتاز العلماء بن سید العلماء سے تکمیل علوم کی اور جناب علیین مکان نے آپ کو اجازت اجتہاد عطا فرمایا۔

علمی و ثقافتی سرگرمیاں

قادر مطلق نے روز اول سے ذہانت و ذکاوت اور جودت آپ کے حصے میں لکھ دی تھی۔ آقای نوگانی صاحب ”تذکرہ بی بہا“ کے کہنے کے مطابق جناب علامہ کنٹوریؒ چونسٹھ علوم کے ماہر تھے۔ مندرجہ ذیل چند موضوعات پر آپ کی دستری اس قول کی تصدیق کرتی ہے۔

۱۔ آپ کچھ عرصہ مدرسہ سلطانیہ کے داروغہ رہے اور ۱۸۶۱ء میں چوک لکھنؤ کے رجسٹرار ہو گئے۔ یہ کام اس قابلیت سے انجام دیا کہ انعام حاصل کیا۔

۲۔ آپ سریزم کے ماہر تھے اور اکثر امراض کا علاج اس کے ذریعے کرتے تھے۔

۳۔ اسی طرح آپ علم جفر کے بھی ماہر تھے مگر ۱۲۸۴ھ سے چھوڑ دیا۔

۴۔ آپ کا نامردی کے خاتمے کا نسخہ تیر بہدف تھا۔

۵۔ آپ نے مدقوق اور مستسقی کا علاج کیا اور کامیابی ہوئی۔

۶۔ آپ نے چاندی اور سونا بھی بنایا۔

۷۔ دینی مدرسے کے استاد اور علمی کتب کے مصنف اور مترجم ہونے کے باوجود گھڑی بھی درست کی۔

خدمت دین

مذکورہ بالا موضوعات کے استاد ہونے کے باوجود آپ نے ساری زندگی دین کی خدمت کی اور مذکورہ فنون سے ضرورت کی حد تک معاش زندگی کا استفادہ کیا لیکن دینی خدمت کے بدلے میں کچھ نہ لیا جس کی زندہ مثال وہ زمانہ ہے کہ جب آپ عمرت و تنگدستی میں تھے اور امام جماعت بھی تھے تب بھی نماز پڑھانے کی نوکری نہیں کی بلکہ حکیم ہاشم علی خان صاحب ریکس موہان کے صاحبزادوں کو پڑھانے کی ملازمت کر لی۔ انہیں چیزوں کو دیکھ کر آگرہ کالج کے پرنسپل نے آپ سے ملنے کی خواہش تھی اور جب ملاقات ہوئی تو پرنسپل صاحب آپ سے بہت عزت سے پیش آئے۔

تقریباً ۱۲۸۹ھ میں جناب مرحوم نے لکھنؤ میں ایک مدرسہ دینی کی بنیاد ڈالی یہ مدرسہ پہلے جناب ممتاز العلماء کے امام باڑہ میں تھا مگر آپ کی کوشش سے ایسی ترقی کی کہ جناب مولوی سید احمد علی صاحب قبلہ محمد آبادی نے آپ کے اس فعل حسن کی ان الفاظ میں تعریف فرمائی "آپ کے مساعی جلیلہ کا ہم سب کو شکریہ ادا کرنا چاہیے آپ نے قومی طاقت شیعہ کو معین کر دیا اور کیسی کیسی امید ہائے موہومہ ہماری روز بروز بر آتی جاتی ہیں۔" اس کے علاوہ آپ اکثر اپنے رسائل چھپوا کر مفت تقسیم فرمادیتے تھے۔

مگر افسوس کہ ستم ظریفوں، ہد زبانون اور حاسدوں نے اس خادم دین کو بھی نہ چھوڑا لہذا لوگوں نے یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی جناب پر زبان اعتراض بلند کی جس کی وجہ سے آپ نے فوراً مدرسہ سے علیحدگی اختیار کر لی جس کی وجہ سے مدرسہ پھر پستی کی طرف چلا گیا۔

لیکن بعض افاضل اور اعلام نے آپ کو دوبارہ تیار کیا اور آپ پھر مدرسے کے علاج میں متوجہ ہوئے۔ ان خدمات کے علاوہ آپ کی ایک خدمت یہ بھی ہے کہ آپ اپنے ہی جیب خرچ سے تبلیغ دین کے لیے ایک اخبار ”الاخیار“ نکالتے تھے۔

۱۸۶۲ء میں مفلوج ہو گئے۔ خواب دیکھا کہ دو میم انجیل ہاتھ میں لئے کہہ رہی ہیں کہ اگر عیسائی ہو جاؤ تو ابھی صحیح اور سالم ہو جاؤ گے؛ یہ سن کر آپ کو ایسا غصہ آیا کہ تن بدن میں آگ لگ گئی، اشتعال سے حرارت عزیزی کے سارے بدن بھیگ اٹھا اور تمام سدہائے باطنی اعصاب حرکت میں آکر تحصیل ہو گئے آنکھ کھلی تو تمام اعضا درست تھے۔

آقای نوگانووی کے بقول عزائے سید الشہداء میں خاص انہماک تھا۔ ۱۸ دسمبر ۱۸۹۲ء کو بمقام بہرہ سادات ضلع مظفر نگر میں ہونے والا سنی شیعہ مناظرہ آپ ہی کا منعقدہ کیا ہوا تھا اور نجیف بھی شریک تھا۔ غالباً ۱۸۹۵ء کے جلسہ ندوۃ العلماء میں بھی آپ شریک تھے۔ اہل سنت نے آپ کی بڑی عزت افزائی کی اور آپ نے بھی دستار نبوی پر اعلیٰ درجے کی تقریر فرمائی۔ انجمن جعفریہ مظفر نگر کے پہلے جلسے ۱۳۲۲ھ میں بھی آپ شریک تھے۔ شیعہ پرچہ ”کجھوہ ۱۹۰۶ء“ میں ہے کہ آپ کی نگرانی میں میرٹھ میں ایک انجمن بغرض اصلاح مومنین قائم کی گئی اور جس کا ہر اتوار کو وعظ ہوتا تھا۔

پرچہ مذکورہ اپریل ۱۹۰۸ء میں ہے کہ ۷ محرم ۱۳۲۶ھ کو آپ نے تربت کا سرخ ہو جانا اور آسمان سے خون برسنا وغیرہ میرٹھ میں ممبر پر پڑھا کسی کو شک ہوا تو گیارہ بجے رات کے لام باڑہ کے پانچ غلم سرخ ہو گئے درمیان والا غلم بہت سرخ تھا دو بجے تک یہی حالت رہی اور ۷، ۸، ۹، محرم تک یہی کیفیت ہوتی رہی بہت لوگوں نے دیکھا۔

ذریعہ معاش

اسی گھڑی سازی اور صابون سازی اور حکمت، کو اپنا ذریعہ معاش بنایا اور نماز پڑھاتے تھے لیکن تنخواہ وصول نہیں کرتے تھے اور نیل بنانے کا کارخانہ نگر ولی ضلع نگر میں کھولا مگر اس میں خسارہ ہوا۔ راج جو دھپور، بھر جیور، آگرہ، گوالیار، کشمیر، ضلع میرٹھ، مظفر نگر وغیرہ میں آپ نے اپنے مطب اور ہدایات

کے فوائد کے چشمے بہا دیئے اور امراض مزمنہ کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا نیز اپنی کتب کے علاوہ جناب ممتاز العلماء کی تفسیر ”ینایع الانوار“ بھی چھاپنی شروع کی۔

آثار

آپ کی تصانیف یہ ہیں:

۱۔ حواشی مغنی اللیب و حواشی شرح کبیر: (آیہ مبارکہ: ﴿إِنَّمَا تُولُوا فِثْمَ وَجْهِ اللَّهِ...﴾ پر ایک پادری صاحب نے اعتراض کیا تھا سلطان العلماء نے اس کے جواب پر آپ کو مامور کیا اور آپ نے ایسا رسالہ لکھا کہ جناب سلطان العلماء نے اجازت اجتہاد دیا۔

۲۔ رسالہ در اشکال وضو مشتمل بر (۷۲۰) صور:

۳۔ رسالہ تفسنی فی القرآن:

۴۔ شرح اعجاز خسروی: (منشی نو لکھنؤ صاحب کے ایما پر تحریر فرمائی اس کا پہلا حصہ جناب مولوی سید اعجاز حسین صاحب مرحوم نے ملاحظہ فرما کر کہا کہ خدام کو حاسدوں کی نظر سے بچائے۔)

۵۔ رسالہ شیخ الرکیس: (عمل اکسیر امض عربی کا اردو ترجمہ۔)

۶۔ رسالہ شیخ اکسیر احمر عربی کا اردو ترجمہ: (سر سید احمد خاں صاحب کے اخبار تہذیب الاخلاق کا جواب۔)

۷۔ رسالہ شواہد (اردو یعنی جو الفاظ اردو میں بولے جاتے ہیں ان کی تذکیر و تانیث کا قاعدہ اور شعرائے ہند سے انکی سند۔)

۸۔ رسالہ نور العینین فی شرح حدیث ابطال و مرویہ بالعین (جو کافی میں حدیث ہے۔)

۹۔ شرح زیارت ناحیہ مقدسہ: (حسب فرمائش حضرت واجد علی شاہ مرحوم معذور سلطان اودھ بوساطت جناب نواب رفعت الدولہ بہادر اس کو سن کر جناب قائمہ الدین نے بھی فرمایا تھا کہ ایسے دقائق حقائق آج تک ہماری سماعت سے نہیں گذرے۔)

۱۰۔ ترجمہ تشخیص جالینوس فارسی

۱۱۔ مائین در مقتل حسینؑ جلد

۱۲۔ اختصار الاسلام در سہ جلد (غیر مسلمین کے جوابات)

۱۳۔ انعمیہ اردو ترجمہ العین

۱۴۔ زینبیہ در حال ازدواج رسول و رد نصاری و آریا

۱۵۔ معارقات حسینیہ و عثمانیہ

۱۶۔ ذوالجناحہ حسینیہ

۱۷۔ حسینیہ قمرانیہ

۱۸۔ معراجیہ قمرانیہ

۱۹۔ اردو ترجمہ قانون شیخ

۲۰۔ اردو ترجمہ کامل الصنائہ

۲۱۔ مابینامہ رسالہ تہافتہ الفلاسفہ

یہ مجلہ برسوں جاری رہا۔ اسکے علاوہ آپ کے مضامین اصلاح، شیعہ سمجھو، اور اخبار امامیہ لکھنؤ و اثنا عشری دہلی، و سمرہ روزگار آگرہ وغیرہ جیسے رسالوں میں طبع ہوتے تھے۔

ان تالیفات کی فہرست لکھنے کے بعد صاحب تذکرہ کلبی بہا تحریر فرماتے ہیں کہ اس پیری (بڑھاپے) میں آپ کا زور قلم جوانوں کو گھٹاتا تھا، آپ چھوٹے سے مولوی کو بھی اپنا قوت بازو سمجھتے تھے اس راقم الحروف سے ایسی محبت رکھتے تھے کہ جیسے باپ بیٹے سے محبت رکھتا ہے آپ اکثر اپنے رسائل چھپوا کر مفت تقسیم فرمادیتے تھے میرے یہاں آپ کی تصانیف آپ ہی کا عطیہ ہے۔ خدا بخشنے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

حلاذہ

آپ کے چند حلاذہ کے نام یہ ہیں:-

آپ کے فرزند مولوی تصدق حسین صاحب

دوسرے فرزند مولوی محمد علی صاحب مرحوم

جناب فخر العلماء سید علی اظہر

شریف العلماء سید شریف حسین

حکیم مہدی علی صاحب کنٹوری

مولوی سید آغا علی صاحب جلالوی مدرس و کتوریہ کالج آگرہ
 مولوی محمد امین صاحب ساکن کجھوہ ضلع ساران
 مولوی حبیب حسین صاحب ساکن و ہولڑی و مدرس مدرسہ منصبیہ میرٹھ

وفات

بالآخر اس خادم دین و مذہب نے ۷ اکتوبر ۱۹۱۸ء مطابق ۱۳ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ کو فیض آباد میں انتقال فرمایا اور لاش کتور میں لا کر دفن کی۔ جنتری ہندی میں لکھا ہے کہ اس شب کو چاند گرہن ہوا جو بعض جگہ ہوا اور بعض جگہ نظر نہ آیا اور اخبار مشرق گورکھ پور ۹ جنوری ۱۹۱۹ء میں جناب ڈپٹی سید محمد ہاشم علی صاحب ریکس جو پور کی یہ تاریخ لکھی ہے:

حیف از ظلم تعدی و جفائی چرخ پیر	سخت شد ماه دین عالم همه بی نور شد
عالم زین عالم فانی شدہ سوئی جنان	دل همه مجروح گشت وزخم دل ناسور شد
خالی شد ہندوستان از عالم معجز بیان	در کتاب و در مجالس وصفت او مذکور شد
کرہ رحلت از جہان و یافت جانش در جنان	سال فصلی وفاتش ظاہر از مغفور شد

از لب کتور نیز آمد ند از بھر سال
 زیب ایوان جنان علامہ کتور شد
 باز پشنود از لب جمہور بھر سال او
 وائی پنهان از نگہ علامہ کتور شد

شیعہ کانفرنس منعقدہ اپریل ۱۹۱۹ء مقام آگرہ میں یہ ریزولیشن پاس ہوا کہ یہ کانفرنس جناب علامہ مولانا سید غلام حسنین صاحب کتوری کی وفات حسرت آیات پر افسوس ظاہر کرتی ہے اور ان کے پس ماندگان سے ہمدردی ظاہر کرتی ہے۔^(۱)

۱۔ تذکرہ بی بہادری ۳۸۰ چاپ جدید، سفر نامہ علامہ کتوری، مرتبہ حکیم سید محمد کمال الدین حسین بدایونی، ۸۸ صفحات، مطبع انوار ص ۳۸۶۔

متن کتاب

(آغازِ سخن)

الحمد لله الذي ميز من عباده الصالحين والطارحين بعلامات لا يشبه
احد الفريقين منهم بالآخر ثم بين لنا انبيائه ولا سيما نبينا خاتم الانبياء
اياها ببيان واضح وتبيان ظاهر، صلوة الله وسلامه عليهم وعليه واله
صلوة تعد لنا في دار الكرامه مثوبات ومفاخر وبعد

جمع حمد ایسے خدا کے واسطے ہیں جس نے اپنے نیک بندوں اور بد کردار بندوں میں تمیز دی ایسی علامت
سے کہ ایک دوسرے سے مشتبہ نہیں ہو سکتا پھر ان آیات کو انبیائے کرام علیہم السلام خصوصاً ہمارے نبی
خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم، نے ہم سے بیان فرمایا واضح طور سے اور ظاہر طریق سے، درود خدا
سب انبیاء علیہم السلام پر ہو، ہمارے نبی ﷺ پر اور ان کی آل پر ایسا درود جو ہمارے واسطے دار آخرت میں
ثوابہائے کثیر اور مفاخر کا ذخیرہ جمع کر دے۔

بعد حمد اور صلوة کے، کہتا ہے بندہ فقیر محتاج اپنے اس پروردگار کا جو کچھ غنی ہے غلام حسنین کنٹوری
کہ مجھے اس رسالہ کے لکھنے پر بعض افراد کے اس قول نے کشاں کشاں آمادہ کیا جو حضرت عثمان کے حق
میں کہتے ہیں کہ، حضرت عثمان ذی النورین تھے اور غنی تھے اور شہید بھی ہوئے۔ یہ تینوں اوصاف ایسے
ہیں جو کسی صحابی یا اہل بیت نبی میں جمع نہیں ہوئے۔ حضرت عثمان ذی النورین تو اس وجہ سے ہوئے کہ
دود دختر نبی کے یہ شوہر تھے۔

کاش مجھے معلوم ہو جائے کہ ان دونوں دختروں کو، کیوں یہ لوگ دونور کہتے ہیں؟ کیا جناب رسول صلی
اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ لقب ان کو دیا ہے؟ یا ان لوگوں نے یہ لقب دونوں دختروں کو دیا ہے جنہوں نے
حضرت عثمان کو خلیفہ بنایا؟

حضرت عثمان کا غنی ہونا اس وجہ سے کہ اپنے کنبہ اور قبیلہ کو زیادہ درہم دینا روہیتے تھے فقط۔ پھر چونکہ یہ داود و ہش مسلمانوں کے مال سے ان کے حق تلفی کر کے ہوتی تھی لہذا بعض فضلاء سے میں نے یہ تاویل سنی ہے کہ حضرت عثمان کو اکسیر بنانا آتا تھا (اچھی کہی) شہید ہونا حضرت عثمان کا تو یہ حیلہ اس واسطے کیا جاتا ہے کہ ان کا خاتمہ بالخیر ہونا ثابت ہو کہ جو بدگمانی ان سے لوگ کرتے ہیں اور چند برائیاں ان کی ثابت کرتے ہیں ان کا رد اور ابطال ہو جائے۔

مجھے قسم ہے تمہاری جان کی یہ لوگ اپنی مستی اور بیہوشی میں سرگرداں ہیں۔ اس لئے کہ خدائے عادل نے بغرض تمیز حق و باطل کے اسی قتل حضرت عثمان کو پوری دلیل اور برہان کے ظاہر کر دیا ہے کہ اس قتل سے ان کی برائی، بد انجامی، خرابی عاقبت ثابت ہو گئی۔ خدا نے ان کے مریدوں کی دروغ گوئی کو باطل کر دیا اور جو مباہات اور فخر کیا کرتے ہیں سب کو مٹا دیا۔ پھر چونکہ ان امور کا اعلان نتائج عظیمہ پر شامل ہے اور شبہ زیادتی مرتبہ اور شبہ مساوات، حضرت عثمان کا اہل بیت نبی سے، خاص کر امام حسین، کی مساعیات امر شبہات میں باطل کرتا ہے۔

لہذا یہ رسالہ خاص ہم نے اسی غرض سے لکھا ہے اور غرض یہی ہے کہ اس رسالہ میں ہم قتل حضرت عثمان اور شہادت امام حسین کا فرق بیان کریں گے۔ اور میں ان امور کا ذکر اس رسالہ میں نہ کروں گا کہ جن میں صحیح شبہات کا پڑ جانا بلا تخصیص اعتقاد مذہبی کے ہو سکتا ہے اور ان شبہات کی وجہ سے وہ روایات موضوع کہی جاتی ہیں، بلکہ میں ان باتوں کا ذکر کروں گا، جن کو تاریخ صحیح لکھ رہی ہے، روز قتل جو امور ان دونوں مقتولین کے حادث ہوئے اور روزانہ حادث ہوتے ہیں، جن کو ہم مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ہم کو لایق ہے کہ پہلے امور مشارکہ کو بیان کریں اور اس کے بعد مفارقات، کو لکھیں کہ جنہیں وہ مشارکات سمجھ رہے ہیں (نہ در حقیقت) اور یہ گمان اور ان کا براہ جہالت ہے، یا تجاہل عارفانہ کرتے ہیں۔

(سات عدد مشترکات)

(۱۔ خلافت؛ ۲۔ مظلومیت؛ ۳۔ پیاس؛ ۴۔ اہل و عیال کے سامنے قتل؛ ۵، ۶۔ غسل، کفن اور دفن

سے منع۔)

پہلا امر مشترک یہ ہے کہ دونوں خلیفہ رسولؐ تھے:

ایک فرقہ کے نزدیک، جو حضرت عثمانؓ کو تیسرا خلیفہ اور امام حسینؑ کو چھٹا خلیفہ شمار کرتا ہے۔ لیکن حضرت عثمانؓ کا تیسرا خلیفہ ہونا، اس طرح پر کہ آدمیوں نے اپنی رائی اور اختیار سے ان کو خلیفہ بنایا، تو یہ ایسی بات ہے جس سے کوئی فرقہ انکار کر نہیں سکتا۔ جس طرح اس کا بھی انکار کوئی فرقہ نہیں کر سکتا ہے، کہ یہ اختیار خلیفہ بنانے کا آدمیوں کو خدا اور رسولؐ کا حکم اس پر نہیں ہے۔ لیکن امام حسینؑ کا چھٹا خلیفہ ہونا، اس طرح کہ آدمیوں نے اپنی تجویز سے ان کو خلیفہ بنایا ہو تو چونکہ ان کی خلافت کا انتظام نہیں ہوا یعنی اجماع اور قہر اور غلبہ جو شرط ضروری اس خلافت کی ہے وہ پوری نہیں ہوئی پھر کیونکر آپؐ چھٹے خلیفہ ہو سکتے ہیں؟ اور ان خلفاء میں ان کا شمار ہو سکتا ہے جو آدمیوں کے بنائے ہوئے خلفائے زمرے ہیں؟

ہاں! امام حسینؑ کا تیسرا خلیفہ منصوب من اللہ، زبانی ہمارے نبیؐ کے ہونا اور فیضانِ ان کو ان دلائل کا عطا کرنا خدا کا، جن سے سچے خلیفہ نبیؐ کی شناخت ہوتی ہے، یہ بھی ایسی بات ہے جس سے کوئی آدمی انکار نہیں کر سکتا، بشرطیکہ وہ دشمن خدا اور رسولؐ نہ ہو اور محض برائے عناد انکار نہ کرتا ہو۔ جب تیسرے خلیفہ کی شرکت باطل ہو چکی۔ تو اب ثابت ہو گیا کہ امور مشترکہ میں سے خلافت دونوں میں نہیں ہے، بلکہ بڑا فرق بین ان دونوں میں اسی امر خلافت کا ہے، جس پر اور سب امور متفرع ہوئے ہیں اور چونکہ ہم نے عہد کر لیا ہے ابتدا میں اسی رسالہ کے کہ جن روایات میں شبہ پڑتا ہے ان کو ذکر نہ کریں لہذا ان روایات کو جو کتب سماویہ میں بہ نسبت اسی واقعہ کے ہیں ان کو نہ لکھیں بلکہ اہل ہنود کی کتب کی بھی کوئی روایت درج نہ کریں۔

اب رہے (دیگر) مشترک امور

ان کا یہ بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ بھی (۲) مظلوم تھے اور (۳) پیاسے (۴) اپنے اہل و عیال کے سامنے قتل کئے گئے اور (۵) دفن اور (۶) غسل اور (۷) کفن سے منع کئے گئے، زمین پر ان کی لاش پڑی رہی اور یہی حال امام حسینؑ کا ہے۔ یہ سب چھ باتیں ہیں۔ اب ہم ان کو ضرور بیان کریں گے کہ ان سب میں حضرت عثمانؓ اور امام حسینؑ شریک ہیں یا کہ بالکل جدا جدا ہیں۔

حضرت عثمان کا مظلوم ہونا اور اس میں یہ دیکھوان پر کس نے ظلم کیا؟ اور کیوں یہ ظلم کیا؟ اور یہ بھی دیکھو کہ ابتدا ظلم کی قاتلان حضرت عثمان سے ہوئی؟ یا انہوں نے ان مظالم کا انتقام لیا جو حضرت عثمان سے صادر ہوئے تھے؟ اور دراصل وہی لوگ مظلوم تھے، یہ بھی دیکھو کہ وہ قاتل کون کون لوگ تھے؟ جن میں صحابہ جلیل اور ثقہ عادل بقول اہلسنت ایسے شامل تھے (بلکہ بانی) جن کی فضیلت کا کوئی سنی انکار ہی نہیں کر سکتا اور نہ ان کی دیانت اور بزرگی سے انکار ہو سکتا ہے۔ قاتلان حضرت عثمان کے نام اور شرکا اور معاونین کے بموجب تصریح ثقہ علماء اہلسنت کے پڑھو جن میں ابوالحسن مازنی ایسے بزرگ جلیل الشان تھے اور وہ لوگ بھی جو بیعت عقبہ اور جنگ بدر میں حاضر تھے۔

چنانچہ کتاب استیعاب ابن عبد البر میں لکھا ہے اور عبد اللہ بن عمر (پسر خلیفہ دوم) بھی شریک قتل تھے جیسا کہ واقعہ امام تاریخ اہل سنت نے لکھا ہے، عبد اللہ کا قول یہ ہے: قسم بخدا کہ ہم سب طالبان قصاص میں کوئی ایسا نہ تھا جو قاتل حضرت عثمان نہ ہو یا خاذل یعنی تارک نصرت حضرت عثمان نہ ہو۔ تم کو لازم ہے کتاب مستطاب "تشمید المطاعن" کو دیکھو کہ وہ اسی بحث خاص میں لکھی گئی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عثمان کا مظلوم ہونا اس کو تاریخ باطل کر رہی ہے اور صحابہ عدول کا شریک ان کے قتل میں ہونا، یہ بھی ان کے مظلوم نہ ہونے کی دلیل ہے۔ اب تو ثابت ہو گیا کہ حضرت عثمان اپنے مظالم شدیدہ کی سزا میں قتل کئے گئے اور وہ بے گناہ نہ تھے بلکہ واجب القتل تھے۔

(رد شہات)

چند جھوٹی روایات جو حضرت عثمان کے قتل ہونے کی اور ان کے جنازے پر فرشتوں کے نماز پڑھنے کی جو ہمارے نبی کی طرف منسوب کرتے ہیں، سب موضوع ہیں اور بنی امیہ کی گھڑی ہوئی ہیں جیسا کہ محققین اہل سنت نے تصریح اس کو لکھ دیا ہے اور حضرت عثمان کے مقتول ہونے پر محض خبر دہی رسول اور ان کے قاتلوں کی بد حالی اور بد انجامی کی خبر نہ دینے اور نہ اس قتل کی کوئی عظمت بیان فرمائی نہ قاتلوں کا معذب اور مقہور ہونا، دنیا اور آخرت میں اس کا کچھ ذکر نہ کرنا یہ حضرت عثمان کو کیا نفع دے سکتا ہے؟

لیکن واقعہ حرہ اور قتل اہل مدینہ کا جو یزید کی فوج کے ہاتھ سے گذرا، یہ سب کچھ بعد شہادت امام حسینؑ کے تھا، حضرت عثمان کے قتل سے اس کو کیا تعلق ہے اور نہ کسی روایت میں حضرت عثمان کے مجازات سے ہونا وارد ہوا ہے اور کیونکہ یہ واقعہ مجازات قتل حضرت عثمان سے ہو سکتا ہے حالانکہ قاتلان حضرت عثمان وہی صحابہ بدری ہیں جن کو عموماً سنیوں کے اعتقاد کے مطابق جنت کی بشارت ہو چکی ہے پھر اگر ان کے معذب ہونے کے قائل ہوں تو وہ اجماع باطل ہو گا جو ان کے بہشتی ہونے پر دلالت کر رہا ہے۔ مگر اینکہ اس کے قائل ہوں کہ قاتل حضرت عثمان اور مقتول یعنی حضرت عثمان دونوں بہشتی ہیں جیسا کہ سنیوں کا شعار ہے (میرے دونوں میٹھے) پھر جب ہم نے حضرت عثمان کے مظلوم اور بے گناہ مارے جانے کو باطل کر دیا، اب ظاہر ہو گیا کہ اس امر میں بھی مشارکت ان کو امام حسین سے نہیں ہے۔ ہم آئندہ ان معارقات کا ذکر کریں گے کہ جن سے معلوم ہو گا کہ ان دونوں مقتولین میں کوئی ایسی نسبت یا شرکت نہیں ہے کہ جس سے مقتول حضرت عثمان کی کرامت ثابت ہو۔

اب رہے ہمارے حسین مظلوم: کیا کسی منصف کو تم دیکھتے ہو جو آپ کے مظلوم ہونے میں شک اور شبہ کرے؟ یا آپ کے بے گناہ شہید ہونے میں اس کو شک ہو؟ اور کیا علماء سیر میں کسی کو تم پاتے ہو جو ہمارے نبیؐ سے امام حسینؑ کا بے جرم مقتول ہونا روایت نہ کرتا ہو؟ بلکہ شہادت امام حسین کے اس ہولناک واقعے کو، تم ان کتب سلاویہ میں بھی مذکور پاؤ گے جو قبل بعثت ہمارے نبیؐ کے پیشین گوئی کر رہی ہیں۔ اسی طرح ہمارا قرآن بھی واقعہ شہادت اور سزا اور جزا جو کچھ اس کے متعلق ہے سب کو ابتدائے ولادت امام حسینؑ سے بیان کر رہا ہے، جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ حسینیہ قرآنیہ میں بخوبی اس کو لکھ دیا ہے (پڑھو) یہ قصہ ہائے شہادت اور روایات، ان کا ذکر حد تو اترا کو پہنچ گیا ہے اور مورخین اسلام کی تخصیص نہ رہی اور یہی کھلا ہوا فرق ہے۔

روایات شہادت امام حسینؑ کے صحیح ہونے اور حضرت عثمان کے قتل کی ان روایات کے غلط ہونے میں، جن سے کوئی بزرگی ان کی ثابت ہو ایضاً ایک اور طریقہ روایات کی صحت اور غلطی جانچنے کا بعد اس طریق کے جو ہم نے لکھا ہے، یہ بھی ہے کہ اس واقعہ کے وقوع کے بعد نتائج کیا ظاہر ہوئے جن سے

عظمت یا برائی، خرابی اس واقعہ کی ثابت ہو۔ اب تم کو لازم ہے ان روایات کو پڑھو جو اگلے پچھلے مورخین ہر مذہب کے ان دونوں متضادوں کے بارے میں روایت کر رہے ہیں۔ بس یہی یاد آوری تم کو حق اور باطل کے فرق کرنے میں کافی ہوگی۔

روایات سے بڑھ کر تم کو مشاہدہ ان کریمات اور معجزات کا جو آج تک امام حسینؑ کے ظاہر ہو رہے ہیں، ان کا ظہور برابر رہے گا، جب تک مشیت الہی جاری ہے اور حضرت عثمان کے روز قتل سے لے کر آج تک کوئی کرامت ظاہر نہیں ہوئی۔ اس کے دیکھنے اور سوچنے سے امر حق کی شناخت اور بھی بخوبی ہوتی ہے جس سے بڑھ کر اور کونسی بات ہے۔ مجملہ ہم بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ نبی اگر خدا کا پسندیدہ ہو اور اس کی عزت اور آبرو پیش خدا بھی ہو پھر وہ قتل کیا جائے یا شہید ہو سب سے پہلے خدا پر واجب ہے کہ اس کا خون جو بہایا گیا ہے اور اس کو ذلت اور خواری سے بچائے اور اس خون میں جہاں پر گر اہو، یا کسی چیز میں بھر گیا ہو کسی قسم کی بدبو نہ آنے پائے، نہ اور کسی قسم کی خرابی پیدا ہو کہ جس کے دیکھنے اور سننے سے لوگ نفرت کریں۔ کیا تم کو پوری خبر ہے کہ خون حضرت عثمان کا کیا حال تھا؟ اور کیسی کراہت لوگوں کو اس کی بدبو سے پیدا ہوئی تھی؟ مجھے اس خرابی کو طول تقریر سے لکھنا منظور نہیں ہے۔

رہا خون امام حسینؑ کا یہ وہ خون ہے جو تمہارے نبیؐ کے خون سے پیدا ہوا ہے، اس کو خدا نے چند خواص عجیبہ عطا فرمائے ہیں، ان میں ایک بڑی صفت یہ ہے کہ جس وقت یہ خون زمین پر گرے اس زمین کی مٹی کسی جگہ پر کیوں نہ ہو سرخ ہو جائے بلکہ خون تازہ ہو جائے چنانچہ تم نے حدیث جناب ام سلمہؓ کی سنی ہے کہ اس میں اسی زمین کی مٹی لائی ہوئی جبرائیلؑ کی تھی جس کو جناب رسولؐ نے ام سلمہؓ کے سپرد فرمایا تھا اور بروقت قتل اور خوریزی امام حسینؑ کے وہ مٹی خون تازہ ہو کر شیشہ میں جوش مارنے لگی اور یہ صفت اس خاک پاک سے آج تک زائل نہیں ہوئی بلکہ سجدہ گاہ اور دانہ تسبیح کہ جن میں کسی قدر شائبہ یا آمیزش اس کی ہے، بروز عاشورہ اب بھی سرخ ہو جاتی ہے، چنانچہ ہمارے ملک ہند میں چند مقامات پر ایسی تسبیح موجود ہے۔

یہ بھی صفت خون امام حسینؑ میں خدا نے دی تھی کہ جس وقت خنجر ظلم سے وہ خون بہایا جائے آسمان سے خون برسے اور جو پتھر اور ڈھیلا اٹھایا جائے، اس کے نیچے خون بھرا ہوا پایا جائے، یہ دونوں اوصاف تو

چشم دید کی قسم سے ہیں ان کا تو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر کیا خون حضرت عثمان میں کسی نے ان دونوں صفتوں میں سے کوئی صفت پائی ہے؟ ایضاً یہ بھی خاصیت اس خون میں خدا نے دی تھی کہ جس کپڑے میں یہ خون لگ جائے اور جب اس کو کوئی شقی جسم اطہر امام سے اتار کر اپنے اس کو مرض بالخورہ کا یا اور کوئی مرض لاحق ہو جیسا کہ اسحق بن حبشوہ ملعون، کو آپ کے خون آلودہ کرتے کے پہننے سے ہوا۔ یادو سراشتی جس نے علامہ سحاب کو آپ کے سراقہ سے اتار کر اپنے سر پر باندھا۔ یہ بھی صفت دیکھنے میں آگئی ہے اور خون حضرت عثمان میں اس کا بھی کچھ شائبہ نہیں ہے۔

لیکن وہ خواص جو ہمارے دیکھنے کے قابل نہ تھے، ہاں روایات صحیحہ سے ہم کو معلوم ہوئے ہیں ایک ان میں یہ بھی ہیں کہ ایک فرشتہ آسمان سے اتر اور ایک شیشہ میں خون امام حسینؑ اور دوسرے شیشہ میں خون شہدائے کربلا کا بھر کر آسمان پر لے گیا۔ ایضاً بعض معتمد علمائے اہلسنت نے جیسے احمد اور ابن بطہ نے روایت کی ہے کہ حالت خواب میں رسول اللہؐ نے ایک شخص کی آنکھ میں ایک سلاخی خون سے ڈبو کر پھیر دی وہ شخص اندھا ہو گیا جو قبیلہ رباح قاضی کے اندھوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

یہی وہ خواص ہیں خون امام حسینؑ کے جو پوری دلالت کرتے ہیں کہ وہ جناب پیش خدا جلیل القدر اور بزرگ مرتبہ تھے۔ جب ان میں سے کوئی بات بھی ہم خون عثمان میں نہیں پاتے پھر کیونکر ہم دونوں کے شرکتِ مراتب کے قائل ہوں؟ اور جس طرح خون کی حفاظت واجب ہے اسی طرح لاش کی بھی حفاظت واجب ہے کہ سڑ نہ جائے درندے اسے نہ پھاڑیں، اس کے گوشت کو درندوں پر حرام کر دے بلکہ خدائے برتر درندوں کو حکم دے کہ اس لاش کی حفاظت کریں جو پارہ پارہ ہو کر زمین گرم پر پڑی ہو اور ایک نور سے اس کو ڈھانپ دے اور اس لاش سے بوئے مشک اور عنبر کی دور دور تک پھیلے جس وقت ہو کسی رخ کی چلے بدلے عفونت اور بدبو کے۔

اب آؤ اور دیکھو کہ امور مذکورہ بالا میں سے کون کون امر واقع ہوا قتل عثمان کے بعد؟ اور کون کون سا واقعہ ہوا ہے بعد شہادت امام حسینؑ کے؟ اسی واقعہ جسد کے حالات کے معلوم کرنے سے تم پر خواری اور عزت کا پورا پکا لگ جائے گا اور کچھ شبہ باقی نہ رہے گا۔

اب ہم کہتے ہیں جب حضرت عثمان کو اجلہ صحابہ نے قتل کر لیا ان کی لاش اور ان کے غلاموں کی اور ساتھیوں کی لاش گھورے پر ڈال دی جو سڑی ہوئی جگہ ہوتی ہے، ان لاشوں کو آنے جانے والے سب دیکھتے تھے جو ادھر سے گذر جاتا تھا۔ لاشیں تین روز تک وہیں مڑبلون پر پڑی رہیں اور ایک ٹانگ عثمان کی مدینہ کے کتوں نے کھائی۔^(۱)

اسی طرح بعد دفن عثمان (اور مجھے نہیں ثابت ہے کس جگہ ہوا اور کس نے کیا) جب ناکلہ، زوجہ عثمان، نے ان کے غلام وغیرہ کی لاشوں کو دفن کرنے کا حکم دیا مصری لوگ سختی سے مانع ہوئے اور نہ ہونے دیا، تب ان کی لاشوں کو شاہراہ پر بے غسل اور کفن کے ڈال دیا۔ کہ بھیڑیے اور کتوں نے ان کو کھایا۔^(۲)

ناظرین کو قسم ہے خدا کی، دیکھیں اور سوچیں اور انصاف کریں کہ جس لاش کے بعض اعضا کو کتے کھائیں جو نجس تریں مخلوقات سے ہیں؛ کیا اسی لاش پر ملائکہ رحمت نماز پڑھیں گیں جو پاک اور پاکیزہ خلقت سے ہیں؟ یہ بھی دیکھو کہ نماز جنازہ اس وقت ادا کی جاتی ہے جب میت کو غسل دے لیں کہ نجاست موت کی دور ہو جائے۔ یہ جھوٹا بقول مشہور دروگورا حافظہ نباشد بھول گیا اور یہ روایت اس نے نہ بتائی کہ پہلے فرشتوں نے لاشہ حضرت عثمان کو آب بہشت سے غسل میت دیا، اس کے بعد نماز پڑھی اگر ایسا کرتا تو شاید کوئی اس کی بیجا طرفداری کو تسلیم بھی کرتا۔

مگر خدا کی مشیت پر کون غالب آسکتا ہے۔ لہذا یہ مفتری مہبوت ہو گیا۔ ایضاً کسی اور نے یہ بھی روایت نہ کی کہ حضرت عثمان کی لاش کو کسی ان کے پیر و کار نے غسل میت دے کر پاک کر دیا (حالانکہ اب دو قسم کی نجاست اس میں تھی ایک تو میت ہونے کی اور دوم کتوں کے چبانے کی پھر ملائکہ کا غسل دینا کیسا؟ اب یہ غدر بھی اگر کریں کہ شہید کو غسل نہیں دیا جاتا ہے ساقط ہو گیا اس لئے کہ نجاست خارجہ سے پاک کرنا تو ضرور ہے۔

۱۔ دیکھو ترجمہ فارسی تاریخ اعمشہ کوئی صفحہ ۵۹ جو بمبئی میں چھپا ہے ایضاً قاسم خوارزمی نے شرح دیوان ابو العلاء میں واقعی سے بھی اس کو نقل کیا ہے۔

۲۔ دیکھو جلد دوم تاریخ روضۃ الصفا صفحہ ۳۳۴۔

سو پچارہ حضرت عثمان کو یہ بھی نصیب نہیں ہوا۔ رہے غلام اور دیگر رفقاء حضرت عثمان جو مارے گئے تھے وہ تو حضرت عثمان سے بدتر حالت میں رہے جیسا کہ اوپر ہم لکھ چکے۔ آیا جس کا انجام ایسا خراب ہو پھر کسی کو لائق ہے کہ اس کی ایسی بد انجامی دیکھ کر خواہ سن کر افتخار کرے؟ اور فخر یہ اس کے حالات کو بیان کرے؟ اب ہم حالاتِ جسدِ مبارک امام حسینؑ اور آپ کے سر اقدس کا نیز اجساد اور سرہائے شہدائے کربلا کا حال بیان کرنا چاہتے ہیں۔

معارقات

پہلا فرق:

یہی ہے کہ امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب جنگلِ دیران میں زمین پاک صاف پر شہید ہوئے جس میں کوئی گھور میلا، کوڑا کرکٹ، نہ تھا اور نہ کوئی چیز بدبو کی تھی کہ یہ اجساد اس پر ڈالے جاتے۔

دوسرا فرق:

جو معجزہ عظیمہ پر شامل ہے وہ یہ کہ جب ان بدکاروں کا بحکم عمر بن سعد ارادہ ہوا کہ لاشِ اطہر پر گھوڑے دوڑائیں تو خدا نے ایک شیر کو حکم دیا کہ لاش کو لہنی گود میں لے کر محافظت کرے جیسا کہ روایت کافی میں فضہ سے منقول ہے کہ جناب زینبؑ نے فرمایا جلدی جانفصہ، اس شیر سے ان بدکاروں کے ارادے کو بیان کر۔ فضہ اس جگہ گئیں جہاں وہ شیر بیٹھا تھا اور شیر سے ارادہ اشرار کو بیان کیا۔ چنانچہ ان کے ہمراہ شیر آیا اور لاشِ اطہر کے ساتھ ایسا ہی کیا۔ ملاعنہ ڈر گئے اور اپنے ارادہ سے باز رہے۔ اور عمر بن سعد نے کہا مخفی رکھو اس بات کو یہ فتنہ ہے۔

یہ جو ہم نے کہا کہ اس شیر کو خدا نے اس خدمت کی بجا آوری کا حکم دیا، اس کی دلیل یہ ہے کہ شیر کو فضہ کا کلام سمجھنا اور اس کے ساتھ پیچھے پیچھے جانا، پھر لاشِ امام حسینؑ کو پہچان لینا، یہ سب امور خارقِ عادات سے ہیں کہ بدون حکمِ الہی کے واقع نہیں ہو سکتے۔

بلکہ اس مقام خاص میں فوراً شیر کا اسی وقت خاص میں ہونا اور فضہ کا اس پر مطلع ہونا (حالانکہ اصحاب اور اعزہ امام کسی کو اس کی موجودگی کی خبر نہ تھی) یہ بھی تائید ہمارے قول کی کرتا ہے۔ بلکہ میرا گمان تو یہ

ہے کہ یہ شیر درندہ بھی نہ تھا۔ چنانچہ روایت کاشتکار سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ شیر اس کے پاس سے ہو کر گزرا اور اس کو نہ پھاڑا اور لاشہ پر شب کو اس طرح روتا تھا جیسے عورت پسر مردہ پر روتی ہے۔ تاہم اس کی نسبت بخلہ لگمان ہوا کہ جناب امیر اپنی شکل بدل آتے تھے نعوذ باللہ منہ۔

اور خلاصہ یہ ہے کہ شیر نے لاشہ کھام حسین کی حفاظت کی اور کتوں نے حضرت عثمان کی نانگ نوچ کر کھائی۔ بہ بین تفاوت را از کجاست تاہ کجا۔ رہا دور و نزدیک آپ کی لاش اطہر کا دفن نہ ہونا یہ کسی روکنے والے کی روک ٹوک سے مثل واقعہ حضرت عثمان کے نہ تھا۔ اس لئے کہ لشکر عمر بن سعد نے عاشور کا دن گزار کر شب یازدہم کو چ کر دیا۔ ڈر تھا کہ شیخون نہ پڑے، خواہ گیارہویں تاریخ صبح کو اس لئے کہ بارہویں تاریخ صبح کو داخل کوفہ ہوئے۔ پھر کون تھا جو لاشہای مطہرہ کو دفن سے منع کرتا؟ اور کوئی روایت بھی ایسی ہم کو نہیں پہونچی کہ عمر سعد نے کچھ لوگ ایسے وہاں چھوڑ دئے ہوں کہ دفن شہداء کو منع کریں۔

یہ جو محض جھوٹی خبر اڑائی جاتی ہے کہ عمر بن سعد نے اپنی لشکر کے مقتولین کو جمع کر کے ان پر نماز پڑھی اور دفن بھی کر دیا، یہ تو بنی امیہ کی بنائی ہوئی خبر ہے۔ اس لئے کہ ان مقتولین میں مسلمان اور کافر دونوں تھے، پھر اگر دونوں کو جمع کر کے سب پر نماز پڑھی اور دفن کیا یہ کیونکر اس کو جائز تھا؟ اگر کفار کو جدا اور مسلمانوں کو جدا کر لیا تھا پس تاریخ سے اس کا پتا نہیں ہے پھر کافر مقتول خاک اور خون آلودہ کو مسلم سے کیونکر پہچاننا؟ اور ہم نے یہ بھی تسلیم کر لیا کوئی ذریعہ شناخت کا مسلم اور کافر کی لاش کا ہوا، اب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ سارے مقتولین مسلمین کو ایک ہی گڑھے میں دفن کیا یا کہ ہر ایک کی قبر جدا جدا بنائی؟ ان دونوں باتوں میں سے آج تک تاریخ سے کوئی بات ثابت نہیں ہوئی اور نہ اس گنج کشنگان کا پتا کسی مورخ نے دیا ہے۔ کہ آخر کس جگہ پر تھا اور کس نے اس کو مٹا دیا۔

آخر کس زمانہ میں اور کس وقت تاہم اس کا نشان مٹ گیا۔ اور اسی طرح کفارہ کا دفن بھی معلوم نہیں ہوا۔ میرا گمان قریب بہ یقین تو یہی ہے کہ ان ملاعنہ کی لاشیں دفن نہیں ہوئیں یونہی پڑی رہیں ان کو درندہ جانوروں نے کھایا جیسا کہ واقعہ حضرت عثمان اور ان کے غلامان وغیرہ کو ہم نے لکھا ہے اور یہ مشابہت ان لاشوں سے جسد حضرت عثمان کی البتہ پوری ہوتی ہے۔ یہ میرا گمان اخیر ان کی لاشوں کی

نسبت اس کی تائید یہ بھی ہے، کہ جس قدر زوار ہندی خواہ عجمی زیارت مرقد امام کو جاتے ہیں اور جس قدر خدام روضہ مقدسہ کے ہند میں آتے جاتے ہیں، کسی نے کبھی اس کا ذکر نہیں کیا کہ کشتہ گان لشکر عمر بن سعد کی قبریں یا گچ کشتہ گان وہاں کسی مقام پر اندر حائر کے یا حائر سے باہر فلاں مقام ہے یا کبھی تھا۔

جب ہم ان متتولین کے ذکر سے فارغ ہوئے اور اپنے گمان کو جو مشاہدات سے موید پایا ہے لکھ چکے، تو اب مناسب ہے کہ جو روایات متعلقہ قبر امام حسینؑ ہم کو پہونچی ہیں، ان کو بھی لکھیں۔ بمجلد ان روایات کے یہ بھی ہے کہ جب بنی اسد، بارہویں تاریخ بغرض و فن لاشہائے شہداء مقتل میں آئے اور جناب سید الساجدینؑ، بھی بااعجاز طے الارض وہاں پہونچے، آپ نے ان کو حکم دیا کہ ایک جگہ مخصوص میں قبر کے واسطے گڑھا کھودیں۔ جب ان لوگوں نے اسی جگہ بیلچے سے کسی قدر کھودا ایک قبر درست خوشبو معطر اور صاف پاک تیار ان کو ملی، جناب امام نے فرمایا، یہی قبر میرے پدر بزرگوار کی ہے۔

اب اس روایت کی تصدیق مشاہدہ جمع کثیر قوم بنی اسد کے زن و مرد کا کرنا ہے اور یہ روایت تصدیق کرتی ہے جناب ام سلمہ کے خواب کی، جو شب دہم انہوں نے دیکھا، کہ جناب رسولؐ نے فرمایا، آج کی رات میں قبریں کھود رہا تھا اپنے فرزند حسینؑ اور اس کے ہمراہ شہدا کی۔ یہ روایت ابلسنت نے بھی ذکر کی ہے۔ اب خواب کی تاویل گو کہ ہماری عقل اسے دریافت نہ کر سکی مگر تیار قبر کا پایا جانا تو یقینی ہے، جو مشاہدہ میں حضار کے آچکا اور یہی بات ہم کو لکھنی اور اسی سے استدلال کرنا ہے، بمقابلہ سرگذشت حضرت عثمان کے۔

انصاف پسند کو محض یاد آوری ان امور کی جو دفن حضرت عثمان یا عدم دفن میں اوپر گذرا ہے۔ اس روایت کے پڑھنے سے تفرقہ میں کافی ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ جناب سید الساجدینؑ کا مقام مخصوص میں کھودنے کا حکم دینا یہ بھی دلیل صریح ہے، کہ وہ مقام آپ کو معلوم تھا۔ اب تو معلوم ہو گیا کہ موضع قبر امام حسینؑ کو خدا نے اسی روز سے پسند کر لیا تھا جس روز زمین کو بچھایا ہے اور یہ جگہ امام زین العابدینؑ کو اپنے والد بزرگوار کی تعلیم سے معلوم تھی۔ اور موضع قبر حضرت عثمانؓ آج تک صحیح طور سے معلوم نہیں ہوا۔

بلکہ ان کا جنت البقیع میں دفن ہونا بھی محض وہی اور مصنوعی بات ہے۔ باقی رہی حکایت بدبو اور متعفن ہونے اجساد مطہرہ شہدائے کربلا کی، سو بخوبی معلوم ہے کہ جس زمین گرم پر، یہ لاشیں پڑی تھیں، ریتلا

میدان جو حرارت سے دھوپ کی ایسا گرم ہوتا تھا کہ بھن جاتا تھا وہاں گر کے زمین پر دانہ اور بعض معتقد نے خبر دی ہے، کسی تاریخ کی کتاب پڑھ کر کہ عمر بن سعد اور اس کے چند معزز اصحاب بوجہ شدت حرارت کے اس کی تاب نہ لاسکے، کہ اپنے خیمہ میں بیٹھتے لہذا فرات میں کمر کrpائی یا کچھ زائد میں بیٹھے تھے۔

اب خیال کرو اس گرمی کو اور مردہ کی لاش تھوڑی سی حرارت سے سڑ جاتی ہے، پھر ایسی شدید حرارت میں تمھارا کیا خیال ہو سکتا ہے، پھر چونکہ خدا نے وعدہ حقیقی قرآن میں فرمایا ہے، کہ جو شخص اس کی راہ میں جہاد کر کے شہید ہوگا، اس کو حرارت شمس وغیرہ کچھ نہ پہنچے گی۔ اسی وجہ سے ان اجساد کو ضرر حرارت آفتاب کا نہ پہنچا۔

جس طرح جناب ابراہیم کو حرارت سے آگ کی نہ پہنچا اسی وجہ سے یہ اجساد مطہرہ تر و تازہ باقی رہے اور کسی قسم کا تغیر فساد اور عفونت کا انہیں پیدا نہیں ہوا۔ میرے اس قول کی سچائی پر تم کو زیادہ یقین اس سے بھی ہوگا کہ ان شہداء کے سرمائے بریدہ کو جب ان ظلمہ نے نیزوں پر چڑھا کر شہر بشہر، کوچہ بکوچہ، پھرایا، کوفہ سے لے دمشق تک جہان جہان یہ سرمائے شہداء گزرے اور ہزاروں آدمیوں نے پاس آکر بھی انکو دیکھا، آخر کسی تاریخ میں اس کا ذکر ہے کہ یہ سر بوسیدہ ہو کر بدبودار ہو گئے تھے؟

لیکن سراقہ سراقہ امام حسین کا اس کی بڑی بزرگی یہ بھی ایک ہے، کہ جب ام حجام ملعونہ نے سراقہ پر تیر مارا خون تازہ سراقہ سے جاری ہوا، جس طرح زندہ آدمیوں کے جسم سے چوٹ لگنے سے ظاہر ہوتا ہے اور یہ فعل معجزہ امام حسین کا تصدیق کرتا ہے۔ خدا کے ارشاد کی کہ شہداء راہ خدا کو مردہ نہ سمجھو بلکہ زندہ ہیں۔ اب لائے وہ شخص جو مدعی ہے کہ حضرت عثمان بھی شہید راہ خدا ہیں، کوئی ایک بزرگی بھی ان کلمات مذکورہ میں سے۔ مگر یہ بیچارہ کہاں سے لائے جامہ تدارم دامن از کجا آرم۔

بلکہ بعض شعراء مداح نے دعویٰ کیا ہے کہ ایک ہزار معجزہ سراقہ سے ظاہر ہوئے، از روز شہادت تا روزیکہ جناب سید الساجدینؑ نے اسے واپس لا کر ہمراہ جسد اطہر کے دفن فرمایا۔ رہا قبر کو کھول کر دوبارہ دفن کرنا تو باجماع اہل اسلام جائز ہے۔ اگر میت کا کوئی عضو دفن سے راہ گیا ہو اور اس میں ہڈی ہو۔ پھر حالت بعد

دفن کی، اگر ہم تسلیم بھی کریں کہ عثمان کو کسی نے پوشیدہ دفن بھی کر دیا اور ان کا حال عدم دفن میں مثل حال عائشہ کے نہ ہو، جو معاویہ کے حسن عقیدت سے، بہتابر ایک روایت کے زندہ درگور ہوئی ہیں۔

(اس قصہ درگور ہونے عائشہ کو آج ثبوت کامل سے میں نہیں لکھتا محض اس مناسبت سے ذکر عائشہ آگیا ہے کہ وہ حضرت عثمان کو نعل کا خطاب دیے کر فرماتی تھیں لعن اللہ نعلی یا قتل اللہ نعلی لہذا عائشہ کے بھی پورے تعلقات قتل حضرت عثمان اور دفن حضرت عثمان میں ہیں) بہر حال اگر بفرض غیر واقع حضرت عثمان دفن بھی ہوئے، اب ان کے مدفن اور امام حسینؑ کے مدفن کا مقابلہ کیجئے، کچھ بھی مناسبت ہے؟ اب ہم کو مناسب ہے کہ پھر از سر نو حالات مذکورہ سابق کو بطور خلاصہ کے بیان کریں۔ اب ہم کہتے ہیں اگر خلیفہ نبی خدا کا پیارا ہو اور اسی کی راہ میں شہید کیا جائے خدا پر واجب ہے کہ اس کے مدفن کو خوشبو کر دے۔

اس کی خوشبو مہکنے لگے بدون اس کے آدمی اپنی تدبیر سے اس کو معطر کرے۔ یہ بھی واجب ہے کہ اس شہید کا مدفن زیارت گاہ مسلمانوں کی اور ذریعہ حاجت بر آوری خلایق کی ہو۔ اگر وہ لوگ اس کو ذریعہ شفاعت گردانیں اور یہ ذریعہ گرداننا ان کا بدعت حرام نہ ہو، بلکہ منصوص حکم خدا اور رسولؐ سے یا خلیفہ رسولؐ سے ہو اور شریعت کی رو سے جائز بھی ہو۔ خواہ گاہ اس شہید کی چراغ ہدایت اور کلید گنجینہ کرامت ہے۔ اس لئے کہ اسی خدا کی راہ میں شہید ہوا ہے اور اسی کی راہ میں اپنے خون میں لوٹا ہے، کہ خون آلودہ ہو گیا ہے۔ یہ مدفن جائے ظہور کرامت الہی، جائے نزول نور خدا (دیکھو روضہ اقدس امام حسینؑ) اس کی زیارت کرنے والوں کے واسطے جائے پناہ آفات دنیوی اور دینی سے ہو گا۔ مان ہو گانیک بندگان خدا کے واسطے، ہر طرح سے وہ نشانی ہو گا مد تہائے دراز تک کوئی نشان اس کا نہ مٹا سکے گا۔

مقام آمد و رفت ملائکہ مقربین کا اور جائے نزول انبیاء اور مرسلین کی۔ جگہ نماز پڑھنے کی طواف کرنے والے اور روضہ پڑھنے والوں کی۔ اس کی مٹی سے سجدہ گانماز گزاروں کی اور تسبیح تسبیح خوانی تیار ہوگی۔ میری جان اور جملہ مومنین کی جان فدہ ہو ایسے مزار پاک پر، اس مرقد کی مٹی سونگھنے سے ہمارے نبی سردار انبیاء کو گریہ لاحق ہو گا اور نیز سردار اولیا کو۔ زمین اور آسمان کے فرشتے اپنے پروں کو اسی مٹی سے آلودہ کریں۔ (والہ

رے مٹی کیوں نہ ہو) میرے حسین جس روز شہید ہوئے، خون تازہ ہو جائے، جیسے خون کسی شہید کا شہید ایسے ہوتا ہے۔

اب تم کو قسم ہے خدا اور رسولؐ کی جو نبی ہادی ہیں، کوئی بات اور کوئی اثر ان آثار میں سے قبر فرضی حضرت عثمان اور اس قبر کی مٹی میں دیکھتے ہو یا پاتے ہو؟ اور کیا رسول خداؐ نے قبر حضرت عثمان کی جگہ سے خبر دی ہے کہ آخر کس جگہ بنے گی؟ اور کوئی کرامت اس جگہ کی یا اس کی مٹی کی بیان فرمائی ہے؟

باقی رہی یہ بات کہ حضرت عثمان بھی پیاسے مارے گئے اور امام حسینؑ بھی یہ خیال بھی غلط ہے۔ اس لئے کہ حضرت عثمان کو ہمارے امام حسنؑ نے پانی پلایا بحکم اپنے والد بزرگوار کے اگرچہ آپ کو ایذائے جسمانی بھی پہنچی بسبب اس کے کہ جو لوگ پانی پہنچانے کو روکتے تھے وہ آپ کو پہچانتے نہ تھے۔ اور امام حسینؑ پر جب پانی بند ہوا خدا نے چشمہ آب جاری کر دیا، جس کا پانی برف سے زیادہ سرد اور شہد سے زیادہ شیرین تھا۔ یہ چھٹی تاریخ محرم کا قصہ ہے اور بروز عاشوراء اپنی انگشت مبارک سے ایک زمین پر کھینچا جس سے ایک چشمہ شیرین جاری ہوا اپنے ہمراہوں کو شہادت سے پہلے اسی پانی سے سیراب کیا، وہ بزرگوار ٹھنڈے کلیجہ جو الرالی میں پہنچے۔

شاید اسی وجہ سے جناب امام رضاؑ نے انکار فرمایا جب آپ سے کسی نے کہا کہ امام حسینؑ اور آپ کے ہمراہی سب پیاسے شہید ہوئے (مطلب اس کہنے والے کا یہ تھا کہ جس طرح حضرت عثمان اور ان کے ہمراہی پیاسے قتل ہوئے امام رضاؑ نے غضبناک ہو کر یہ جواب دیا) لیکن یہ اعتراض اس روایت پر جو کہا جاتا ہے کہ پھر رونالہ زاری کرنا عزاداران کا سب بجا ہے اور پیاس کی شکایت غلط ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فعل حضور کا قریب مرنے ہر ایک شہید کے تھا اور اس سے پہلے سب پیاسے تھے۔ اس چشمہ کا پانی کسی کو نظر نہ آتا، چونکہ براہ معجزہ جاری ہوا تھا، کچھ بعید از قیاس نہیں ہے کہ فقط امام حسینؑ نے اس کو دیکھا ہو۔ اس چشمہ کے جاری ہونے پر آگاہی خاص ہے امام اور حجت الہی سے اور وہ جناب ہم کو خبر دیں گے اور یہی واقع بھی ہوا۔ اور جب امام رضاؑ نے جو حجت اللہ ہیں ان شہداء کے پیاسے مرنے سے انکار فرمایا ہم کو یقین کامل ہے کہ وہ بزرگوار پیاسے دنیا سے نہیں گئے۔

یہ چشمہ جاری ہونے کی روایت مدینۃ المعاجز کی صحیح ہو۔ انہیں کوئی اور طریقہ ان کی سیرابی کا ہوا ہو۔ کیا تم نے جناب علی اکبر کا یہ فرمانا نہیں سنا ہے، کہ آواز بلند پکار کر قریب جانب حق تسلیم کرنے کے انہوں نے کہا اے میرے پدر بزرگوار میرے نانا رسول اللہؐ نے مجھے اپنے کاسہ لبریز سے سیراب کر دیا۔ یہ روایت بھی ہمارے اس مطلب کی تائید کرتی ہے، جس کے درپے ہم اس وقت ہو رہے ہیں، جناب علی اکبر نے چلا کر یہ قول اپنے پدر بزرگوار کے قول کی تصدیق کی غرض سے فرمایا۔

اس لئے کہ جب علی اکبر لڑتے لڑتے بہت پیاسے ہوئے اور خدمت میں اپنے پدر بزرگوار کے آکر شدت پیاس کے شاکہ ہوئے، حضرت نے فرمایا اے فرزند اب قریب ہے کہ تمہارے ہاتھ کو اپنے کاسہ سے سیراب کریں دوبارہ جاؤ لڑو ان اشتیاق سے۔ بہت بعید ہے کرامت سے مجتہدائے خدا کی اور ان کے انصاف سے کہ اپنی اولاد کو سیراب کریں اور اصحاب اغیار کو پیاسا رہنے دیں، یہاں تک کہ وہ پیاسے مر جائیں۔ اب کچھ شک نہیں کہ جو خبر ان شہدا کے سیراب ہو کر راہی جنان ہونے کی ہے وہ ضرور صحیح ہے سلام خدا کا سب پر ہو۔ پھر کیا کوئی جھوٹی روایت بنی امیہ کی گھڑی ہوئی بھی اس پیاس اور سیرابی کی شرکت میں حضرت عثمان کے حالات میں تم نے پائی ہے؟ ہرگز نہیں۔

باقی رہا ردنا اور دل گداز ہونا ان دونوں مقتولین کے حالات کو سن کر اور اسی کے بیان پر ہم اس رسالہ کو ختم کریں گے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ جناب رسول کارونایا ترحم حالت قتل حضرت عثمان اور مظلومیت پر کوئی روایت ہماری نظر سے نہیں گزری اور نہ یہ کہ ان کی مصیبت پر رونے کا یہ ثواب ہے۔ قتل حضرت عثمان اور اس کی عظمت کا اظہار ہمارے نبی نے اس وجہ سے نہیں فرمایا آپ کو اپنے علم نبوت سے معلوم تھا کہ حضرت عثمان اپنے کردار کے عوض میں مارے جائیں گے اور قاتلان حضرت عثمان اور ان کی نصرت کو ترک کرنے والے وہ خاص اصحاب ہوں گے۔

پھر باوجودیکہ یہ لوگ قتل حضرت عثمان بعوض ان مظالم کے کریں گے اور شریعت مقدسہ جن امور سے قتل کو جائز کرتی ہے اسی کی پابندی کریں گے، اگر ان لوگوں کی ظالم اور ناحق ہونے کو آپ ارشاد فرماتے جناب نبی کی سچائی کے خلاف تھا اور احکام شریعت میں بھی خلل پڑتا۔ اور اسی وجہ سے یعنی چونکہ

قتل ناحق نہ تھا بلکہ وہ مستحق براہِ عدل اسی کے تھے کوئی کرامت ان کی خواہ ان کی قبر کی کبھی ظاہر نہ ہوئی اور نہ کوئی ایسی بات ظاہر ہوئی جو ان کے قاتلوں کی سزا دہی پر شامل ہوتی۔ حضرت عثمان کی مصیبت میں عزاداری گریہ و بکا و رود اور فاتحہ دلانے یا ختم قرآن کا ثواب ان کی روح کو بخشان لوگوں میں ابھی جا رہی نہیں ہوا جو ان کو غلیفہ مانتے ہیں، بلکہ اکثر پیر و ان خلاصہ کو اس کا بھی علم نہیں ہے۔

کس روز حضرت عثمان مارے گئے، پھر دفن ہونے کا دن یہ کون جانتا ہے۔ پھر اگر کوئی، اے برادر تمہارے سامنے کوئی حدیث جناب رسول کی شامل ایسے امور مذکورہ بالا پر پڑھے، جس سے بزرگی حضرت عثمان کے قتل کی پیش خدا ثابت ہو، تم فوراً جواب دینا کہ پھر قاتلان حضرت عثمان جو تمہارے عقیدہ میں ضرور بہشتی تھے، جن کے نام ہم اوپر لکھ چکے ہیں ان کا حشر کیا ہو گا؟ اس سوال کرنے کے بعد وہ ایسا چپ ہو گا، جیسے پتھر اس کے حلق میں ٹھونس دیا ہے۔

یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے حضرت عثمان کے حالات کے بعد از قتل کے ہیں۔ اب چاہیے کہ ہم تھوڑے سے حالات اپنے سردار امام حسینؑ کے بھی لکھیں از روز ولادت تا روز شہادت، بلکہ آج کے دن تک جو روزانہ سب دیکھ رہے ہیں اور یونہی دیکھتے رہیں گے جب تک خدا چاہے۔ پھر اگر میں نام علماء سے اہلسنت کے اور نام کتابوں کالوں جو حالات امام حسینؑ میں لکھی گئیں ہیں۔ زمانہ حیات جناب رسولؐ میں اور نیز بعد وفات اس جناب کے حالت بیداری اور خواب میں تو اس قدر وقت مجھے نہ ملے گا اور ہمارے علماء کی کتابیں بھی ان کے اقوال سے بھری ہوئی ہیں۔

کافی ہے تم کو جو کچھ خدا نے قرآن مجید میں امام حسینؑ کے حالات بیان فرمائے از روز حمل اور ولادت اور رضاع اور یہ کہ ان پر مقتول ہونا واجب تھا اور جو کچھ اجر اور بزرگی خدا نے دی ہے۔ اور یہ بھی کہ ان کی اولاد میں نو امام ہوں اور آپ کے ولی قصاص خون ناحق کے لینے والے صاحب الزمان منصور ہوں گے اور زیادہ قتل کرنے سے ممنوع ہیں، ان سب کو خوب شرح اور بسط اور استدلال سے ہم نے رسالہ حسینؑ قرآنیہ میں اور نیز اپنی کتاب ماتمیں میں لکھ دیا ہے۔ جس کا ارادہ ان حالات پر واقفیت کا ہو ان دونوں کو پڑھے، کہ اس کا مطلب پورا ہو گا، بلکہ خواہش سے زیادہ ایسی ایسی باتیں معلوم ہو گئی جو اس کے وہم اور گمان میں بھی نہ ہوں ان شاء اللہ۔

ظاہری مفارق میں سے یہ بھی ہے کہ جناب رسولؐ نے جنت واجب فرمائی ہے اس پر جو حسینؑ کی مصیبت میں روئے یا دل لائے یا شبیہ رونے والوں کی بنائے۔ جس آنکھ سے آنسو ایک قطرہ قتل امام حسینؑ کو من کر نکلے گا یا آنکھ میں قطرہ اشک بھر آئے خدا اس کو بہشت میں گھر دے گا۔ اور قتل حضرت عثمانؓ کے سننے والے کو اگر روئے یہ ثواب رسول اللہؐ نے نہیں فرمایا۔ اسی طرح کی اور بھی روایات مشہورہ دونوں فریق میں وارد ہیں۔

اب رسالہ کو ہم درود بر محمد و آل محمدؑ پر ختم کر رہے ہیں۔

الحمد لله رب العالمین

تمت



ارض العتاق

تالیف: آیت اللہ سید ابوالقاسم لاہوری
تاریخ: ۲۰ شوال ۱۳۱۳ ہجری قمری

- ﴿تمثال مؤلف کتاب﴾
- ﴿مؤلف کے بارے میں﴾
- ﴿کتاب کے بارے میں﴾
- ﴿مقن کتاب﴾



ترشال مبارک آیہ اللہ سید ابوالقاسم رضوی محی شمشیری لاہوری صاحب تفسیر ”لوامع الخزین“

بچہ از قلم: طاہر عباس اعوان

مؤلف کے بارے میں

السید ابو القاسم الرضوی بن السید الحسین بن السید النقی بن السید علی بن السید ابی الحسن بن الحاج السید محمد بن السید حسین النقی (۱۲۳۹-۱۴ محرم ۱۳۲۳ھ-ق)

پنجاب میں فقہی اور علمی سرگرمیوں کے اصلی محرک جناب آیت اللہ سید ابو القاسم حائری مرحوم ہیں، آپ کے اجداد میں سے جناب سید حسین قتی ایران سے کشمیر آئے، اور بھرپور انداز میں شیعیت کی تبلیغ کی ذمہ داری نبھائی، آپ ۱۲۳۹ھ میں یوپی کے علاقہ فرخ آباد میں پیدا ہوئے اور ابتدائی سے تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ مقدمات فقہ و عقائد و اصول فقہ و تفسیر و حدیث وغیرہ جناب سلطان العلماء سید محمد (۱۱۹۹-۱۲۸۴ھ-ق) اور سید العلماء سید حسین علیین مکان (۱۲۱۱-۱۲۷۳ھ-ق) سے حاصل کی۔ جناب نواب علی رضا خاں صاحب قزلباش رئیس اعظم لاہور نے آپ کے علم و فضل کا شہرہ سنا تو لاہور میں قیام کرنے پر اصرار فرمایا تو آپ نے وہاں توقف فرمایا۔

جب جناب نواب نوازش علی خاں صاحب اور جناب نواب ناصر علی خاں صاحبان نے حج کا ارادہ کیا تو آپ سے ہمراہی کی درخواست کی جس کو آپ نے شرف قبولیت بخشا اور ادائے حج و زیارت مدینہ مقدسہ کے بعد عراق میں آئے، تو استاد الفقہاء والمجتہدین جناب شیخ مرتضیٰ انصاری مرحوم اور آیت اللہ العظمیٰ اردکانی مرحوم سے مستفید ہوتے رہے اور اساتذہ سے فاضل ہندی کا خطاب حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اجتہاد کے اجازے بھی حاصل کیے۔

جب اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مشہد مقدس کو روانہ ہوئے تو راستے میں علماء شیراز، قم، کرمان، اصفہان و مشہد کی مجالس علمی میں حاضر ہو کر علمی مباحث کرتے رہتے یہاں تک کہ بعض مجتہدین سے اجازت اجتہاد حاصل کیے اور پھر لاہور میں تشریف لا کر قیام فرمایا اور نواب صاحب تمام مصارف کے کفیل ہوئے

آپ کی تحریک سے نواب صاحب نے ریاست علی رضا آباد و پشاور وغیرہ میں ایک ایک اور لاہور میں کئی مسجدیں بنوائیں اور محلہ موچی دروازہ میں شیعوں کی جامع مسجد بنائی اور جمعہ و جماعت و عیدین اور ایام متبرکہ میں شب بیداری ہونے لگی اور متعدد امام باڑے بنوائے، جن میں معصومین علیہم السلام کی ولادت و وفات کی مجالس ہونے لگیں اور محرم میں روضہ خوانی کے علاوہ آپ بھی چار یا پانچ گھنٹے وعظ فرماتے تھے اور پنجاب و سندھ میں ایمانی رونق اور شیعیت کی تبلیغ میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔

مسائل دینیہ میں کسی کی رعایت نہ کرتے اور کسی سے رنج ہو جاتا تو دل میں کینہ نہ رکھتے رحلت سے ایک ماہ پہلے اپنا کافور و کفن جو مشاہد مقدسہ سے مس کیا تھا اس کو ملاحظہ فرما کر حاضری صاحب کو وصیت فرمائی اور گامے شاہ کے امام باڑے میں دفن کرنے کو فرمایا ۱۳ محرم کی مجلس میں نواب صاحب کے ہاں شریک ہوئے شب ۱۴ میں حاضری صاحب نے خواب دیکھا کہ نواب ناصر علی خاں صاحب مرحوم پاکی میں کربلائے معلیٰ سے آئے ہیں اور ان کے ساتھ ان کے مفسر حجۃ الاسلام ہیں۔

خواب سے بیدار ہوئے خبر پہنچی کہ طبعیت ناساز ہے حاضری صاحب فوراً عیادت کو حاضر ہوئے اور بعد نماز صبح فوراً دوران سر عارض ہو کر سر کا دورہ پڑا احتضار کے وقت درود و استغفار میں مشغول تھے کہ ۱۴ محرم ۱۳۲۴ھ کو انتقال فرمایا جب جنازہ اٹھا تو علم سیاہ آگے آگے موئین اذکار خدا کرتے ہوئے اور پھول جنازے پر بکثرت چڑھائے گئے حاضری صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی تین روز فاتحہ خوانی رہی حاضری صاحب آپ کے جانشین قرار پائے جا بجا مجالس فاتحہ خوانی ہوئیں شعرانے مرثیے و تارنخیں نظم فرمائیں سید موسیٰ شاہ کلیم لاہوری کا مادہ تاریخ یہ ہے: غلام غلہ شد فقیہ جلیل۔

آپ نے اپنے پسماندگان میں دو فرزند ایک علامہ سید علی حاضری اور دوسرے سید ابوالفضل چھوڑے۔

آپ کی تصانیف کے نام یہ ہیں:

۴. کتاب البشرى شرح مودة القرني درود
جلد فارسی
۵. حقائق لدنی شرح خصائص امام نسائی فارسی
۶. حج العروض عربی
۷. شق القمر عربی
۸. سیادة السادة در انساب
۹. تجرید المعبود فارسی
۱۰. ابطال تنازع فارسی
۱۱. جواب لاجواب در اثبات عزاداری فارسی
۱۲. خیر خیر پوری فارسی در مناظرہ در رسالہ نفی الجبر
۱۳. رسالہ نفی رویتہ اللہ فارسی
۱۴. اجوبہ زائرہ در مناظرہ فارسی
۱۵. جواب باصواب در طعام اہل کتاب عربی
۱۶. جواب العین در وجہ کسوفین فارسی
۱۷. ارکان خمسہ در فقہ اردو
۱۸. ہدایت الغالیہ در جواب غالیہ فارسی
۱۹. برہان البیان دو آئیہ استخلاف حصہ اول در
- عقائد فارسی حصہ دوم در فروغ دین فارسی
۲۰. ارض العتاق در اباحت زمین کربلا فارسی
۲۱. حکمۃ الایلام در اثبات اتلا فارسی
۲۲. رسالہ ابراز و اعجاز علی بوقت خلافت فارسی
۲۳. رسالہ تعبد مالا بد وجہ سجدہ کردن بطرف کعبہ فارسی
۲۴. رسالہ غروب الشمس فارسی
اور غیر مطبوعہ یہ ہیں۔
۲۵. خلاصۃ الاصول در اصول فقہ عربی
۲۶. تذکرہ ملائے اعلیٰ در کلام فارسی
۲۷. براہین اللعوبی
۲۸. زبدۃ العتقاد فارسی
۲۹. تعلیقہ بر شرح شیخ مقداد بر فصول طوسی
۳۰. تعلیقہ بر شرح تجرید علامہ
۳۱. تعلیقہ بر تہذیب الاصول علامہ
۳۲. صیائۃ الانسان فارسی
۳۳. اجوبہ اسولہ نصاری
۳۴. تعلیقہ بر شرح باب حادی عشر عربی
۳۵. رسالہ خمس سادات
۳۶. رسالہ نوروز فارسی
۳۷. رسالہ تخریج آلات فارسی
۳۸. رسالہ ربانہ در مصاہرۃ صحابہ فارسی
۳۹. تعلیقہ عربی بر شرح میر عبد الوہاب
۴۰. شرح تبصرہ علامہ عربی
۴۱. تعلیقہ بر شرح مہادی الاصول علامہ
۴۲. جنتہ الوافیہ در عقائد جلد اول و جلد دوم در
فروغ دین

۳۳۔ تفسیر لوامع التنزیل کی ۱۲ جلدیں چھ مطبوعہ و
چھ غیر مطبوعہ اس جیسی جامع تفسیر آج تک نہیں ہوئی
اس پر علمائے عرب و ایران کی توثیقات ہیں۔

مزید تفصیلات کے لیے مندرجہ ذیل کتب کی طرف مراجعہ فرمائیں:

تذکرہ بی بہا ص ۳۹، مطلع انوار ص ۶۵، نذر الخواطر ج ۸ ص ۱۹، اعیان الشیعہ ج ۷ ص ۷۱، دانشنامہ شیعہ یان کشمیر
ص ۲۵۱، نقباء البشر ج ۱ ص ۶۶؛ اعیان الشیعہ ج ۲ ص ۳۰۴؛ السادة في سادة السادة ص ۱۴۲؛ تذکرہ علمائے امامیہ
پاکستان ص ۷۱-۲۰، الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، متعدد مقامات پر، تراجم مشاہیر علماء ہند از سید العلماء سید علی نقی
نقن صاحب ص ۱۱۶، معجم المؤلفین ج ۸ ص ۹۸، موسوعہ مؤلفی الامامیہ ج ۲ ص ۳۹۵۔

بھد از قلم: طاہر عباس اعوان

کتاب کے بارے میں

جیسا کہ مذکورہ اوراق میں آپ نے مطالعہ فرمایا ہے کہ آیت اللہ سید ابو القاسم رضوی خطہ پنجاب کی وہ پہلی ہستی ہیں۔ جنہوں نے اس خطے میں شیعیت کی ترویج و تبلیغ کا کام علمی سطح پر شروع کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جناب ابو القاسم رضوی اور ان کے لائق فرزند آیت اللہ سید علی حارّی نے شیعیت کو پورے ہندوستان، برما اور افریقہ تک متعارف کرا دیا اور تفسیر لوامع التنزیل لکھ کر پوری شیعہ دنیا سے اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔ جس کا بہترین شاہد ”تقریظات المشاہیر“ ہے جو کہ چار جلدوں پر علمائے ایران و ممالک عربی کی اس تفسیر کے متعلق تقریظات ہیں۔

ہر دو ہستیاں باپ اور بیٹا چونکہ بین الاقوامی شخصیات بن کر ابھری تھیں اس لیے مختلف مکاتب فکر کے افراد ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ بعض علمی پیاس بجھانے کے لیے اور بعض اپنا قند اونچا کرنے کے لیے کہ ہم نے فلاں صاحب سے فلاں معاملہ میں خط و کتابت کی ہے۔^(۱)

کتاب ارض العتقاق بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ کسی مخالف نے زمین کر بلا کے خریدنے والے مسئلہ کو لایخل سمجھ کر سوال کیا اور سمجھا کہ تحقیق کی دنیا میں بہت بڑا معرکہ سر کیا ہے۔ لیکن آیت اللہ سید ابو القاسم رضوی رضون اللہ تعالیٰ علیہ نے مخالف کو ایسا منہ توڑ جواب دیا کہ مخالف نے کبھی بھی اس مسئلہ کو

۱۔ انشاء اللہ آئندہ میراث بر صغیر کا خصوص شمارہ چہدام خصوصی طور پر انہیں دو ہستیوں کے بارے میں ملت کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے، وہاں پر ان اعلام اور اس خاندان کے حالات و آثار پر مفصل روشنی ڈالیں گے۔ اس حوالہ سے ہم ملت کے اہل قلم سے بھی گزارش کرتے ہیں کہ وہ ان ہستیوں کے بارے میں کچھ لکھنا چاہیں تو ۲۰ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ تک ہمارے ای میل یا ڈریس پر اپنا مقالہ ارسال کر دیں۔ جس کو آپ کے نام کے ساتھ نشر کیا جائے گا۔

چھیڑنے کی جرات نہ کی۔ یہ رسالہ ایک سوال کے جواب میں ہے جس سوال کو چند حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ہر حصہ کا جدا جدا محکم جواب دیا گیا ہے۔

سوال

زمین کربلا خلیفہ ثانی کے زمانہ میں قبر و غلبہ سے حاصل ہوئی ہے۔ حسنین شریفین علیہما السلام اس جنگ میں شریک تھے اور یہ زمین تمام مسلمانوں کا مشترکہ مال ہے۔ اس کا خریدنا وقف کرنا۔ ہبہ کرنا اس میں دفن ہونا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔

اگر شیعوں کے لیے اس زمین میں دفن ہونا ثواب کا موجب ہے تو پھر شخنین ابو بکر و عمر کا بھی روضہ رسول میں دفن ہونا موجب ثواب ہے۔ لہذا شیعوں کو حق نہیں کہ وہ شخنین کے بارے میں یہ کہیں کہ وہ غصبی جگہ پر دفن ہیں۔

پہلا جواب

آیت اللہ سید ابوالقاسم رضوی اس سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

۱۔ حسنین شریفین علیہما السلام کی جنگ میں شرکت والی روایت ضعیف ہے۔

۲۔ اگر شریک ہوئے ہیں تو خلیفہ دوم عمر کی درخواست اور امیر المومنین علیہ السلام کے حکم سے:

۳۔ اہل عراق نے فوراً اسلام قبول کر لیا تھا۔ جس کی وجہ سے حکم اسلام سے ان کا تمام مال و اسباب محفوظ ہے جس پر کسی کا کوئی حق نہیں۔ لہذا امام حسین علیہ السلام نے اصل مالکان سے زمین خریدی ہے اور پھر اسے وقف کیا ہے۔

دوسرا جواب

زمین کربلا یا آباد تھی یا بنجر؟ اسلامی قوانین کی روشن میں ہر دو صورت میں بنی اسد اس کے تصرف کے حق دار ہیں لہذا امام علیہ السلام نے اصل مالکوں سے زمین خریدی ہے۔

تیسرا جواب

بنی اسد چونکہ شیعہ ایمان اہل بیت علیہم السلام میں سے تھے ممکن ہے زمانہ امیر المومنین علیہ السلام میں حضرت سے اس زمین پر تصرف کی اجازت لی ہو۔

چوتھا جواب

مذہب اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہے کہ اگر کوئی جابر حکمران کسی زمین کو فتح کرے تو درحقیقت وہ زمین حقیقی امام کی ملکیت متصور ہوگی۔ ائمہ معصومین علیہم السلام کے علاوہ دیگر خلفاء کی پوزش مذہب اہل بیت علیہم السلام میں روشن ہے۔ زمین کربلا خلافت دوم میں فتح ہوئی ہے۔ لہذا ان کے حقیقی وارث اس زمانہ میں خود امام حسین علیہ السلام تھے۔ لیکن چونکہ اس کو آباد بنی اسد نے کیا تھا۔ لہذا ان کا حق بھی ادا کیا اور پھر اسے وقف کر دیا۔

پانچواں جواب

خود کتب اہل سنت میں اہل بیت علیہم السلام کے متعدد فضائل لکھے ہوئے ہیں اور ان کے حق میں سیکڑوں احادیث رسول خدا ﷺ کی زبانی نقل ہوئی ہیں اور شمار حسین بخاری نے قبول کی ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو بچپن میں لوح محفوظ کا مطالعہ کروایا گیا تھا۔ اب یہ سوال اٹھانا جائے کہ زمین کربلاء مسلمانوں کا مال تھا۔

اور امام نے مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے اس زمین کو معاذ اللہ ناحق خریدا ہے۔ یعنی اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں یہ تصور کرنا کہ مسائل فقہ نہیں جانتے تھے کتنے افسوس کی بات ہے۔ بلکہ اپنے ایمان سے ہاتھ دھونے کے مترادف ہے۔ ہاں! اس زمین کی عظمت سید الشہداء کے خون کی وجہ سے ہے۔

لہذا کربلا میں شیعوں کا دفن ہونا امام حسین علیہ السلام کی اجازت سے ہے اور شیخین خانہ رسول میں غصب دفن ہوئے ہیں۔

یہی قوم آج تک کہہ رہی تھی کہ رسول مال دنیا میں کوئی چیز نہیں چھوڑ کے جاتا سب کچھ مسلمانوں کا مال ہے۔ یہ گھر بھی تو مال دنیا میں سے تھا اور سب مسلمانوں خصوصاً تمام اہل بیت علیہم السلام کا حق تھا۔ شیعیان کس کی اجازت سے دفن ہوئے ہیں۔

چھٹا جواب

فقط عاشقان زہراء سلام اللہ علیہا کو سمجھ آ سکتا ہے۔ دشمنان زہراء سلام اللہ علیہا نہیں سمجھ سکتے۔

متن کتاب

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي اورث العرض عبادة الصالحين والصلوة والسلام
على سيد الانبياء و خلفاء الله من عترته الطيبين الطاهرين اما بعد اقل
نبی ہاشم سید القاسم ۔

عرض رسان اہل اسلام و ایمان سے کہ نام اس رسالہ کا اباحہ ارض کر بلا لاہل الولا جواب سوال بعض
اہل اسلام ہے واسطے ملاحظہ ناظرین کے اصل سوال ساکل نقل کر کے بعد ازان جوابات اسکے بوجوہات
مختصرہ زبان اردو میں لکھے جاتے ہیں۔

سوال

یہ ہے کیا فرماتے ہیں علمای شیعہ اس مسئلہ میں کہ زمین کر بلا جو بعد خلافت خلیفہ ثانی قہر و غلبہ مفتوح
ہوئی تھی اور حضرات سبطین رضی اللہ عنہما اس جہاد میں حسب تصریح مورخین فریقین شریک جہاد تھے۔
چنانچہ کتب شیعہ مثل ”شرایع الاسلام“ اور ”جواہر الکلام“ میں اسکی تصریح لکھی ہوئی ہے کہ
سواد عراق قہر و غلبہ مفتوح ہوئی اور اسکی خرید و فروخت وہہ و رہن و وقف وغیرہ کچھ بھی جائز نہیں ہے۔
اسلئے کہ مال جملہ مسلمانان کا ہے پھر اسکا خرید کر ناز میند اران، میثوالے حضرت امام حسین علیہ السلام کا

کیونکہ جائز تھا؟ اور چار میل مربع مسافت کو خرید کر کے خاص اپنے شیعوں پر وقف کر دینا جیسا کہ کتب مصائب میں درج ہے کس مذہب کے رو سے درست ہوا؟

مذہب شیعہ کے تمام علماء کا ایسی زمین میں تصرف نہ کرنے پر اتفاق ہے، بلکہ خود سواد عراق کی تصریح کر کے اس کو تحریر کیا، اور ایسی زمین کی نظیر سواد عراق دیتے ہیں۔ اور ایضا اس میں دفن ہونا شیعوں کا اور درود دروسے اپنے مردوں کا لے جانا کیونکہ جائز ہوگا؟ اس لئے کہ غصب حق مسلمین کر کے اس پر امید مغفرت رکھنا اور غصبی زمین میں دفن ہو کر فشار قبر سے نجات پانا اگر یہی مذہب ہے تو بنا بر مذہب شیعہ حضرات شیخین پر بھی بوجہ دفن ہونے روضہ صلعم کے جو شیعوں کے نزدیک غصب حق درشہ ہے حق مسلمین ہے فشار قبر نہ ہوا ہوگا؟ بلکہ ثواب ملا ہوگا؟

سائل امید دار ہے کہ جواب اسکا قابل اطمینان عام مسلمانوں کے لیے تحریر فرمایا جاوے بیٹو! تو جرو۔

پہلا جواب

اولاً؛ سائل کا قول کہ حسین علیہم السلام جنگ عراق عرب میں شامل تھے یہ ثابت نہیں اور روایت جو اہر خود ضعیف ہے۔

ثانیاً؛ اور بغرض صحیح اور تسلیم جناب حسین علیہما السلام حسب درخواست عمر کے حضرت امیر المومنین کی جانب سے اس جنگ میں شامل تھے۔

ثالثاً؛ اور اہل عراق عرب نے جنگ مذکور میں اسلام بمحض فتح قبول کیا تھا، تو تمام مال اور اسباب انکا محفوظ و مامون رہا، اور وہ اپنے مال و زمین کے مجاز اور مالک تھے اس لئے امام حسین علیہ السلام نے اصل مالکان سے جو مومن تھے زمین کر بلا کو خرید فرمایا اور وقف کیا۔ پس بنا بر قول سائل اعتراض سائل باطل ہے۔

دوسرا جواب

زمین کر بلا آباد تھی یا بنجر؟ بر تقدیر اول زمینداران زمین مذکور جو قابض اور عامر اس کے تھے: بعد لانے اسلام کے اولی اور احق بالتصرف ہیں۔ ان سے خرید فرماتا حضرت امام حسین علیہ السلام کا صحیح اور جائز ہے: «كما قال الشافعي البلاد علي ضريين ضرب اسلم اهلها عليها عامرها مملوك لاهلها» و بر تقدیر ثانی زمین بنجر غیر مملوک تھی تو موافق حکم شارع زمین بنجر باب انفال سے ہے، جو کوئی مسلمانوں سے اسکو آباد کر لے وہ مجاز اور احق اور اولی بالتصرف اس زمین پر رہے ہیں، قبیلہ بنی اسد مسلمان تھے اور انہوں نے اس زمین پر قبضہ اور اسے آباد کیا تھا، مستحق اور مالک اس زمین کے تھے، بدین لحاظ جناب امام حسین علیہ السلام نے وہ زمین بنی اسد سے خرید فرما کر وقف کی۔

تیسرا جواب

اور نیز جو کہ بنی اسد شیعیان اہل بیت سے تھے ممکن ہے کہ زمانہ خلافت امیر المومنین علیؑ میں انہوں نے تملیک اس زمین کی جو بسبب غیر آباد اور بنجر ہونے کے انفال میں داخل تھے حاصل کی ہو اور اس واسطے حضرت امام حسینؑ نے ایسی زمین کو اُسکے مالکوں سے خرید فرمایا۔

چوتھا جواب

(مذہب اہل بیت کی تعلیمات کی روشنی میں) اگر کوئی ملک بلا اذن امام حق، کسی جابر نے فتح کیا ہے تو وہ ملک مال امام ہے، چونکہ زمین نمینوا العهد عمر میں مفتوح ہوئی تھی، جناب امام حسین علیہ السلام نے جو اس وقت امام زمان تھے اور مالک اور صاحب اختیار اس پر تھے، لکن بدین احتیاط کہ بالفعل قبائل بنی اسد جو مسلمان اور شیعیان اہل بیت علیہ السلام ہیں اور اس میں قبضہ اور اختیار رکھتے ہیں، برعایت عارضہ عامرین مقابلہ حقوق عارضہ عامریہ، خرید فرما کر خالصا واسطے سکونت اور تدفین شیعیان وقف کر دیا۔ پس بدین وجوہ تدفین شیعیان زمین کر بلا بحسب شرع مطہر صحیح اور درست اور جائز ہے کوئی قدح اسمیں نہیں ہے۔

پانچواں جواب

باتفاق امت، جو خلیفہ اللہ اور اخص خواص اولاد و اہل بیت رسول اللہ ﷺ ہو اور اس کے شان میں آیات قرآنی و احادیث متواترہ متفقہ امت مثل حدیث ثقلین و سفینہ وغیرہ موجود اور وارد ہوں وہ شخص کس طرح ممکن ہے کہ جاہل اشتراک ارض کر بلا سے ہو؟ اور بلا تحقیق اس زمین مشترکہ کو خرید اور وقف کرے؟ یہ تجویز ادنیٰ عاقل، ادنیٰ آدمی مشتری پر کبھی نہیں کر سکتا ہے، پس خرید کر نا شید الشہداء علیہ السلام کا ارض مشترکہ کو کس طرح متصور ہوا؟ و حالانکہ صاحب صحاح ستہ اہل سنت نے روایت کی ہے حالت صباہت میں امام حسین علیہ السلام نے دائہ خرما اٹھا کر دھان شریف کی طرف لے گئے پھر حضرت رسالت ﷺ نے اس طفل صغیر کو بلفظہ: کخ یا بنی الا تعلم ان الصدقة علينا اهل البيت حرام خطاب فرمایا۔ پس حضرت امام حسین علیہ السلام نے دفعۃً پھینک دیا۔ شامین بخاری سوال مقرر کر کے کہ پیغمبر نے طفل صغیر غیر مکلف کو کیوں کر الا تعلم فرمایا؟ جواب لکھا ہے کہ حسنین علیہما السلام کو حالت مہد میں لوح محفوظ کل دکھلایا گیا تھا۔

و اعجاب خود یہ قوم اس طرح سے حال اُن کا لکھیں معذک انحضرت کو عالم کان و یکون جان کے اسناد جہالت خرید ارض مشترکہ میں کریں العیاذ باللہ۔ پس باکمال تعاند و تعصب یا جہالت تمامہ سائل سے صادر ہے، کوئی خارج اسلام بھی یہ حال منکر ایسی تجویز امام علیہ السلام پر نہ کرے گا۔ ہاں شرافت اس زمین اطہر کی بسبب شہادت و خون ریزی سبط سید انبیاء فی سبیل اللہ ثابت ہے: «بقوله تعالى ابنائنا و ابنائکم و لقوله عليه السلام حسين مني و انا من حسين و الحسين سبط من الاسباط و الحسن و الحسين ابناي» پس جس جگہ پارہائے جگر رسول خدا کا جو خون اور گوشت رسول خدا کا عینا ہے گرے البتہ وہ جگہ اشرف البقعات ہے۔

لہذا یہ زمین شیعیاں اہل بیت کے واسطے امن و امان و باعث نجات فی الدنیا و الآخرہ ہے چنانچہ مردیہ متفق علیہ شاہد اسکا ہے کہ حسین علیہ السلام کا چار چیز عوض اس شہادت کے دئے گئے ہیں: «الشفاء فی تربہ و اجابة الدعاء تحت قبته و الاثم من زبته و الشفاء فی امۃ جدہ» پس اگر وہ زمین منصوب ہوتی

ترتیب شفاء ہر مرض اور موضع اجابت دعائے مسلمانان اور مہبط ملائکہ و انبیاء نہ بنتی، پس واضح ہوا کہ اس میں اور تدفین شیخین میں جو خانہ مطہر پیغمبر مشرقین میں بلا اذن بخصب صریح دفن ہوئے فرق اور تفاوت ہیں ہے، کیونکہ زمین نیموا میں رہنا اور دفن ہونا امام علیہ السلام کی جانب سے ماذون اور شرعاً مجاز ہے اور داخل ہونا غیر کا بیت پیغمبر میں در حضور و غیاب بہ نص صریح قطعاً ممنوع اور منہی عنہ ہے۔

لقولہ تعالیٰ: ﴿لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ﴾: پس تدفین شیخین حرام اور مقصوب محض ہے، اس لئے کہ شیخین کو کسی قسم کا حق تملیک یا اور اتنی وہاں حاصل نہ تھا اور نہ وارثان حقہ یعنی اہل بیت سے اذن حاصل کیا تھا اور نہ ابھی تقسیم ہوئی تھی کہ بھڑو حنین ان کے اذن سے ہوتی، اور اگر برویہ لائورٹ جو واسطے غصب کرنے حقوق فاطمہ الزہراء صلوات اللہ علیہا مثل فذک وغیرہ کی حدیث وضع کی تھی اس سے خانہ نبوی کو بھی صدقہ میں قرار دیا تھا، پھر کیوں اس روضہ شریفہ میں دفن ہوئے، نہ اہل بیت عصمت و طہارت سے اذن حاصل کیا نہ تمام مسلمانوں سے۔

خلاصہ مانند فذک و خلافت کے خانہ نبوی کو بھی غصب کر کے مرتکب فعل حرام ہو کر دفن ہوئے اور ایسا دفن ہونا یا قریب ہونا کچھ فائدہ مند انکے واسطے نہیں ہے، بلکہ مستوجب اشد عذاب اور عقاب تا یوم الحساب ہے آیا نہیں دیکھتے ہو کفار و منافقین کو جو الی حنین قرب مسکن و مجاورت و مدفن قدیم سے حریم میں رکھتے ہیں ہر گز ان کو فائدہ نہیں پہنچتا ہے، چنانچہ متفق علیہ روایت ہے: من غضب ارضا طوق اللہ ذلک غاصبا یوم القيامة پس باطل کو مشابہ و مماثل حق تمثیل عین باطل ہے۔

چھٹا جواب

تمام زمین اور پانچ دریا اور خمس دنیا مہر حضرت فاطمہ الزہراء کا باحادیث متفقہ ثابت ہے چنانچہ دلیلی فردوس اخبار میں لکھتا ہے۔

عن ابن عباس قال قال رسول الله يا علي ان الله زوجك فاطمة و

جعل صداقها الارض فمن مشي عليها مبغضا لك مشي حراما

اور ایضاً باحادیث متفقہ وارو ہے کہ دریائی و جلہ و فرات و نیل و جیہون و سچون و خمس دنیا حق سبحانہ و تعالیٰ نے مہر میں آنحضرت کے قرار دی ہیں، پس باوجود ان احادیث کے کیونکر زمین عراق غصب ہو سکتی ہے، اور اگر یہ زمین غصب ہوتی تو کیونکر عالم کان و مانکون خلیفہ اللہ جناب سید الشہداء علیہ السلام خود و شیعہ ان اپنے کو ایسی زمین میں دفن ہونے دیتے سبحان اللہ جس امام علیہ السلام کی والدہ کے مہر میں خدای تعالیٰ نے تمام روئے زمین و آب شریں مقرر کیا ہو کس طرح متصور ہو سکتا ہے کہ آنحضرت اور شیعہ ان کے زمین مغضوب میں مدفون ہو سکیں؟

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا ہے کہ جو آنحضرت کے بلا اذن مخالفین میں سے روی زمین میں دفن ہوئے عذاب ابدی میں رہیں گے، بد حال زیادہ ان لوگوں کا جو کہ خانہ اور روضہ مطہرہ میں بلا اجازت غصباً و قہراً داخل اور دفن ہوئے۔

تنبیہ: انبیاء علیہم السلام کی صحبت و مجاورت میزان نجات نہیں ہے۔

مجاورت و مقاربت و معیت و مصاحبت زمانی و مکانی، دنیاوی کافرین و مشرکین و منافقین و ظالمین و غاصبین کو موجب و مستلزم شرف و نجات عقوبت شدیدہ عاقبت سے ابد اوصلاً ممکن و متصور نہیں ہے، کیونکہ یہ حال حضر و سفر میں قدیم سے ہر زمانہ میں نیک و بد طاہر العین اور نجس العین، انسان اور حیوان انبیاء، کفار کو علی الدوام دنیا میں طوعاً و کرہاً واقع ہوتا ہے چنانچہ معیت الہی سے کوئی خالی نہیں ہے بقولہ تعالیٰ ﴿إِنَّمَا كُنْتُمْ وَهُوَ مَعَكُمْ﴾ ہو آیہ نبوی چون ﴿مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ﴾ و آیہ در قید خانہ یوسف علیہ السلام لقولہ تعالیٰ ﴿يَا صَاحِبِ السِّجْنِ﴾ و قولہ تعالیٰ ﴿الْعَمَلُ تَرْكِيفُ فَعَلَ رَبِّكَ بِالصَّحَابِ الْفِيلِ﴾ اور مثل اسکی آیات دیگر شاہد صریح ہیں پس بہ ثبوت اُس کے ثابت ہوا کہ معیت و مصاحبت و مقاربت حضرات شیخین با سرور انبیاء در حیوہ و بعد مرگ و دخول و دفن ہونا بیت الشرف آنحضرت میں بلا اذن لغلبہ و قہر و غصب اصلاً و ابدالاً لیل شرف و نجات نہیں ہے، سوائے زیادتی اور عقوبت عقبی کے اور

شاہد ثانی پندرہ احادیث سے زیادہ متفرق مقام خصوصاً ذیل سورہ کوثر کتاب رقائق بخاری میں ضبط اور ثبت ہیں۔

پیغمبر کے سامنے ایک جماعت صحابہ روز قیامت حوض کوثر سے پکڑ کر جہنم میں ڈالی جائے گی وہ حضرت کہے گا خدا یا یہ میرے اصحاب ہیں نہ اہو گایا نبی تو جانتا نہیں ہے انہوں نے بعد تیرے کیا کیا بدعتیں جاری کیں اور بمحض مرنے تیری یہ مرتد ہو کر کفر اصلی اپنا اظہار کیا۔ پھر آنحضرت فرمادیں گے دور کرو دور کرو انکو کہ پیچھے میرے انہوں نے تغیر دیا دین میرے کو اس جملہ میں سے یہ حدیث ہے قال صلعم:

لیردن علی یوم القیامہ رھط من اصحابی انا اعرفھم و ہم یعرفونی
فیوخذون ذات الشمال من دونی فاقول یا رب اصحابی فیقال لی انک لا
تدری ما احدثوا بعدک فلم یدالو مرتدین قھقربا منذ جفارقھم ما قول
سحقا سحقا لمن غیر دینی ای بعدا بعدا قالہ ابن عباس انتھمی

پس مگر یہ احادیث بخاری صحیح ہیں تو کہو اصحاب کفر و ارتداد جو ماخوذ بخضور نبوی ہوں وہ کتنی اور کون ہیں مجلد سادس بخاری غزوہ حدیبیہ میں والد علاء بن مسیب سے روایت لکھی ہے کہ میں نے براہ بن عازب کو گوارا بادیا کہ تم اجلہ اصحاب نبوی سے ہو برائے جواب دیا ای پسر برا اور کیا مبارکباد دیتی ہو کیا تم نہیں جانتے ہو کہ ہم صحابہ نے بیعت رضوان کے بعد کیا کیا بدعتیں دین اسلام میں ایجاد اور احداث جاری کیں۔

پس ساتھ اقرار براہین عازب کے جو اجلہ اہل بیت رضوان سے ہے واضح اور ثابت ہوا کہ ہم اصحاب بیعت رضوان سے بعد موت نبی کے کفر اور ارتداد صادر ہوا اور اگر تفصیل جماعہ مجتہدین صحابہ دیکھا چاہو تو کتاب ”عمر و جاحظ“ اور ”ابن ابی الحدید“ اور ”فصول اولیات مشائخ ثلاثہ“ تاریخ الخلفاء ”سیوطی و ابن سعد کو ملاحظہ کر دے سب ائمہ اہل سنت ہیں مرویہ بخاری یہ ہے:

قال البراء بن عازب قفلت طوبى لك صحبت رسول الله و بايعته تحت
الشجرة فقال لي يا بن اخي انك لا تدري ما احدثنا بعده انتهى اعاذنا الله
والمؤمنين جميعا من طمع الدنيا و بيع الاخرة بقليل من متاع الدنيا

اور اولہ کثیرہ اس باب میں ہیں لیکن بسبب تحمل و عدم گنجائش اس درiquہ کی ثبت نہ ہوئی اور جس کو
قلیل قیل و قال کفایت کرے اسکو اولہ کثیرہ ہی مفید نہ ہوگی۔

فألله يهدينا الي التحقيق و الدليل و يحفظنا من الضلاله و التضليل و
نحمده لربنا الجميل و الصلوة علي نبينا الجليل والائمة الهداء الي سواء
السيب تمت هذه الورقة بالايجاز و الاختصار بكمال التعجيل في ساعة
واحدة سنه ١٣١٣ ٢٠شوال فعلیه الانكال



ہدایات ناصریہ

تالیف: آیت اللہ سید ناصر حسین ناصر الملت
مرتب: میر اکبر علی خلف میر احمد علی مرحوم دہلوی
تاریخ: ۱۷ صفر المظفر ۱۳۲۲ھ۔

﴿تمثال مؤلف کتاب ”ہدایات الناصریہ“﴾

﴿مؤلف کے بارے میں﴾

﴿کتاب کے بارے میں﴾

﴿نسخہ عکسی کتاب﴾

﴿متن کتاب﴾

﴿کتاب ”ہدایات الناصریہ“ پر ایک تحقیقی نظر﴾



آیت اللہ سید ناصر حسین "ناصر الملیہ"
(۱۲۸۳-۱۳۶۱ھ ق)

(فرزند صاحب عبققات الانوار سید میر حامد حسینؒ)

کچھ از قلم: طاہر عباس اعوان

مؤلف کے بارے میں

ناصر الملت اور کنٹوری خاندان، اور موسوی سادات کی ہند میں ہجرت اور علامہ مفتی قلی خان متوفی ۱۲۶۰ھ۔ علامہ اعجاز حسین، علامہ میر حامد حسین صاحب عقبات الانوار متوفی ۱۳۰۶ھ۔ اور خود جناب ناصر الملت اور انکی اولاد کے متعلق ہم اس وقت مفصل بحث کریں گے جب اس خاندان کے متعلق میراث بر صغیر کا خصوصی شمارہ چاپ کریں گے ان شاء اللہ، مردست ناصر الملت کے ساتھ آپکے والد اور دادا کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔

علامہ مفتی محمد قلی کنٹوری نیشاپوری علیہ الرحمۃ (۱۱۸۸-۱۲۶۰ھ۔ ق)

خاندان کنٹور کے شجرہ میں حضرت علامہ محمد قلی علیہ الرحمۃ کا اسم گرامی سید السادات کی نسل کے تیرہویں طبقہ میں ملتا ہے آپ کا پورا سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تک حسب ذیل ہے۔

سید محمد قلی بن سید محمد حسین بن سید حامد حسین بن سید زین العابدین بن سید محمد بن سید محمد بن حسین بن سید حسین بن سید جعفر بن سید علی بن سید کبیر الدین بن سید شمس الدین بن سید جمال الدین بن سید السادات ابو المنظر علاء الدین حسین اعلیٰ بزرگ بن سید عز الدین محمد بن سید شرف الدین ابو طالب بن سید محمد المحرق بن سید حمزہ بن سید علی بن سید ابو محمد بن سید جعفر سید مہدی بن سید ابو طالب بن سید علی بن سید حمزہ بن ابو القاسم حمزہ بن حضرت امام موسیٰ علیہ السلام۔

آپ کی ولادت ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ ہجری میں بمقام کنٹور ہوئی آپ کے والد ماجد بھی ایک ذی علم بزرگ تھے۔ اور فضلاء عصر میں سے شمار ہوتے تھے ان کے زیر سایہ آپ نے تربیت پائی کتب درسیہ مختلف فضلاء زمانہ سے پڑھیں، لیکن علوم دینیہ حضرت غفران مآب علیہ الرحمۃ سے حاصل فرمائے اور اجتہاد و

تحقیق کے بلند درجات خصوصاً علم کلام میں بے نظیر اور شہرہ آفاق ہوئے۔ تحصیل علوم کے بعد آپ میرٹھ میں منصب عدالت پر مقرر ہو کر صدر الصدور ہوئے اور عرصہ دراز تک وہیں رہ کر کاعدالت انجام دیتے رہے، آخر عمر میں لکھنؤ مراجعت فرمائی اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے، یہاں تک کہ ۹ محرم ۱۳۶۰ ہجری میں انتقال فرمایا اور حسیہ غفران مآب میں مدفون ہوئے۔ آپ کی تصنیفات بہت سی ہیں لیکن چند مشہور اور لا جواب تصنیفیں جس سے آپ کی عظمت و جلالت نمایاں ہوتی ہے یہ ہیں۔ فتوحات حیدریہ، تاریخ کشور، عدالت علویہ، سیف ناصری، قلب الکائید، برہان السعادة، کشید المطاعن، مصارع الافہام، تقریب الافہام، رسالہ تقیہ وغیرہ۔

علمائے کبار نے آپ کے علم اور آپ کے تصانیف عالیہ کی بڑی مدح ثناء فرمائی ہے آپ نے اپنے بعد تین فرزند چھوڑے جو دنیائے علم میں بڑے نامور ہوئے۔ ایک مولانا سراج حسین صاحب قبلہ دوسرے مولانا اعجاز حسین صاحب قبلہ اور تیسرے حضرت فردوس مآب علامہ حامد حسین صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہم۔

حضرت علامہ میر حامد حسین نیشاپوری لکھنوی (۵ محرم ۱۲۴۶-۱۸ سفر ۱۳۰۶)

جناب فردوس مآب حضرت علامہ سید حامد حسین صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ حضرت علامہ محمد قلی صاحب علیہ الرحمہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ آپ کی ولادت ۵ محرم ۱۲۴۶ھ میں بمقام میرٹھ ہوئی تعلیم کا ابتدائی حصہ اپنے والد ماجد سے حاصل کیا لیکن چودہویں برس سایہ پدری سر سے اٹھ گیا تو اس زمانہ کے مشاہیر علماء جناب مفتی سید محمد عباس صاحب قبلہ شوستری جناب سید العلماء علامہ سید حسین علمین مکان صاحب قبلہ اور جناب سلطان العلماء آیہ اللہ سید محمد صاحب قبلہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے شرف تلمذ حاصل کیا اور بہت جلد اخذ و تحصیل کی حدیں ختم کر کے منصب اجتہاد پر فائز ہونے کے بعد تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہوئے۔ پہلے اپنے والد ماجد کی ان تصنیفوں کو اٹھایا جو اب تک شائع نہیں ہوئی تھیں، فتوحات حیدریہ، رسالہ تقیہ، اور کشید المطاعن کے مسودات بے ترتیب پڑے تھے عرصہ تک ان کی ترتیب و تالیف تھیں و تنقیح میں مشغول رہے بالآخر برسوں کی کاوش کے بعد اس مہم کو سر کیا اور وہ کتابیں

شائع ہو کر مقبول خاص و عام ہوئیں، اسی دوران میں مخالفین کی جانب سے ایک کتاب منتہی الکلام شائع ہوئی اور بھاگ دہل یہ دعویٰ کیا گیا کہ اس کا جواب قیامت تک شیعوں کے امکان سے باہر ہے۔ اس زمانہ میں سلطنت اودھ کے حالات نہایت ابتر ہو رہے تھے اسلئے مشاہیر علماء اس کی طرف متوجہ نہ ہو سکے مگر آپ نے یہ بار اپنے سر اٹھایا اور چند ماہ کے عرصہ میں کتاب استقصاء الافہام تصنیف فرما کر منتہی الکلام کی دہجیاں اُڑادیں مخالف و موافق سب محو حیرت ہو گئے، یہ وہ کتاب ہے جس کا طرف مقابل سے آج تک کوئی جواب نہ لکھا جا سکا۔

اس کے بعد آپ نے ایک اور مبسوط کتاب شوارق النصوص پانچ ضخیم جلدوں میں تحریر فرمائی، جس نے دوست و دشمن سب سے خراج تحسین حاصل، اس کی دو جلدیں چند سال قبل قم سے چھپ چکی ہیں۔ پھر اور چھوٹی بڑی کتابیں تصنیف ہوتی رہیں۔ مگر سب سے آخر میں جو کتاب آپ نے تصنیف فرمائی یعنی عبقات الانوار اس نے تو ہندوستان سے لیکے عرب تک آپ کے علم و فضل کا لوہا منوادیہ۔ یہی وہ عظیم ایشان کتاب مستطاب ہے جس نے آپ کو ان اساطین و ارکان مذہب کی صنف میں لا کے کھڑا کر دیا ہے جن پر دین کا دار و مدار ہے اور جن کی عدیم الشال تصنیفیں مذہب شیعہ کی آیت و حجت سمجھی جاتی ہیں۔ اس سلسلہ تصنیف و تالیف میں آپ نے کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ بھی جمع فرمایا جو آجک آپ کی یادگار ہے ۱۲۸۱ھ میں جب آپ حج و زیارات عتبات عالیات سے مشرف ہوئے تو عراق و حجاز کے مشہور کتب خانوں کی تفصیلی سیر کی اور ایک نادر ذخیرہ کتب اپنے ہمراہ لائے۔

جس میں بیشتر کتابیں ایسی تھیں جو خاص اپنے دست مبارک سے آپ نے اصل نسخوں سے نقل فرمائی تھیں سفر سے مراجعت کے بعد پھر آپ تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے اور ساری زندگی اسی شغل میں گزار دی۔ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں مشکل سے چار پانچ گھنٹوں آپ کے تمام ضروریات میں صرف ہوتے تھے باقی کل وقت اسی مشغلہ میں گزرتا تھا بیٹھے بیٹھے جب تھک جاتے تھے تو لیٹ کر کتب بینی یا تحریر کا کام انجام دیتے تھے۔ مشہور ہے کہ بکثرت مطالعہ سینہ پر کتاب رکھے رہنے سے صدر مبارک پر گھتر پڑ گیا تھا مختصر یہ کہ آپ فانی العلم ہو گئے تھے۔ آخر عمر اس شدید محنت و مشقت کے باعث آپ کی

صحت خراب ہو گئی اور گونا گونا گویا امراض میں مبتلا ہو گئے، مگر اس پر بھی آپ کے مشاغل میں فرق نہ آیا جب بوجہ ضعف آپ خود لکھنے سے قاصر ہو جاتے تھے تو اطباء کے ذریعہ دوسروں سے لکھواتے۔ چنانچہ وفات سے ایک روز قبل تک آپ کی یہ علمی خدمات جاری رہیں اور وفات کے روز بھی آپ گھر میں نہیں بلکہ کتب خانہ ہی میں تھے اور وہیں ۱۸ صفر ۱۳۰۶ھ۔ ق۔ کو انتقال فرمایا۔

آپ کے تصانیف عالیہ کثیرہ میں سے چند حسب ذیل ہیں استقصاء الافہام، شوارق النصوص، عبقات الانوار، کشف العضلات فی حل المشكلات، العصب البتار بحث آیۃ الغار، افہام اہل المین فی رد ازالۃ الغین، النجم الثاقب فی مسئلہ الحجاب، الدرر السینہ فی المکاتیب والمنشآت العربیہ۔ زین الوسائل الی تحقیق المسائل، الذرائع فی شرح الشرائع، اسفار الانوار عن وقائع افضل السفاویر وغیرہ، ان میں سے اکثر کتابیں کئی کئی جلدوں میں ہیں اور ہر کتاب آپ کے فضل و کمال میں تین تین آیات ہی آپ کی وفات ۱۸ صفر ۱۳۰۶ھ کو ہوئی اور امامبازہؒ غفران مآب ہمیں دفن ہوئے آپ نے اپنے پودو دو فرزند چھوڑے جو علمی جلالوں کے اعتبار سے آپ کی پوری یاد گار تھے، ایک مولانا ذاکر حسین صاحب قبلہ مرحوم، دوسرے سرکار ناصر الملک علی اللہ مقامہ۔

اس سلسلے کے آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس صدی کے ایک عالم جلیل القدر کی تحریر کے ایک حصہ کا ترجمہ بھی پیش کر دیا جائے جس سے اس خاندان عالی شان کی رفعت و عزت اور خاص کر حضرت علامہ محمد قلیؒ اور جناب فردوس مآب اعلی اللہ مقامہا کی عظمت و جلالت بخوبی نمایاں ہو جاتی ہے۔

سرکار علامہ الحاج شیخ محمد مہدی ملقب بہ شمس العلماء اعلی اللہ مقامہ جو اس صدی کے بڑے مشہور عالم جلیل المنزلت تھے اپنے بعض مامورین کو اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

”تم جاسکتے ہو یا نہیں اگر جاسکتے ہو تو ضرور جاؤ وہاں ایک خاندان سادات اولیٰ اللہ کا

ہی علامہ سید محمد قلی اعلی اللہ مقامہ کے فرزند مولانا سید اعجاز حسین اور سید علامہ سید

حامد حسین اور ان کے فرزند مولانا سید ناصر حسین ایدہ اللہ یہ خانوادہ اولاد و رسول میں

سے ایک بڑا گھرانہ ہے اور جو خدمت اس خاندان نے مذہب حقہ اثنا عشری کی ہے وہ

ایسی ہو کہ سید مرتضیٰ علم الہدی علامہ حلی اور علامہ مجلسی رضوان اللہ علیہم کے بعد کو

کی اس منصب جلیل پر فائز نہیں ہوا میری خواہش یہ ہے کہ میری نیابت میں علامہ حامد حسین ان کے برادر محترم اور ان کے والد کی قبروں کی زیارت کرنا اور میری طرف سے سورہ فاتحہ اور قرآن مجید پڑھنا اور ان بزرگوں کی قبروں کے پاس میرے اور میری اولاد کے لئے دعا کرنا۔“

اس تحریر کے بعد حضرت علامہ محمد قلی اور جناب فردوس مآب اعلیٰ اللہ مقامہما کے متعلق اب کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اب بخوبی واضح ہو گیا کہ ان بزرگوں کی علمی دنیا میں کیا حیثیت اور شان تھی اور علماء کبار ان کی کیا منزلت سمجھتے تھے،

علامہ سید ناصر حسین ناصر الملت نیشاپوری لکھنوی (۱۹ جمادی الآخر ۱۲۸۴ھ - ۱۳۶۱ھ - ق)

اوپر کے بیان سے واضح ہو گیا ہو گا کہ سرکار مرحوم کس باپ کے بیٹے کس دادا کے پوتے اور کس دو دمان عالیشان کے چشم و چراغ تھے، لیکن چونکہ یہ مقالہ آپ ہی کی ذات والاصفات کے ساتھ مخصوص اور معنون ہے اس لئے آپ کا تذکرہ فی الجملہ تفصیل سے ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔

ولادت

آپ کی ولادت باسعادت ۱۹ جمادی الآخر ۱۲۸۴ھ بروز پنجشنبہ اول وقت نماز بمقام لکھنؤ میں ہوئی یہی تاریخ حضرت اسحاق پیغمبر کی پیدائش کی تھی اس لئے آپ کے عم محترم جناب مولانا سید اعجاز حسین صاحب قبلہ مرحوم سے تاریخ کی رعایت سے آپ کا نام اسحاق رکھا، مگر والد نامدار نے جیسے ہی آپ کی ولادت کی خوشخبری سنی بے ساختہ زبان سے نکلا میرا نام حامد حسین ہی اس بچے کا نام ناصر حسین ہونا چاہیے۔

تعلیم

آپ کے والد چار سال گزرتے ہی پانچویں برس یعنی ماہ رمضان ۱۲۸۸ھ میں آپ کی تعلیم شروع کرادی، مولوی لطف حسین صاحب نامی ایک بزرگوار جو افاضل میں شمار ہوتے ہیں اور اچھی استعداد رکھتے تھے آپ کی تعلیم پر مقرر ہوئے، تھوڑے ہی عرصہ میں ابتدائی تعلیم کے تمام مراحل ختم ہو گئے، اب

ثانوی تعلیم کا وقت آیا تو حضرت فردوس مآب نے آپ کو اپنے استاد حضرت علامہ مفتی سید محمد عباس صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ (۱۲۲۳-۱۳۰۶ھ-ق) کے حلقہ تلمذ میں داخل کر دیا۔

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ ایک بڑی جامع الکمال ہستی تھے، فقہ، تفسیر، اصول حدیث، تاریخ، ادب، کلام وغیرہ تمام علوم مستند اولہ میں آپ کو دستگاہ کامل حاصل تھی اور اردو و فارسی عربی تینوں زبانوں کے آپ بڑے زبردست شاعر اور صاحب دیوان تھے، مختلف علوم میں آپ کے تصنیفات آج تک ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں مقبول خاص و عام ہیں۔

مختصر یہ کہ ہندوستان کی تاریخ میں اس جامعیت اور کمال کے لوگ بس خال ہی خال گزرے ہیں۔ جیسے حضرت مفتی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ تھے، اور یہی وجہ ہے کہ سرکار ناصر الملہ اعلیٰ اللہ مقامہ اپنے اس تلمذ پر فخر و ناز فرماتے تھے اور اکثر برسر ممبر ذکر آجاتا تھا تو آپ حضرت مفتی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کی شان میں ایسے کلمات ارشاد فرماتے تھے جن سے ان کی بے عظمت و جلالت نمایاں ہوتی تھی۔ مفتی صاحب کے ساتھ ساتھ فردوس مآب نے اپنے فرزند کی تعلیم و تربیت کو اپنی نگرانی میں کامل کیا اور اس طرح کچھ ہی مدت میں وہ تمام مرحلے بھی ختم ہو گئے جن کے بعد انسان اجتہاد کی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔

طریقہ تکمیل دروس

حضرت فردوس مآب نے اپنے فرزند کی تعلیم کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ جن مسائل کی تعلیم اسی طریقہ خاص جو انھوں نے ایجاد فرمایا تھا دے چکتے تھے تو خود طالب علم بن کر بیٹھ جاتے تھے اور آپ سے فرماتے تھے کہ اب آپ درس دیجئے اور میں پڑھتا ہوں تب آپ بھی ”الامر فوق الادب“ کے مصداق بے تکلف مطالب و نکات علمیہ اس طرح بیان فرماتے تھے جیسے کوئی تبحر استاد اپنے حلقہ تلامذہ میں بیان کرتا ہے۔ اثناء بیان میں جا بجا حضرت فردوس مآب متلمذانہ اعتراضات بھی کرتے جاتے تھے اور آپ استادانہ انداز میں ان کے تشفی بخش جوابات دیتے جاتے تھے۔

اجتہاد

یہی وہ تربیت تھی جس نے آپ کو فضل و کمال کے ان اعلیٰ مراتب پر پہنچا دیا جن کی تمنا آپ کے لئے حضرت فردوس مآب کے دل میں تھی، آخر جب حضرت فردوس مآب نے اپنے سند معیار پر بھی آپ کو ہر طرح کامل و اکمل پایا تب اجتہاد کی سند عطا فرمائی، چنانچہ تیرہویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے یعنی ۱۳۰۰ھ میں جبکہ آپ کی عمر مبارک سولہ سال سے زیادہ نہ تھی آپ منصب اجتہاد و افتاء پر فائز ہو چکے تھے۔

خطاب صدر المحققین

حضرت فردوس مآب نے اپنی ذمہ داریوں کا بہت کچھ بار آپ کے کاندھوں پر ڈال دیا، چنانچہ جس قدر بھی مسائل حضرت فردوس مآب کے پاس بغرض افتاء آتے تھے اب ان سب کی جوابدہی آپ ہی کے ذمہ ہو گئی۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر جو چیز خاص طور سی آپ کے ذمہ عائد ہوئی وہ تصنیف و تالیف میں حضرت فردوس مآب کی امداد اور معاونت تھی۔

حضرت فردوس مآب عبقات الانوار کی تصنیف میں اب آپ سے پوری مدد لینے لگے، چنانچہ آپ کی مشہور تالیف سبا یک الذہبان، جو علم رجال میں بڑی مبسوط تالیف ہی جسکی ۴۸ جلدیں ہیں آپ کے اسی روز معاونت امداد کی یادگار ہے اس کتاب کا ایک اچھا خاصہ حصہ حضرت فردوس مآب کی زندگی ہی میں آپ نے تیار کر لیا تھا، یوہیں فہرست انساب سعانی بھی آپ کی اسی زمانہ کی تالیف ہی اس کے علاوہ اصل کتاب عبقات الانوار پر بھی آپ نے قلم اٹھایا اور کئی سو صفحے اس طرح لکھ ڈالے کہ خود حضرت فردوس مآب ”محو حیرت ہو گئے، یہی وہ کارہائے نمایاں تھے جنہیں دیکھ کر حضرت فردوس مآب باغ باغ ہو گئے اور ان بیش بہا خدمات کے صلہ میں خوش ہو کر ازراہ قدردانی آپ کو ”صدر المحققین“ کا جلیل القدر خطاب عطا فرمایا۔

والد کے بعد میدان عمل

تکمیل کے بعد پانچ سال تک حضرت فردوس مآب کے زیر سایہ رہ کر تمام مشاغل اور خاص کر عبقات کی تصنیف میں آپ انکا ہاتھ بٹاتے رہے جب ۱۸ سفر ۱۳۰۶ ہجری میں فردوس مآب نے رحلت فرمائی تو آپ کی

عمر مبارک کا اس وقت صرف بائیسواں سال تھا۔ باوجود اس کے ان کی ذمہ داریوں کا تمام بار گراں پوری طرح آپ نے اپنے دوش پر اٹھالیا بلکہ آگے بڑھے تو آپ کی ذمہ داریاں اور مصروفیات ان سے کہیں زیادہ بڑھ گئیں جو حضرت فردوس مآب کی ذات کے ساتھ مخصوص تھیں۔

حضرت فردوس مآب نے تو تصنیف و تالیف کے پیچھے گویا دیادی تھی اور معاشرتی زندگی کو یکاخت ترک فرمادیا تھا آنا جانا تو درکنار گھر پر بھی بالعموم ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا۔ لیکن آپ نے اس عہد پر نگاہ ڈالی تو رنگ زمانہ بدلا ہوا نظر آیا نظام ملکی متغیر ہو جانے سے حالات کروٹ لے رہے تھے، ملت حیران و سرگردان کو کسی مطلوبہ ناخدا کی ضرورت تھی لہذا آپ نے بضرورت وقت حضرت فردوس مآب کی زاویہ نشین والی روش کو خیر باد کہا اور خدا کا نام لیکر اصلاح قومی کے میدان میں قدم اٹھادیا آپ کی مصروفیت بے اندازہ تھیں مگر آپ کا نظام کار ایسا تھا کہ تمام امور کو باحسن وجہ انجام دیتے تھے۔ اور اس طرح برصغیر کے دیگر علماء و مجتہدین کے ساتھ مل کر ملت کی راہنمائی کے فرائض انجام دیتے رہے۔

قومی و ملی خدمات

زمانہ اور قوم کی محنت حالی نے جہاں آپ کے دل میں درد پیدا کیا وہاں آپ کے اور معاصرین کے دلوں میں بھی احساس کی لہر دوڑ دی چنانچہ جذبہ عمل نے آپ کو اور آپ کے معاصرین کو قوم کی اصلاح کے لیے ایک ساتھ اٹھایا اور تعاون و اشتراک عمل کی برکتوں نے آپ کو اپنے مقاصد میں کامیاب کیا اس سلسلہ میں جو عظیم الشان کارنامے آپ کی مقدس زندگی کی تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہیں ان کی فہرست یہ ہے:

۱۔ شیعہ کانفرنس؛

۲۔ شیعہ یتیم خانہ؛

۳۔ شیعہ کالج؛

۴۔ شیعہ عربی کالج؛

- ۵۔ دارالتصنیف؛
- ۶۔ علماء سابقین کی یادگار کا اہتمام جیسے مزار شہید ثالث قاضی نور اللہ شوشتری کی تعمیر نو؛
- ۷۔ احیاء امر اہل بیت اور مجالس و محافل کا اہتمام؛
- ۸۔ اصلاح رسوم؛
- ۹۔ توسیع عزا داری؛
- ۱۰۔ مدح صحابہ کے خلاف محاذ حسینی؛
- ۱۱۔ علمی و ادبی خدمات؛
- ۱۲۔ جامعیت در علوم اور آپ کی شخصیت دیگر دانشمندوں کی نگاہ میں۔

علوم و فنون میں آپ کو جو دستگاہ حاصل تھی کوئی بھی اس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا۔ متد اولہ علوم کا تو کہنا ہی کیا۔ منطق، فلسفہ، لغت، ادب، فقہ، اصول، کلام، تاریخ، حدیث، تفسیر، غرض جس علم کو دیکھیے اس میں آپ بادشاہ تھے غیر متد اولہ علوم جن کے صحیح طور پر جاننے والے اب مفقود یا قریب بہ فقد ان ہو چکے ہیں مثلاً علم الحروف، علم الرمل، علم الجفر، علم الکیمیا، اس کے علاوہ علم طب میں بھی آپ کو کافی مدخلیت تھی اور اکثر و بیشتر آپ اپنا علاج خود فرماتے تھے۔ البتہ بعض اطباء سے مشورہ فرمالیتے تھے اب ان سب چیزوں سے قطع نظر کر کے سیاسی دنیا میں آئیے تو یہاں بھی آپ کی وہ عظمت و منزلت ظاہر ہوتی ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ سر سید رضا علی بالقابہ جن کا شمار ہندوستان کے مایہ ناز مدبرین میں ہوتا ہے اپنے تعزیت نامے میں جو آپ کی وفات کے موقع پر انھوں نے بھیجا تھا آپ کے متعلق لکھتے ہیں۔

۱۹۳۹ء میں جناب مرحوم کی خوبیوں سے واقف ہونے کا تھوڑا سا موقع مجھے ملا وہ وقت تمام شیعوں کے لیے سخت امتحان کا تھا۔ جب مرحوم کے ارشاد کے بموجب مجالس شوریٰ میں میں نے شرکت کی اس عالم دار گیر میں جو سکون بلند نظری فراخ دلی عالی حوصلگی اور اصابت رائے میں نے جناب مرحوم کی ذات میں پائی اس کی مثال پولیٹیکل مسائل پر مباحثہ کے وقت میں نے بہت اونچے پولیٹیکل حلقوں میں بھی نہیں پائی جناب مرحوم ہر مسئلہ کی تائید و مخالفت میں مختلف اور متضاد دلائل سننے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے تھے مگر

تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد جس منزل پر پہنچتے تھے پھر اس طرح جے رہتے تھے جیسے دنیا کا سب سے بڑا پہاڑ ہمالیہ اپنی بنیاد پر قائم ہے۔ خود اظہار رائے میں کبھی سبقت نہ فرماتے تھے بلکہ حاضرین کے صلاح و مشورے کو بڑے غور و توجہ سے سنتے تھے میں نے کبھی جناب مرحوم کو مضطرب نہیں پایا۔

آپ کی جامعیت علوم کے بارے میں جو کچھ بیان ہو ایسی وہ چیز تھی جس نے ہندوستان سے لے کر عراق ایران اور مصر تک آپ کے فضل و کمال کے جھنڈے گاڑ دیے اور بڑے بڑے علماء کا آپ کو مرجع بنا دیا جیسا کہ مولانا فیس احمد عباسی ایڈیٹر اخبار حقیقت اپنے اخبار کی اشاعت مجریہ: بروجب ۶۱ھ کے ایڈیٹر ویل میں آپ کے سانحہ وفات پر اظہار رنج و الم کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”مولانا صاحب مرحوم کے علم و کمال کا شہرہ صرف ہندوستان ہی تک محدود نہ تھا بلکہ عراق و ایران اور مصر کے علماء اکثر اہم اور پیچیدہ علمی و مذہبی مسائل میں ان سے استفادہ کیا کرتے تھے۔“

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر اعظم علماء اسلام کی بے شمار تحریروں میں سے بطور نمونہ چند کا مختصر اقتباس ہدیہ قارئین کیا جائے جن سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں آپ کی واقعیت و عظمت تھی۔ عراق کے مجتہد اعظم سرکار میرزا محمد تقی شیرازی علیہ الرحمہ جن کے احکام پر عراق سے لیکر ایران تک اور رعیت سے لیکر بادشاہ تک ہر شخص سر اطاعت خم کرتا تھا اپنے ایک مکتوب گرامی میں آپ کو تحریر فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی امداد و حمایت سے ہر قسم کی بلاؤں سے محفوظ رکھے اور حضرت جتہ عجل اللہ ظہورہ کی نظر خاص جناب پر پڑتی رہے اور دین کی بنیادوں کو مضبوط کرتے رہیں اور دین مبین کی اشاعت میں آپ کی تائید ہوتی رہے۔“

جتہ الاسلام سید اسماعیل علیہ الرحمہ آقائے صدر کے نام سے مشہور ہیں ایک گرامی نامہ تحریر فرماتے ہیں:

”کاش یہ حقیر جناب کی خدمت میں حاضر ہوتا اور جناب کے علمی و عملی فیوض اور مواظظ و نصح و فضائل و مناقب سے مستفید ہوتا رہتا۔“

جناب مولانا مولوی حسین میاں صاحب دام مجدہ سجادہ نشین پھلواری شریف آپ کی وفات کے موقع پر اپنے تعزیت نامے میں تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت ناصر الملۃ کی وفات ہندوستان، عراق اور دیگر تمام ممالک اسلامیہ میں صف ماتم، علم کا آفتاب غروب ہو گیا صد افسوس آپ کے کتب خانہ کا ایک ایک گوشہ ہر کتاب کا ایک ایک ورق اور ہر نادر نسخہ کی ایک ایک سطر حضرت کی آنکھوں کی روشنی تھی ان کے تشریف یگانے سے پینائی علم کو مسد صاحب مند کو اور فضیلت صاحب فضل کو ڈھونڈ رہی ہے آہ کیا زمانہ پھر ایسی شخصیت پیدا کرے گا؟ مجھے یاد ہے حضرت قبلہ و کعبہ والد ماجد نور اللہ مرقدہ کے زمانہ قیام لکھنؤ میں حضرت ناصر الملۃ طیب اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا، مجھ پر بڑی شفقت فرمائی میں حنفی المذہب الشرب ہون فقہ حنفی کا وقار میرے دل و دماغ میں پیوست ہے، مگر میں اس تحریر کے ذریعہ اقرار کرتا ہوں کہ حضرت ناصر الملۃ بڑے فقیہ تھے ایسے فقیہ اور بصیرت رکھنے والے مشکل سے ہوں گے میری نظر میں تو اس وقت نہیں میں نے ان کی شخصیت کو عراق میں اور ایران کے بندر یوشہر پر جانا۔“

دیگر خصوصیات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقالہ کے آخری حصہ میں اب کچھ اور چیزوں کا تذکرہ بھی کر دیا جائے جو آپ کی ذات والاصفات کے ساتھ مخصوص نظر آتی ہیں۔

ذہن و حافظہ

ان اہم اور خصوصی چیزوں میں جو آپ کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص تھیں آپ کی قوت ذہن اور حافظہ بھی تھیں جس نے آپ کو سینکڑوں ہزاروں میں نہیں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں میں ممتاز کر دیا

بالخصوص قوت حافظہ جس کی نظیر صدیوں تک نہیں ملتی، اس سلسلہ میں بے شمار قصے خاص و عام کی زبانوں پر ہیں، قرآن مجید اور منج البلاغہ دونوں آپ کے حافظہ میں تھے۔

اسی طرح بڑی بڑی مبسوط مفصل کتابیں جیسے تاریخ طبری اور طبری کی تفسیر، شیعوں کی کتب اربعہ و بحار الانوار اور وسائل الشیعہ سنیوں کی صحاح ستہ سنن اور مسانید وغیرہ ان کے بارے میں آپ کو یہ بتا دینا کچھ دشوار نہ ہوتا تھا کہ یہ مضمون فلاں کتاب کی فلاں جلد باب اور فصل میں ہے یا یہ کہ وہاں نہیں ہے یا یہ کہ یہ مضمون فلاں سنہ کی طباعت میں تھا اور فلاں سنہ سے نکالا گیا (یہ اسلئے کہ مصری مطبوعات میں کچھ عرصہ سے ترمیم و تنسیخ اور قطع و برید کا التزام کر لیا گیا ہے) یہ کہ یہ مضمون کن کن کتابوں میں کہاں کہاں ہے اور کن کن فقہاء اور متکلمین نے کس کس جگہ (پر مقام استدلال میں پیش کیا ہے، اسی طرح اردو فارسی اور عربی کا جو شعر ایک مرتبہ آپ کے سمع و نظر سے گزر جاتا پھر وہ زندہ رہتا تھا مختصر یہ کہ آپ کی ذات گرامی ایک زندہ دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) تھی یہی سبب تھا کہ بڑے بڑے علماء کا آپ مرجع قرار پائے اور عراق ایران اور مصر تک کے علماء آپ سے اپنی مشکلات حل کرتے تھے۔

مطالعہ کتب

کتب بنی کا شوق تو آپ کو زمانہ اخذ و تحصیل ہی تھا کتب درسیہ کے پڑھنے پڑھانے سے جس حد و وقت بچتا تھا وہ سب اسی میں صرف کیا جاتا تھا، لیکن تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اس کام کو فریضہ قرار دے لیا گیا جائزہ گرمی برسات سال کے بارہ مہینے روزانہ ۱۰ بجے دن سے لے ۴ بجے شام تک آپ کتب خانہ میں رہ کے کتب بنی یا تصنیف کے کام میں مصروف رہا کرتے تھے صرف جمعہ کے روز اور ولادت و شہادت معصومین کی تاریخوں میں آپ کتابخانہ نہیں تشریف لے جاتے تھے۔

وفات سے سات، آٹھ روز قبل تک باوجودیکہ مزاج نامساو گار تھا آپ برابر کتبخانہ جاتے رہے جب مرض موت نے بالکل صاحب فراش بنادیا تب کتبخانہ جانا موقوف ہوا شوق کتب بینہ کا یہ عالم تھا کہ شب کو بغیر مطالعہ کے نیند نہیں آتی تھی جب کبھی بیمار ہوتے تھے اور مطالعہ سے مجبور ہوتے تھے تو کتاب پڑھوا

کر سنا کرتے تھے، آپ کا تذکرہ لکھنے والے بعض افراد کے بقول آپ کے کتب خانہ میں مختلف علوم و فنون کی ہزار ہا کتابیں ہیں اور ان میں سے مشکل سے ایسی چند کتابیں نکلیں گی جن پر آپ کے حواشی ثبت نہ ہوں اور نہ جس کتاب کو دیکھا جائے خواہ وہ کسی علم و فن کی ہوا سپر جا بجا آپ کے دست مبارک کے لکھے ہوئے گرانقدر حواشی نظر آتے ہیں۔

کتب خانہ ناصریہ

یہ کتب خانہ آپ کے اب و اجداد کی یادگار ہے اور علوم اسلامیہ کے ذخائر میں ایک نادر ذخیرہ ہے جس پر ہندوستان جتنا بھی فخر کرے کم ہی اسلئے کہ یہاں بعض بعض وہ کتابیں ہیں جو دنیا میں اب کہیں نہیں پائی جاتیں یہ ذخیرہ ابتداً حضرت علامہ محمد قلی علیہ الرحمہ نے جمع کیا، اسکے بعد حضرت فردوس مآب نے اس میں قابل قدر اضافہ کیا، انھوں نے بڑی کد و کاوش اور تفصیل و تلاش سے نادر نادر کتابیں فراہم کیں اس سلسلہ میں انہیں نہ صرف مال کثیر صرف کرنا پڑا بلکہ خود ممالک اسلامیہ کے کتب خانوں کی چھان بین اور اپنے دست مبارک سے نقل و کتابت کی زحماتیں بھی برداشت کرنا پڑیں، ان کے وقت و فوات تک اس کتب خانہ میں دس ہزار کتابیں تھیں آپ کی باری آئی تو آپ نے اس کتب خانے کو خدا جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیا اسلئے کہ اب اس کتب خانہ میں آپ کی بدولت تقریباً اکتالیس ہزار کتابیں بحمد اللہ موجود ہیں یوں تو اس کتب خانہ کی خصوصیت اور وجہ امتیاز ہی مولوی انیس احمد صاحب عباسی ایڈیٹر اخبار حقیقت اپنے اخبار ۲۱ رجب ۱۳۶۱ھ میں آپ اور آپ کے کتب خانہ کے متعلق لکھتے ہیں:

”ان کے علمی کمالات کا اعتراف ہر وہ شخص کرے گا خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو جو اس سے واقف ہے کہ ان کے اوقات زندگی کس طرح آخر دم تک تحصیل علم اور علمی خدمات میں صرف ہو رہے تھے ان کا شوق مطالعہ کسی خاص علم و فن کی اور ہر مذاق کی سیکڑوں کتابیں مولانا مرحوم کے حاشیوں کے ساتھ موجود ہیں چنانچہ آج سے تیس چونتیس سال قبل جب مصر کے مشہور عالم اور رسالہ المنار کے

ایڈیٹر علامہ رشید رضا، ندوۃ العلماء کے سالانہ جلسہ کی صدارت کرنے کے لئے تشریف لائے تو آپ کتب خانہ انصاریہ کو دیکھنے کے لیے بھی گئے اور یہاں کے علمی ذخائر دیکھ کر آپ اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ نے علامہ شبلی نعمانی مرحوم سے فرمایا کہ اگر میں ہندوستان سے بغیر اس کتب خانہ کو دیکھے واپس چلا جاتا تو میرا یہاں آنا ہی بیکار ہو جاتا، مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگریس نے ایک دفعہ کہا تھا کہ لکھنؤ کے علمی مراکز ہونے کا سب سے بڑا ثبوت مولانا ناصر حسین صاحب کا نایاب کتب خانہ ہے اس کتب خانہ کو دیکھنے کے بعد ہی مولانا مرحوم کے ذوق کتب بینی اور ان کے شجر علمی کی وسعت بے پایاں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔“

تصنیف و تالیف

(۱) المفرد فی مسئلہ وجوب السورۃ؛ نماز میں سورہ الحمد کے بعد سورہ پڑھنا واجب ہے یا نہیں اس مسئلہ پر یہ کتاب لکھی گئی جس میں آپ کے فقہی تحقیقات کے جوہر کھلے ہیں یہ آپ کی سب سے پہلی تصنیف ہی جس پر حضرت مفتی میر محمد عباس صاحب قبلہ اور جناب علامہ میر حامد حسین نے آپ کو اجازہ اجتہاد عطا فرمایا ہے۔

(۲) اسباغ النائل فی تحقیق المسائل؛

(۳) انشاء؛

(۴) المنشآت العربیہ؛

(۵) دیوان الشعر؛

(۶) الخطب؛

(۷) المواعظ؛

(۸) مسند فاطمہ بنت الحسین؛ جگر پارہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کرمہ حضرت فاطمہ بنت الحسین سلام اللہ علیہا سے جو جو حدیثیں ماثور ہیں ان سب کو اس کتاب میں ایک جگہ مع تشریحی حواشی کے

ساتھ جمع کر دیا گیا ہے کتاب فن حدیث میں ایک نادر تالیف ہی جس سے آپ کی وسعت نظر اور تجربے پایاں کا پتہ چلتا ہے۔

(۹) نفحات الازہار فی مناقب الائمة الاطہار؛ مناقب اہلبیت علیہم السلام میں بڑی مبسوط کتاب ہے جسکی ۱۶ ضخیم جلدیں ہیں۔

(۱۰) فہرست انساب سمعانی؛ یہ فہرست اس زمانہ کی یادگار ہے جب آپ نے تصنیف و تالیف کے کاموں میں حضرت فردوس مآب کا ہاتھ بٹانا شروع کیا تھا۔

(۱۱) سبایک الذہبان؛ یہ فن رجال کی بڑی مبسوط تالیف ہے جس کی ۳۸ جلدیں ہیں اور یہ بھی آپ کی تحقیقی عرقریزیوں کا آئینہ ہے یہ بھی اس زمانہ کی تالیف ہے جب شروع شروع میں آپ والد کی تصنیف و تالیف میں امداد فرماتے تھے، اس کتاب میں تمام کتب رجال سے ہزار ہا روایوں کے حالات جمع کئے گئے ہیں گویا یہ کتاب فن رجال کا ایک وسیع خزانہ ہے۔ اس کا عکس مشہد مقدس میں کتابخانہ امام رضا میں موجود ہے۔

(۱۲) اثبات رد الشمس لعلی علیہ السلام؛

(۱۳) النجاح؛ مسئلہ عقد ام کلثوم پر یہ ایک مختصر مگر بڑا کارآمد اور بیش بہا رسالہ ہے یہ بھی آپ کے عنقوان شباب کی یادگار ہے۔

(۱۴) افحام الاعداء والخصوم فی تکذیب عقد ام کلثوم؛ مسئلہ عقد ام کلثوم پر یہ کتاب آخری عمر کی کتاب ہے ہی اور بڑی تحقیق سے لکھی گئی ہے۔

(۱۵) عبقات الانوار؛ تحفہ اثنا عشریہ کے باب امامت کے جواب میں، اس کتاب کو میر حامد حسین نے شروع کیا تھا اور حدیث ولایت، حدیث نور، حدیث طیر، حدیث غدیر، چار حدیثوں پر سات جلدیں تحریر ہوئیں مگر اسکے بعد جناب فردوس مآب کی حیات نے وفات کی کتاب ان کے وقت وفات ۱۳۰۶ھ تک نا تمام رہی۔ لیکن خدا کے فضل کا کیا کہنا ایسے باپ کو ایسا بیٹا دیا جو علم و تحقیق و فضل و کمال میں اس سے بھی آگے بڑھ گیا سرکار مرحوم نے عبقات کے متعلق وہی نصب العین اور وہی لائحہ عمل برقرار رکھا جس پر جناب فردوس مآب نے سات جلدیں لکھی تھیں۔

آپ نے حدیث منزلت، حدیث تشبیہ، حدیث مدینۃ العلم، اور حدیث ثقلین، چار حدیثوں پر آٹھ ضخیم جلدیں تحریر فرمائیں اور اسی آن بان اور علمی و تحقیق شان کے ساتھ جو حضرت فردوس مآب کی تھی یہاں تک کہ انداز تحریر بھی وہی بیدار کر دیا، اس بارے میں ابتداء اکثر بڑے بڑے اہل علم کو شبہہ تھا، لیکن جب ان کے سامنے آپ اور فردوس مآب دونوں کی عبارتیں رکھ دی گئیں تو وہ امتیاز نہ کر سکے کہ آپ کی عبارت کون سی ہے اور فردوس مآب کی تحریر کون سی ہے بہر حال آپ کی زندگی بھی ختم ہو گئی اور کتاب ابھی تک ناتمام ہے۔

ممالک اسلامیہ کے بڑے بڑے اہل نظر اور ماہرین فن نے اس کتاب کو دیکھ کر یہ کہہ دیا ہے کہ ایسی تحقیقی کتاب آج تک علمی دنیا کی نگاہوں سے نہیں گزری تھی مصر۔ شام۔ حجاز۔ عراق۔ ایران۔ اور افغانستان چاروں طرف اس شہرہ آفاق کتاب کا ڈنگا بج رہا ہے۔

اللہ ری عالی ظرفی و بلند نفسی سرکار ناصر الملک علی اللہ مقامہ کی اگرچہ آپ نے حضرت فردوس مآب سے زیادہ ہی محابرات اس کتاب کے تحریر فرمائے مگر تمام مجلدات کو انہیں کے اسم گرامی سے معنون رکھا اور بھولے سے بھی کہیں پر اس کے سلسلہ میں اپنا نام نہیں آنے دیا چنانچہ بیرون دنیا آج تک یہی سمجھتی ہے کہ تمام مجلدات حضرت فردوس مآب ہی کی تصنیف ہیں۔

وفات

بہر حال علم و عمل کا یہ آفتاب جمعرات یکم رجب ۱۳۶۱ھ۔ ق، کو غروب ہو گیا پچیس تیس ہزار افراد نے جنازہ میں شرکت کی اور بعد تجہیز و تکفین محمد سعید سعید الملک نے نماز پڑھائی اور حسب وصیت مرحوم کی نعش مطہر کر بلائے امین الدولہ بہادر میں سوئپ دی گئی۔ اور بعد میں شہید ثالث کے جوار میں آپ کو منتقل کر دیا گیا۔

وصایا

آپ نے اپنا وصیت نامہ وفات سے برسوں قبل تیار کر لیا تھا یہ وصیت نامہ بہت سے وصایا پر مشتمل ہے یہاں چند وصیتیں بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ میرے ورثا اعقاب اور احباب خوف اور اتباع احکام الہی اختیار کریں اور میرے فراق میں جزع و فزع نہ کریں بلکہ میرے کام لیں۔

۲۔ میرے مرنے کے بعد مجھے کسی نئے لقب یا خطاب سے یاد نہ کریں بلکہ وہی الفاظ جو میری زندگی میں میرے لیے استعمال ہوتے تھے میرے بعد بھی استعمال ہوں۔

۳۔ اگر میری موت لکھنوء میں واقع ہو تو میری میت کو دریا پر غسل نہ دیں بلکہ کربلائے امین اللہ ولہ بہادر میں غسل دیں اور وہیں سوئپ دیں اور چند روز کی سپردگی کے بعد آگرہ لے جا کر مزار شہید ثالث علیہ الرحمہ میں اس طرح دفن کریں کہ قبر زمین سے بلند نہ ہو کہ دائرین حزار اقدس کے تکلیف کا باعث بنے۔

۴۔ فاتحہ خوانی اور اسکے مراسم میں اقتصاد کا لحاظ رکھیں اور وہی عنوان پیش نظر رہے جو جناب فردوس مآب کی فاتحہ خوانی میں رہا لکھنوء یا کنور کے مراسم ہرگز نہ بجالائیں اگر میرے لیے ابدی ثواب کی غرض سے مجلسیں کریں تو اس میں بھی اخلاص سادگی اور اقتصاد کو پیش نظر رکھیں۔

۵۔ میرے حالات کے تذکرہ میں مبالغہ سے کام نہ لیں اور جب کبھی میرا تذکرہ کریں تو آخر میں ایک مرتبہ سورہ فاتحہ اور تین مرتبہ سورہ توحید پڑھ کے اس کا ثواب مجھے بخشیں۔

اسی طرح اور بہت سے وصایا آپ نے کئے ہیں جن سے آپ کے نفس کی پاکیزگی اور آپ کی عظمت و جلالت مرتبہ واضح ہوتی ہو۔

آخر میں قارئین کرام سے یہ استدعا ہے کہ سرکار مرحوم کے حسب وصیت ایک مرتبہ سورہ حمد اور تین مرتبہ سورہ توحید کی تلاوت فرما کے اس کا ثواب حضور مغفور کی روح کو ایصال فرمائیں۔^(۱)

نوٹ: بھٹی صاحب کی کتاب کے علاوہ باقی سب مذکورہ کتابوں میں تینوں شخصیات کا جدا جدا تذکرہ موجود ہے۔

۱۔ مزید تفصیل کے لیے رجوع کریں: تذکرہ ناصر الدین مرزا احمد حسن الکاظمینی؛ مطلع انوار، سید مرتضیٰ حسین صد الافاضل مرحوم؛ تذکرہ بی بھاء، سید محمد حسین ناگنوی مرحوم؛ تذکرہ الخواطر، عبدالحی ندوی؛ نجوم السماء، سید محمد علی کشمیری، محکمہ نجوم السماء، سید محمد مہدی کشمیری؛ طبقات اعلام الشیعہ، قرن ۱۳، ۱۴، آقائے بزرگ حیرانی؛ فوائد الرضویہ، شیخ عباس قمی؛ طبقات الفقہاء، زیر نظر آیۃ اللہ جعفر سبحانی دامت برکاتہ؛ طبقات المتکلمین، جمعی از مؤلفین زیر نظر آیۃ اللہ جعفر سبحانی دامت برکاتہ؛ فقہائے پاک و ہند قرن ۱۳، ج ۳، ص ۲۷۰، محمد اسحاق بھٹی۔

کتاب کے بارے میں

یہ عظیم رسالہ جو چودہ سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے جس کا فوٹو ہم نے اس مجلہ میں آپ کی خدمت پیش کیا ہے، روزِ رشن کی طرح واضح ہے کی اس رسالہ میں موجود سوالوں کے تمام جوابات بر صغیر کے عظیم المرتبت مجتہد حضرت آیت اللہ العظمیٰ جناب سید ناصر حسین ناصر الملت (۱۲۸۴-۱۳۶۱ھ-ق) کے قلم سے تحریر ہوئے ہیں۔

یہ سوالات مجالس سید الشہداء علیہ السلام میں پڑھی جانے والی بعض روایات و رسومات سے متعلق ہیں، جنکو علماء اعلام عموماً پڑھنے سے منع کرتے ہیں کہ یہ روایات درست نہیں ہیں، ان موضوعات پر اگرچہ جناب ناصر الملت سے پہلے بھی بعض بزرگ علماء نے قلم اٹھایا ہے لیکن بر صغیر میں جناب ناصر الملت کی مرجعیت کی وجہ سے یہ موضوع مزید مورد توجہ واقع ہوا، اور جب سے یہ رسالہ تحریر ہوا ہے، موقعہ و محل کی مناسبت سے علماء کرام و صاحبان قلم اس رسالہ سے استدلال کرتے رہے، اور اس طرح حق و حقیقت کے متلاشیوں کی یہ کتاب روزِ تالیف سے آج تک رہنما بنی ہوئی ہے۔

ایک شبہ

جناب قبلہ سید حسین عارف نقوی دامت برکاتہ کہ جن کا ملت تشیع پر بہت احسان ہے، نے اس کتاب کے بارے میں یہ تحریر فرمادیا کہ یہ کتاب، (ہدایات ناصر یہ) ناصر حسین جو نیپوری صاحب کی ہے۔ بس اسی ایک جملہ کو دلیل سمجھ کر بعض افراد نے اس رسالہ کو جناب ناصر الملت کے ہونے سے انکار کر دیا، اور ملت کے بزرگ علماء اعلام کو جو اس رسالہ سے بعض اوقات استدلال کرتے ہوئے اپنے مطلب کی تائید پیش کرتے تھے۔ انکے رد میں یہ لکھنا شروع کر دیا کہ پہلے آپ اس کتاب کو ناصر الملت کا ہونا ثابت کر کے قوم پر احسان کریں اور پھر اس کتاب سے استدلال کریں، کیونکہ یہ کتاب ناصر الملت کی نہیں بلکہ ناصر حسین

جو پوری مرحوم کی ہے۔ لہذا محقق سید شاکر حسین امر و ہوی صاحب مجاہد اعظم و شجفی صاحب مدظلہ صاحب سعادت دارین کے بارے میں اس انداز سے تحریر کیا ہے۔ سعادت الدارین کے مصنف... نے امام حسین کی دو بیٹیاں ثابت کرنے کے لیے جہاں ہر حیلہ اختیار کیا ہے... سب سے زیادہ زور ناصر الملت کے حوالہ ہدایات ناصر یہ پر دیا ہے... جس بنیاد پر ہر دو حضرات نے یہ عمارت تعمیر کی تھی وہ بنیاد ہی غلط ہے، ہدایات ناصر یہ ناصر الملت کا رسالہ ہی نہیں ہے مجاہد اعظم کے مؤلف تو وفات پا چکے ہیں انکے چر بہ نویس زندہ ہیں، وہ ثابت کریں تو قوم پر احسان ہو گا کہ ناصر الملت کا رسالہ، ہدایات ناصر یہ، یہ واقعی انہی کا لکھا ہوا ہے۔^(۱)

حقیر نے جب یہ جملہ پڑھا تو تعجب کیا کیوں کہ اصل کتاب کا عکس میرے پاس موجود تھا اور کتاب کی داخلی و خارجی شہادتیں پکار پکار کر کہہ رہی تھیں کہ یہ جوابات جناب ناصر الملت مرحوم کے ہیں۔ بہر حال ہم ان شاء اللہ اس تحریر کے ذریعے اس کتاب کو ناصر الملت کا ہونا ثابت کریں گے۔ تاکہ یہ شبہ مزید آگے نہ بڑھ سکے۔ لہذا اجمالاً چند دلائل تحریر کیے جا رہے ہیں کہ یہ کتاب ناصر الملت مرحوم کی ہی ہے۔

رد شیبہ

پہلی دلیل: (لکھنؤ کا سفر)

مرتب رسالہ جناب علی اکبر دہلوی نے تصریح کی ہے کہ ان سوالوں کے جوابات کی خاطر میں نے لکھنؤ کا سفر کیا، اس حوالہ سے دہلوی صاحب مرحوم لکھتے ہیں:

حقیر فقیر طالب حق غلام آل مدہ و یمن علی اکبر دہلوی نے اسی غرض خاص کے لئے لکھنؤ کا سفر کیا، اور علمائے اعلام لکھنؤ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا جناب مولانا ناصر دین مبین آیت اللہ فی العالمین سید الشکین استاد المجتہدین جناب مولوی سید

۱۔ ماہنامہ پیام زینب سلام اللہ علیہا، ۱۳۲۸ھ۔ ق۔ ۷۰۰، اشاعت خصوصی برای شام بمناسبت چہلم سید الشہداء علیہ السلام

ناصر حسین صاحب قبلہ عم فیض نے جو کچھ تحریر فرمایا واسطے فائدہ عام کے اشاعت کرنا ضروری سمجھ کر بذریعہ طبع اشتہار عام دیدہ امید ہے کہ مجالس مصائب میں اب مومنین ضرور ان ہدایات مجتہد صاحب کی پابندی فرمادیں گے، اور غلط اور خلاف مضامین کے بیان کرنے سے اور دیگر امور منہج کے ارتکاب سے محترز رہیں گے۔^(۱)

تقریب استدلال

اولاً: اس زمانہ میں ان القاب سے لکھنؤ میں فقط جناب ناصر الملت ہی مراد ہیں نہ کوئی اور، کیونکہ اس نام کی ایسی کوئی دوسری اتنی قد آور شخصیت اس زمانہ میں لکھنؤ میں ناصر الملت کے علاوہ موجود ہی نہ تھی۔

ثانیاً: یہ تصریح موجود ہے کہ لکھنؤ کا سفر کیا گیا ہے۔ جبکہ ناصر حسین جو پوری اولاً تو اس تاریخ کو زندہ نہ تھے، جسے ہم بعد میں ثابت کریں گے، دوم یہ کہ وہ خود جو پوری میں مدرسہ کے مدیر تھے اور وہیں فوت ہوئے اور اپنے آبائی قبرستان میں مدفون ہیں۔

دوسری دلیل: (سوالات کی تاریخ)

سائل جناب میر اکبر علی خلیف میر احمد علی دہلوی، نے ۱۴ سوال کے آخر میں تصریح فرمائی ہے کہ یہ سوال ۷ صفر المظفر ۱۳۴۲ھ ق۔ کو پوچھے گئے ہیں، اس بات سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ اس سے مراد جناب ناصر حسین ناصر الملت ہی ہیں۔ کیونکہ تمام ارباب تراجم نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ جناب ناصر حسین جو پوری (۱۲۵۴ میں پیدا ہوئے اور ۱۴ رجب المرجب ۱۳۱۳ھ ق) میں یعنی ان سوالات سے ۹ سال قبل جو پور میں فوت ہو چکے تھے۔^(۲)

۱۔ ہدایات ناصر یہ ص ۲۔

۲۔ مزید تفصیلات کے لیے رجوع فرمائیں: تجلیات معروف بہ تاریخ عباس ج ۲ ص ۲۸۱ ذیل ذکر خلافت مفتی عباسؒ تذکرہ بی بیہام ص ۳۲۱؛ مطلع الانوار ص ۶۵؛ ایمان الشیعہ ج ۱ ص ۲۰۱؛ کشف الاسرار فی شرح الاستبصار ج ۱ ص ۴۰۵؛ طبقات اعلام الشیعہ نقباء البشر

جناب حسین عارف نقوی دامت برکاتہ کی کتاب بر صغیر کے امامیہ مصنفین ج ۲ ص ۲۵۴ سی کتاب ہدایات انصاریہ کی معرفی کرتے وقت نقوی صاحب نے تاریخ وفات یہی ۱۳۱۳ھ تحریر فرمائی ہے۔

تیسری دلیل: (سوالات کی تاریخ کی تائید)

اس بات کی دلیل کہ یہ سوالات جناب ناصر حسین جوہوری کے وفات کے بعد ہوئے ہیں یہ ہے کہ جناب ناصر الملت نے ۱۴ چودھویں سوال کے آخر میں قاری کو رسالہ لولو والمرجان کی طرف ارجاع دیا ہے اور محدث نوری کے نام کے ساتھ رح لکھا ہے اصل عبارت یہ ہے:

اس کے متعلق جو افادات جناب ثقہ الاسلام آیت اللہ فی الامام جناب مرزا حسین النوری الطبری رح نے رسالہ لولو والمرجان میں مرقوم فرمائی ہیں وہ قابل مراجعت و عمل ہیں۔

تقریب استدلال

محدث نوری کے ساتھ لفظ رح آیا ہے اور یہ بات اپنی جگہ پر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ محدث نوری کا انتقال / ۱۳۲۰ھ ق میں ہوا ہے۔ یعنی ان کے انتقال کے دو سال بعد یہ سوالات و جوابات ہو رہے ہیں اور جون پوری مرحوم محدث نوری سے پہلے انتقال فرما چکے تھے۔

چوتھی دلیل: (کتاب لولو والمرجان کا حوالہ)

۱۴ چودھویں سوال کے جواب میں کتاب، لولو والمرجان کا حوالہ دیا گیا ہے، اور خود یہ کتاب محدث نوریؒ نے روز جمعہ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ ق کو تالیف کی ہے، یعنی جناب جوہوری کی وفات کے ۶ چھ سال بعد یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

پانچویں دلیل: (ناصر الملت مرحوم کی مہر شریف)

سب سے روشن اور واضح دلیل کتاب کے آخر میں جناب ناصر الملت مرحوم کی مہر ثبت ہے جس میں یہ عبارت تحریر ہے:

«لا اله الا الملك بالحق المبين، عبده ناصر حسين بن علامه حامد

حسين الموسوي النيشاپوري»

جبکہ ناصر حسین جوینپوری مرحوم کے والد کا نام سید مظفر حسین ہے۔

چھٹی دلیل: (کتاب کا ناصر الملت کی زندگی میں چھپ جانا)

رسالہ ہدایات ناصر یہ جناب ناصر حسین ناصر الملت کی حیات یعنی ۱۳۲۲ھ میں چھپ چکا تھا، اور ناصر الملت کی زندگی ہی میں علماء جناب کا نام لے کر اس کتاب سے استدلال کرتے تھے، جیسے کتاب، مجاہد اعظم ص ۳۴۵، ۳۴۱، ۳۳۹، ۳۳۷، ۳۳۵، ۳۳۳، ۳۳۱، ۳۲۹، ۳۲۷، ۳۲۵، ۳۲۳، ۳۲۱، ۳۱۹، ۳۱۷، ۳۱۵، ۳۱۳، ۳۱۱، ۳۰۹، ۳۰۷، ۳۰۵، ۳۰۳، ۳۰۱، ۲۹۹، ۲۹۷، ۲۹۵، ۲۹۳، ۲۹۱، ۲۸۹، ۲۸۷، ۲۸۵، ۲۸۳، ۲۸۱، ۲۷۹، ۲۷۷، ۲۷۵، ۲۷۳، ۲۷۱، ۲۶۹، ۲۶۷، ۲۶۵، ۲۶۳، ۲۶۱، ۲۵۹، ۲۵۷، ۲۵۵، ۲۵۳، ۲۵۱، ۲۴۹، ۲۴۷، ۲۴۵، ۲۴۳، ۲۴۱، ۲۳۹، ۲۳۷، ۲۳۵، ۲۳۳، ۲۳۱، ۲۲۹، ۲۲۷، ۲۲۵، ۲۲۳، ۲۲۱، ۲۱۹، ۲۱۷، ۲۱۵، ۲۱۳، ۲۱۱، ۲۰۹، ۲۰۷، ۲۰۵، ۲۰۳، ۲۰۱، ۱۹۹، ۱۹۷، ۱۹۵، ۱۹۳، ۱۹۱، ۱۸۹، ۱۸۷، ۱۸۵، ۱۸۳، ۱۸۱، ۱۷۹، ۱۷۷، ۱۷۵، ۱۷۳، ۱۷۱، ۱۶۹، ۱۶۷، ۱۶۵، ۱۶۳، ۱۶۱، ۱۵۹، ۱۵۷، ۱۵۵، ۱۵۳، ۱۵۱، ۱۴۹، ۱۴۷، ۱۴۵، ۱۴۳، ۱۴۱، ۱۳۹، ۱۳۷، ۱۳۵، ۱۳۳، ۱۳۱، ۱۲۹، ۱۲۷، ۱۲۵، ۱۲۳، ۱۲۱، ۱۱۹، ۱۱۷، ۱۱۵، ۱۱۳، ۱۱۱، ۱۰۹، ۱۰۷، ۱۰۵، ۱۰۳، ۱۰۱، ۹۹، ۹۷، ۹۵، ۹۳، ۹۱، ۸۹، ۸۷، ۸۵، ۸۳، ۸۱، ۷۹، ۷۷، ۷۵، ۷۳، ۷۱، ۶۹، ۶۷، ۶۵، ۶۳، ۶۱، ۵۹، ۵۷، ۵۵، ۵۳، ۵۱، ۴۹، ۴۷، ۴۵، ۴۳، ۴۱، ۳۹، ۳۷، ۳۵، ۳۳، ۳۱، ۲۹، ۲۷، ۲۵، ۲۳، ۲۱، ۱۹، ۱۷، ۱۵، ۱۳، ۱۱، ۹، ۷، ۵، ۳، ۱، ۰۔

اس کتاب میں بار بار ناصر الملت کو مولانا سید ناصر حسین مجتہد العصر لکھنو لکھا گیا ہے، لیکن اس مدت میں کسی موقع پر یہ نہیں دیکھا گیا کہ جناب نے اس نسبت کو اپنی طرف سے رد کیا ہو، اور اسی طرح کتاب نزہۃ المشتاق کہ جس میں روشادای قاسم کے فتاویٰ موجود ہیں اس میں بھی آیت اللہ العظمیٰ سید اسماعیل صدر نے اس مسئلہ میں اہل ہندوستان کو جناب ناصر الملت کی بات ماننے کا حکم دیا ہے۔

ہمارے خیال میں حق و حقیقت کے روشن ہونے کے لیے اتنا بہت کچھ ہے، مزید بحث ہم اس وقت کریں گے جب ہدایات ناصر یہ کو جدا گانہ کامل تحقیقات کے ساتھ چھاپ کر آئیں گے ان شاء اللہ۔

لہذا جب اس کتاب کی تالیف ہی جوینپوری صاحب کی وفات کے ۹ سال بعد ہوئی ہے، اور ناصر الملت مرحوم نے اپنے والد کے نام کی بھی تصریح فرمادی ہے، اب بھی اگر اس کتاب کو جوینپوری صاحب کی تالیف کہے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ مستند حوالہ جات کے ساتھ۔

اولاً: ۱۳۲۲ھ تک جوینپوری کا زندہ ہونا، ثانیاً: مہر کے جعلی ہونا، وثالثاً: ناصر حسین جوینپوری کے والد کا نام حامد حسین موسوی النیشاپوری ہونا ثابت کرے۔

نوٹ:

۲۰۱۰ء میں حقیر نے کتابوں کی خریداری کے لیے اسلام آباد اور پشاور کا سفر کیا اور اسی سفر کے دوران محسن تشیع جناب علامہ آفتاب حسین جوادی دامت برکاتہ اور محقق عالی قدر سرمایہ ملت تشیع سیادت مآب جناب سید حسین عارف نقوی دامت برکاتہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ دوران گفتگو اسی ہدایات انصاریہ کا ذکر چھڑا۔ حقیر کے موبائل میں اصل کتاب کا عکس موجود تھا جب ان بزرگواروں کو دکھایا اور مذکورہ بالا باتیں ذکر کیں تو خود جناب حسین عارف نقوی صاحب مدظلہ نے بندہ حقیر کو حکم دیا تھا کہ ان دلائل کو تحریر کر کے چھپوائیں، تاکہ حقیقت روشن ہو سکے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصائب جناب سید الشہداء علیہ السلام میں گریہ وزاری کو باعث اجر و ثواب اور عظیم اجر و جزا میں کی بابت یقیناً علم جو یا ظن غالب ہو کہ خلاف حق میں انکو مصائب امام حسین علیہ السلام بھنا خلاف عقل ہو یکا ایسے مضامین کا پڑھنا سنا اور سنا نا محنت برباد گذرنا لازم کا مصداق ہے اور بہت عرصہ مضامین میں رقم کر لاکے متعلق ایسے مشہور ترین جن میں عرصہ سواشتباہ اور غلطیاں واقع تھیں کہ علماء محققین کی تحریر و تقریر جو انکا غلط یا تصحیف ہو نا پایا جاتا ہے اور حشرات ذاکرہ بغرض حق مجالس بیت شدہ و مد سے بقول شخصہ ناکسہ مہرج طار اگر انکو بیان کرتے ہیں اور عام مومنین انکو واقعی اور صحیح جانکر اسکے سنگ کو خارج مذہب قرار دیتے ہیں تو عجیب نہیں اور انکو امور مذکورہ کی بابت استعدا و صراحت ہے کہ شاید مسائل اصول دین پر بھی ایسا اصرار نہ ہو اور ان پر گریہ وزاری کو باعث اجر و ثواب کا سمجھنے میں لہذا حقیر فقیر طالب حق غلام اکمل ظہر الدین سید اکبر علیہ السلام نے اسی اثر خاص کے لئے لکھنو کا سفر کیا اور علیہ السلام کے اعدا و لکھنو کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا جنابے لانا اناصریہ میں آیت اللہ فی العالمین سند المتکلمین سنا و اجتہدین جنابے لوی سیدنا حسنین رضی اللہ عنہما قبلہم رحمہم نے جو کچھ تحریر فرمایا اور اسکو فائدہ عام کے اشاعت کے لئے ضروری سمجھ کر بذریعہ طبع اشتہار عام دیا اسید ہے کہ مجالس مصائب میں اب مومنین ضرور ان ہدایات مجتہد صاحب کی پابندی فرماویں گے اور غلط او خلاف مضامین کے بیان کرتے سے اور دیگر امور منہجہ کے ارتکاب سے محنت و زہدیت گئے۔

۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل سند جبریل میں
(۱) سوال جناب امام حسین علیہ السلام کی مجالس عزائیں گریہ بکا کے لئے
کس قدر عموماً باج بجانا حلال ہے یا حرام؟

اجواب و باللہ التوفیق ایقیناً حرام ہے اور بالخصوص ایسے محل ہرگز
ازکباب باج بجانے کا و زرعظیم کھستہ ہو واللہ العالم

(۲) سوال ضعیف روایتوں کا باوجود علم ضعف ہو جانے یا کسی عالم
کے نوکدینے کے بغرض گریہ و بکا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

اجواب و باللہ التوفیق ان روایات ضعیفہ کا پڑھنا جو مخطون الکتاب
ہوں ہرگز جائز نہیں ہے واللہ اعلم

(۳) سوال باطل اور غلط روایتوں کا پڑھنا اور آئمہ معصومین علیہم السلام
اور ائمہ کے عزیزان خاص مثل جناب زین العابدین و ام کلثوم و جناب فاطمہ و
سکینہ خاتون کے منسوب کر دینا کیا حکم رکھتا ہے؟

اجواب و باللہ التوفیق باطل اور غلط روایتوں کا پڑھنا خواہ وہ
منسوب بالمرءہ صوفیہ بن علیہم السلام ہوں یا منسوب ائمہ کے عزیزان خاص سے

ہوں یا کسی اور کی طرف منسوب ہوں کسی طرح جائز نہیں ہے اور نسبت امر باطل
کی حضرات معصومین علیہم السلام کی طرف بہ نسبت اُنکے غیر کے زیادہ تر نسبت ہو

و بال ہے اور چونکہ نسبت بعض اہل باطل کی حضرات معصومین علیہم السلام کی
طرف موجب توہین اُنکے لئے ہوتی ہے لہذا اس قسم کے افتراءات کا اُن حضرات
سے منسوب کرنا مخرج عن الایمان بلکہ مخرج عن الاسلام ہے اعوان اللہ من ذلک

وہو العاصم۔

۱۴) سوال عقد قاسم ابن الحسن علیہ السلام کا میدان کر بلا میں ہونا صحیح ہے یا ضعیف یا مستحکم محض؟
الجواب وباللہ التوفیق قصہ عقد حضرت قاسم بن الحسن علیہما السلام نے اصل محض ہے واللہ اعلم۔

۱۵) سوال خلیفہ صفحہ کا مدنیہ میں رہنا بوجہ مرض صحیح ہے یا ضعیف یا کذب صریح؟ جناب امین علیہ السلام کی صاحبزادیان کے تئیں؟
الجواب وباللہ التوفیق روایات مستفیضہ متکاثرہ معتبرہ سے ثابت ہے کہ جناب خلیفہ صفحہ ہمراہ جناب سید الشہداء علیہ السلام معرکہ کر بلا میں موجود تھیں اور انکا مدنیہ میں رہنا بوجہ مرض کے کسی ضعیف روایت میں بھی نہیں دیکھا ان کا والد انور امین ایک روایت مثل بر ذکر غراب ایسی پائی جاتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب فاطمہ صفحہ مدنیہ میں تھیں لیکن یہ روایت غراب نوحہ ہے جیسا کہ مجلسی علیہ الرحمہ نے خود اسکی تصریح جلال العیون میں فرمادی ہے چنانچہ بعد اس روایت کے ذکر کے تحریر فرماتے ہیں "واین حدیث خالی از غوابتہ نیست بہت مخالفت با اخبار دیگر" بالجماعہ چونکہ یہ روایت ماخوذ ہے منقول خطب خوانہ خمینی سے اور ضعیفہ السند ہے اور مخالف روایات کثیرہ معتبرہ ہے لہذا متنبہ نہیں ہو سکتی اور جناب سید الشہداء علیہ السلام کی صاحبزادیان بنا بر قول مشہور روایتیں ایک حضرت فاطمہ صفحہ کے دوسری حضرت کینہہ واللہ اعلم
۱۶) سوال جناب کینہہ خاتون نے زندان شام میں انتقال فرمایا جو

۵

ایسی اور کئی تھیں۔ یا یہ روایت انتقال مصنوعی ہے ؟

الجواب وباللہ التوفیق جناب سکینہ کا زمانہ شام میں انتقال کرنا بالکل غلط ہے اور طرق معتبرہ سے ثابت ہے کہ آپ بعد جناب سید الشہداء علیہ السلام ایک مدت تک زندہ رہیں البتہ کتاب منتخب فخر الدین بن طرحی میں ایک روایت ایسی موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام کی ایک صاحبزادی نے خیکا سن تین برس کا تھا زمانہ شام میں انتقال فرمایا اور چونکہ اصل روایت میں ان صاحبزادی کا کوئی نام مذکور نہیں ہے لہذا بالیقین نہیں کہا جاسکتا کہ اسکا کیا نام تھا لیکن ممکن ہے کہ نام اسکا زینب ہو (یعنی کہ جناب ایک قول کے جناب سید الشہداء علیہ السلام کے تین صاحبزادیاں تھیں ایک فاطمہ دوسری سکینہ تیسری زینب اور چوتھہ جناب فاطمہ و سکینہ کا بعد جناب سید الشہداء علیہ السلام کے ایک مدت تک جو رہنا ثابت ہے اور کچھ بعض حالات طرق موثوق بہا میں وارد ہیں اور حضرت زینب بنت الحسین علیہ السلام کا کوئی حال ثابت نہیں لہذا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ جب صاحبزادی نے زمانہ شام میں انتقال کیا وہ حضرت زینب بنت الحسین علیہ السلام تھیں اور کچھ عجیب نہیں کہ شام میں جو روضہ حضرت زینب کا مشہور ہے وہی زینب بنت الحسین ہوں نہ حضرت زینب بنت علی علیہ السلام کیونکہ حضرت زینب بنت علی علیہ السلام کا بعد اسہم میں شام سے مدینہ کی طرف رجعت کرنا ثابت ہے اور بار دیگر حسب طلب یزید ملعون شام کی طرف جانا اور وہاں انتقال کرنا جیسا کہ بعض روضہ خوانوں نے بعض زمانہ مختلفہ افترا کیا ہے غلط محض ہے اور بعض علماء معاصرین اہل عراق نے

جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ کتاب منتخب میں روایت وفات رقیہ بنت الحسین علیہ السلام مذکور ہے اور روضہ اشکاشام میں موجود ہے عند التحقيق اشتباہ و شہابہ ہو اور چونکہ مقام تحقیق بسط کا نہیں ہے لہذا ان کے کلام پر تفصیل کلام کرنے سے اجتناب کیا جاتا ہے والد اعلم۔

(۷) سوال ہندہ زوجہ زید کون تھی اسے امامیت رسالت کی تعلق تھا۔
اسکا زندان شام میں آیا صحیح ہے یا نہیں اسکے بطن سے کوئی اولاد نکلی یا نہیں؟
الجواب وباللہ التوفیق بحار الانوار میں منقول ہے کہ ہندہ زوجہ زید علیہ السلام
عبداللہ بن عامر بن ہارث بن زید کی دختر تھی اور قبل زید کے وہ زوجہ امام حسین علیہ السلام کی
تھی اور اسکا مجلس زید میں نکل آتا تو روایات معتبرہ میں وارد ہے لیکن زندان شام
میں اسکا کسی روایت معتبرہ میں مذکور نہیں ہے اور شاید تصریح مؤرخین مخالفین
مثل طبری وابن الاثیر زید طبعوں کا ایک ایک بطور ہند بنت عبداللہ بن عامر سے تھا جسکا نام
عبدلہ تھا اور لقب اسوار تھا اور وہ قن تیر اندازی میں بہت مہارت والا تھا واللہ اعلم
(۸) سوال شیرین کون تھی؟ سر جناب امام حسین علیہ السلام کا اس کے یہاں
جاننا صحیح ہے یا غلط؟

الجواب وباللہ التوفیق شیرین کیسے بنی ہوئی ہوگا حال مشرق کتب
معتبرہ میں نہیں ہے اور شیریں کا قصہ جس طرح عراقی ہندو میں نظم ہے وہ بالکل
غیر معتبر ہے اور صاحب صفۃ الشہداء نے جس طرح اسکو لکھا ہے وہ بھی معتبر
نہیں ہے واللہ اعلم۔

(۹) سوال شیرین کون تھا؟ اسکا گروا نے معلیٰ میں بی شہادت جناب شیرین

۷

آجیسا کہ نوکرین پڑھتے ہیں صحیح ہے یا غلط ؟

الجواب وباللہ التوفیق شہر یار کا حال مطلقاً کتب معتبرہ میں نہیں ہوا اس کا قصہ بطرح روضہ خوان پڑھتے ہیں وہ بالکل غلط اور سرسہر خلافت اقصیٰ مسئلہ موخین و فقیہین ہے واللہ اعلم۔

(۱۰) سوال شاہ حلب کی خدمت میں جناب علی اکبر کا خط لکھ کر آیا اصل لکھا ہے
الجواب وباللہ التوفیق قصہ مذکورہ غلط محض اور دروغ ہے فروغ
ہے اور ادنیٰ ایضاً کتب معتبرہ تواریخ و تفسیر پر نظر ہے کہ حلب عہد خلیفہ ثانی بن
مفتوح ہوا اور وہ عاشر مہینہ واقع ہے اور شام کا حکم عہد خلیفہ ثانی سے ملتا
بن ابی سفیان رہا ہے اور شمل دیگر بلاد شام حلب اسی کے تحت تھیں تھیں تھا اور اسی
طرف سے حسب تصور زمان بعض حکام و عمال رہا کرتے تھے اور یہی کیفیت حلب کی
آخر زندگی معاویہ تک ہی تھی جبکہ عہد زید علیہ اللعن ہوا پس وہ شاہ حلب کے
جس کی دختر کے ساتھ عقد حضرت علی اکبر علیہ السلام کا قرار پائے بالجملہ قصہ مذکور
محض ہے واللہ اعلم۔

(۱۱) سوال جناب زماں شہر کو کا انتقال کہا اور کہاں ہوا ؟

الجواب وباللہ التوفیق کتاب بیون انہار الرضا علیہ السلام میں واضح
ہوتا ہے کہ حضرت شہر بانو والدہ ماجدہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے
قریب لاوت جناب امام زین العابدین انتقال فرمایا اور کتاب جناب بن شہر بانو
سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب شہر بانو واقعہ کربلا میں غرق فرات ہوئیں اور ان دو بچوں
روایتوں میں کلام بزرگوار میں بسط و تفصیل کا مقتضی ہے اور وہ یہاں نہیں آئے

متن کتاب

مصاب جناب سید الشہد علیہ السلام میں گریہ وزاری باعث اجر و جمیل اور ثواب عظیم ہے، اور جن مضامین کی بابت یقیناً علم یا ظن غالب ہو کہ خلاف حق ہیں ان کو مصائب لام حسین علیہ السلام سمجھنا خلاف عقل ہے، بلکہ ایسے مضامین کا پڑھنا سنا اور سنانا محنت برباد گنہ لازم کا مصداق ہے، اور بہت سے مضامین واقعہ کربلا کے متعلق ایسے مشہور بین جن میں عرصہ سے اشتباہ اور خلجان واقع تھا کہ علماء محققین کی تحریر و تقریر سے انکا غلط یا ضعیف ہونا پایا جاتا ہے اور حضرات ذاکرین بغرض رونق مجالس بہت شد و مد سے بقول شخصی نمک مرچ ملا کر ان کو بیان کرتے ہیں اور عام مومنین ان کو واقعی اور صحیح جان کر اسکے منکر کو خارج مذہب قرار دیتے ہوں، تو عجب نہیں، اور ان کو امور مذکورہ کی بابت اس قدر اصرار ہے کہ شاید مسائل اصول دین پر بھی ایسا اصرار نہ ہو، اور ان پر گریہ وزاری کو باعث اجر و ثواب کا سمجھتے ہیں۔

لہذا حقیر فقیر طالب حق غلام آل طہ و یسین علی اکبر دہلوی نے اسی غرض خاص کے لئے لکھنو کا سفر کیا، اور علمائے اعلام لکھنو کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا جناب مولانا ناصر دین مبین آیۃ اللہ فی العالمین سند المتکلمین استاد المجتہدین جناب مولوی سید ناصر حسین صاحب قبلہ عم فضیہ نے جو کچھ تحریر فرمایا واسطے فائدہ عام کے اشاعت کرنا ضروری سمجھ کر بذریعہ طبع اشتہار عام دیا، امید ہے کہ مجالس مصائب میں اب مومنین ضرور ان ہدایات مجتہد صاحب کی پابندی فرمائیں گے، اور غلط اور خلاف مضامین کے بیان کرنے سے اور دیگر امور منفع کے ارتکاب سے محترز رہیں گے، کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل مندرجہ ذیل ہیں:

سوال نمبر ۱:- جناب لام حسین علیہ السلام کی مجالس عزائیں گریہ و بکا کے لئے کسی قسم کا باجہ بجانا حلال ہے یا حرام؟

جواب :- واللہ التوفیق: یقیناً حرام ہے اور بالخصوص ایسے محل متبرک میں ارتکاب باجہ بجائے کا وزر عظیم رکھتا ہے، واللہ العالم

سوال نمبر ۲ :- ضعیف روایتوں کا باوجود علم ضعف ہو جانے یا کسی عالم کے ٹوک دینے کے بغرض گریہ و بکا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :- واللہ التوفیق: ان روایات ضعیفہ کا پڑھنا جو مظنون الکذب ہوں ہرگز جائز نہیں ہے واللہ العالم۔

سوال نمبر ۳ :- باطل اور غلط روایتوں کا پڑھنا اور آئمہ معصومین علیہم السلام اور ان کے عزیزان خاص مثل جناب زینب خاتون، اور ام کلثوم، و جناب فاطمہ، و سکینہ خاتون، سے منسوب کر دینا کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب :- واللہ التوفیق۔ باطل اور غلط روایتوں کا پڑھنا خواہ وہ منسوب بہ معصومین علیہم السلام ہوں، یا منسوب ان کے عزیزان خاص سے ہوں، یا کسی اور کی طرف منسوب ہوں۔ کسی طرح جائز نہیں ہے۔ اور نسبت امر باطل کی حضرات معصومین علیہم السلام کی طرف بہ نسبت ان کے غیر زیادہ تر سبب وزر و ہال ہے، اور چونکہ نسبت بعض باطل کی حضرات معصومین علیہم السلام کی طرف موجب توہین ان کے لئے ہوتی ہے، لہذا اس قسم کے افتراءات کا ان حضرات سے منسوب کرنا مخرج عن الایمان بلکہ مخرج عن السلام ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

سوال نمبر ۴ :- عقد حضرت قاسم ابن الحسن کا میدان کر بلا میں ہونا صحیح ہے یا ضعیف ہے یا افتراء محض ہے؟

جواب :- واللہ التوفیق۔ قصہ عقد حضرت قاسم ابن الحسن علیہما السلام بے اصل محض ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال نمبر ۵ :- جناب فاطمہ صفراء کا مدینہ میں رہنا بوجہ مرض صحیح ہے یا ضعیف یا کذب صریح؟ جناب امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادیاں کے تمہیں؟

جواب :- واللہ التوفیق۔ روایات مستفیضہ متکاثرہ معتبرہ سے ثابت ہے۔ کہ جناب فاطمہ فاطمہ صغریٰ ہمراہ جناب سید شہداء معرکہ کر بلا میں موجود تھیں، اور ان کا مدینہ میں رہنا بوجہ مرض کے کسی ضعیف

روایت میں یہی نہیں دیکھا، ہاں بحار الانوار میں ایک روایت مشتمل بر ذکر غراب ایسی پائی جاتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب فاطمہ صغریٰ مدینہ میں تھیں، لیکن یہ روایت غراب غریب ہے، جیسا کہ مجلسی علیہ رحمہ نے خود اس کی تصریح جلاء العیون میں فرمادی ہے۔

چنانچہ بعد اس روایت کے ذکر کے تحریر فرماتے ہیں:

«این حدیث خالی از غرابتی نیست بجهت مخالفت باخبار دیگر»

بالجبر چونکہ یہ روایت مانوڑ ہے مقتل الخطب خوارزم حنفی سے اور ضعیفۃ السند ہے، اور مخالف روایات کثیرہ معتبرہ ہے لہذا مقبول نہیں ہو سکتی، اور جناب سید شہداء علیہ السلام کی صاحبزادیاں بنا بر قول مشہور دو تھیں ایک حضرت فاطمہ صغریٰ اور دوسری حضرت سکینہ واللہ اعلم۔

سوال نمبر ۶:- جناب سکینہ خاتون نے زندان شام میں انتقال فرمایا ہے یا کسی اور لڑکی نے۔ یا یہ روایت انتقال مصنوعی ہے؟

جواب:- وباللہ التوفیق۔ جناب سکینہ انتقال کرنا زندان شام میں بالکل غلط ہے اور طریق معتبرہ سے ثابت ہے کہ آپ بعد جناب سید شہداء علیہ السلام ایک مدت تک زندہ رہیں، البتہ کتاب منتخب فخر الدین بن طریح حنفی، میں ایک روایت ایسی موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام کی ایک صاحبزادی نے جس کا سن تین برس کا تھا زندان شام میں انتقال فرمایا، اور چونکہ اصل روایت میں ان صاحبزادی کا کوئی نام مذکور نہیں ہے لہذا با یقین نہیں کہا جاسکتا کہ ان کا کیا نام تھا لیکن ممکن ہے کہ نام ان کا زینب ہو، اس لئے کہ بنا بر ایک قول کے جناب سید شہداء کے تین صاحبزادیاں تھیں۔ ایک فاطمہ دوسری سکینہ تیسری زینب اور چونکہ جناب فاطمہ و سکینہ کے بعد جناب سید شہداء علیہ السلام کے ایک مدت تک موجود رہنا ثابت ہے اور ان کے بعض حالات طرق موثوق بہ۔ میں وارد ہیں اور حضرت زینب بنت الحسین علیہ السلام کا کوئی حال ثابت نہیں، لہذا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ جن صاحبزادی نے زندان شام میں انتقال کیا وہ حضرت زینب بنت الحسین تھیں، اور کچھ عجیب نہیں کہ شام میں جو روضہ حضرت زینب کا مشہور ہے وہ یہی زینب بنت الحسین ہوں، نہ حضرت زینب بنت علی علیہ السلام۔

کیونکہ حضرت زینب بنت علی علیہ السلام کا بعد اسیری شام سے مدینہ کی طرف مراجعت کرنا ثابت ہے، اور بار دیگر حسب الطلب یزید ملعون شام کی طرف جانا، اور وہاں انتقال کرنا جیسا کہ بعض روضہ خوانوں نے بعنوانات مختلفہ افتراء کیا ہے۔ غلط محض ہے، اور بعض علماء معاصرین اہل عراق نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ کتاب منتخب میں روایت وفات رقیہ بنت الحسین علیہ السلام مذکور ہے، اور روضہ ان کا شام میں موجود ہے، عند تحقیق اشتباہ در اشتباہ ہے، اور چونکہ مقام مقتضی بسط کا نہیں ہے لہذا ان کے کلام پر یہ تفصیل کلام کرنے سے اعراض کیا جاتا ہے، واللہ اعلم۔

سوال نمبر ۷۔ ہندہ زوجہ یزید کون تھی اسے اہلبیت رسالت سے کیا تعلق تھا۔ اس کا زندان شام میں آنا صحیح ہے یا نہیں اس کے بطن سے کوئی اولاد تھی یا نہیں؟

جواب :- وباللہ التوفیق۔ بحار الانوار میں منقول ہے کہ ہندہ زوجہ یزید لعنہ اللہ عبد اللہ بن عامر بن کریم کی دختر تھی، اور قبل یزید کے وہ زوجہ امام حسین کی تھی، اور اس کا مجلس یزید میں نکل کر آنا تو روایات معتبرہ میں وارد ہے، لیکن زندان شام میں اس کا کسی روایت معتبرہ میں مذکور نہیں ہے، اور بنا بر تصریح مورخین مخالفین مثل طبری وابن الاثیر یزید ملعون کا ایک لڑکا بطن ہندہ بنت عبد اللہ بن عامر سے تھا جس کا نام عبد اللہ تھا اور لقب اس کا اسوار تھا، اور وہ فن تیر اندازی میں بہت ماہر تھا واللہ اعلم۔

سوال نمبر ۸۔ شیرین کون تھی، سر جناب امام حسین علیہ السلام کا اس کے پاس جانا صحیح ہے یا غلط؟

جواب :- وباللہ التوفیق شیرین کنیز جناب شہر بانو کا حال مطلقاً کتب معتبرہ میں نہیں ہے، اور شیرین کا قصہ جس طرح مرثیٰ ہندیہ میں نظم ہے، وہ بالکل غیر معتبر ہے اور صاحب روضہ الشہداء جس طرح اس کو لکھا ہے وہ بھی معتبر نہیں ہے واللہ اعلم۔

سوال نمبر ۹۔ شہر یار کون تھا اس کا کربلائے معلیٰ میں بعد شہادت سید الشہداء علیہ السلام آنا جیسا کہ ذاکرین پڑھتے ہیں صحیح ہے یا غلط؟

جواب :- وباللہ التوفیق شہر یار کا حال مطلقاً کتب معتبرہ میں نہیں ہے، اور اس کا قصہ جس طرح روضہ خوان پڑھتے ہیں وہ بالکل غلط اور سراسر خلاف واقعات مسلک مورخین فریقین ہے واللہ اعلم۔

سوال نمبر ۱۰:- شاہ حلب کی دختر سے جناب علی اکبر کا خطبہ ہونا کیا اصل رکھتا ہے؟

جواب:- وبالله التوفیق: قصہ مذکورہ غلط محض اور دروغ بے فروغ ہے، اور ادنیٰ تتبع کتب معتبرہ تواریخ و سیر پر ظاہر ہے، کہ حلب عہد خلیفہ ثانی میں مفتوح ہوا اور ملک شام میں واقع ہے، اور شام کا حاکم عہد خلیفہ ثانی سے معاویہ بن ابی سفیان رہا ہے، اور مثل دیگر بلاد شام حلب اسی کے تصرف میں تھا، اور اس کی طرف سے حسب دستور وہاں بعض حکام و عمال رہا کرتے تھے، اور یہی کیفیت حلب کی آخر زندگی معاویہ تک رہی، تا اینکه عہد یزید علیہ لعن ہوا، پس وہ شاہ حلب کون تھا جس کی دختر کے ساتھ عقد حضرت علی اکبر کا قرار پائے بالجہ یہ قصہ افتراء محض ہے واللہ اعلم۔

سوال نمبر ۱۱:- جناب شاہ زنان شہر بانو کا انتقال کب اور کہاں ہوا؟

جواب:- وبالله التوفیق: کتاب عیون الاخبار الرضا علیہ السلام سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت شہر بانو والدہ ماجدہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے قریب ولادت جناب امام زین العابدین علیہ السلام انتقال فرمایا اور کتاب مناقب ابن شہر آشوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب شہر بانو واقعہ کربلا میں غرق فرات ہو گئیں، اور ان دونوں روایتوں میں کلام بحیثیت تحقیق بسط و تفصیل کا مستحسن اور وہ یہاں مناسب نہیں ہے واللہ اعلم۔

سوال نمبر ۱۲:- جناب رسول خدا ﷺ یا جناب امیر المومنین علیہ السلام یا جناب امام حسین علیہ السلام کے لشکر میں کسی قسم کے باجہ کا ہونا ثابت ہے یا نہیں، مشرکین و کفار و منافقین کے لشکروں میں تو باجہ ضرور ہوتا تھا؟

جواب:- وبالله التوفیق: ان حضرات کے لشکر میں کسی باجہ کا ہونا ثابت نہیں واللہ اعلم۔

سوال نمبر ۱۳:- روز عاشورہ کیا دن تھا۔ معصوم کی روایت سے جو ثابت ہوا ہو وہ ارشاد ہو؟

جواب:- وبالله التوفیق: فعلا میری نظر میں کوئی روایت ایسی جو غنتی معصوم کی طرف ہو تعین روز عاشور میں نہیں ہے، لیکن دیگر روایات سے جو غنتی غیر معصوم کی طرف ہوتی ہیں یہ ثابت ہوتا ہے، کہ روز

عاشوراء روز جمعہ تھا، اور یہ امر موافق استخراج حسابی کے بھی ہے، اور اس باب میں جو اختلاف ہے اس کی تحقیق و تنقیح کے لئے بسط مقال چاہئے واللہ اعلم۔

سوال نمبر ۱۴:- خدا اور سول و آئمہ ہدیٰ و علماء دین پر افتراء کرنا کیا حکم رکھتا ہے۔ مینور و توجروا۔ رحمکم اللہ المتفتی بندہ میر اکبر علی خلف میر احمد علی صاحب العرف بہ میر چھوٹم صاحب مرحوم دہلوی محررہ ۷ صفر المظفر ۱۳۲۲ھ۔

جواب:- یہ امر عظیم گناہان کبیرہ سے ہے اور نہایت موجب وزوہال ہے، اور اس کے متعلق جو افادات جناب اللہ الاسلام آیت اللہ فی الانام جناب میرزا حسین النوری الطبری (رح) نے رسالہ لولو والمرجان میں مرحوم فرمائی ہیں وہ قابل مراجعت و عمل ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

ناصر حسین الموسوی غفر اللہ لہ واصلح اعمالہ۔

۔ مھر شریف۔

«لا اله الا الملك بالحق المبين، عبده ناصر حسين بن علامه حامد حسين الموسوي النيشا پوری»



کتاب ہدایات ناصریہ پر ایک تحقیقی نظر

تحقیق : طاہر عباس اعوان بن غلام عباس اعوان

سوال نمبر ۴:- عقد حضرت قاسم ابن الحسن علیہما السلام کا میدان کربلا میں ہونا صحیح ہے یا ضعیف ہے یا افتراء محض ہے؟

جواب:- وباللہ التوفیق۔ قصہ عقد حضرت قاسم ابن الحسن علیہما السلام بے اصل محض ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال چہارم کے بارے میں علماء اعلام کے تائیدی بیانات

مسئلہ عقد شہزادہ قاسم بن امام حسن علیہما السلام مدت مرید سے معرکہ الآرابنا ہوا ہے، اس کے اثبات اور نفی پر متعدد کتب و رسائل طرفین کی طرف سے لکھے جا چکے ہیں۔ لیکن اکثر علماء نے اس کے عدم اثبات پر تصریحات فرمائی ہیں، لہذا یہاں اجمالی طور پر جناب آیت اللہ ناصر حسین ناصر الملت کے قول کی تائید میں بعض اعلام کی تصریحات پیش کی جاتی ہیں، تاکہ متلاشیان حق و حقیقت پر بات روشن ہو جائے۔

تین بنیادی مباحث

اس مسئلہ پر کی جانے والی بحث کو ہم تین بنیادی مباحث میں تقسیم کرتے ہیں:

پہلی بحث: شادی حضرت قاسم بن امام حسن علیہما السلام کو قبول نہ کرنے کی وجوہ کیا ہیں؟

دوسری بحث: وہ علماء اعلام و مجتہدین کون ہیں اور انکی کتب کے اسماء کیا ہیں کہ جنہوں نے نفی عقد قاسم بن امام حسن مجتبیٰ علیہما السلام پر قلم اٹھایا ہے؟

تیسری بحث: اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے، اس موضوع پر لکھی جانے والی بعض مستقل کتابوں کے نام اور اس حوالہ سے بعض علماء اعلام کی اصل عبارات کو ذکر کیا ہیں۔

پہلی بحث: انکار کی وجوہات

شہزادہ قاسم بن امام حسن علیہما السلام کی شادی کو قبول نہ کرنے کی علماء نے درج ذیل وجوہات ذکر کی ہیں:

پہلی وجہ:

ملا حسین کا شفی صاحب "روضۃ الشہداء" کہ جو دسویں صدی ہجری قمری کے مشکوک المذہب عالم ہیں، کیونکہ ان کے حالات زندگی میں یہ بات تحریر ہوئی ہے کہ جب ہر اچھاتے ت اپنے آپ کو سنی ظاہر کرتے اور جب ایران کے شہر سبزدار آتے تو اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرتے۔ محدث نوری نے "کولولو المرجان" میں، شہید مرتضیٰ مطہری نے "حساسہ حسینی" میں، آیت اللہ ظہور الحسن نے "تقریر حاسم" میں و دیگر اعلام نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ کاشفی سے پہلے اس روایت کو کسی نے بھی ذکر نہیں کیا اور اس نے بھی اس روایت کی نہ کوئی سند پیش کی اور نہ کسی کتاب کا حوالہ دیا۔ لہذا ایک ہزار سال تک اس روایت کو کسی محقق مؤرخ کا نقل نہ کرنا اس کے عدم ثبوت پر دال ہے۔

دوسری وجہ:

امام حسین علیہ السلام کی دو بیٹیاں تھیں اس سے زیادہ کوئی معتبر قول موجود نہیں ہے۔ جناب سکینہ علیہا السلام اور جناب فاطمہ علیہا السلام۔ امام حسین علیہ السلام کی دوسری بیٹی جناب فاطمہ علیہا السلام اپنے شوہر امام حسن علیہ السلام کے بیٹے حسن مثنیٰ کے ساتھ کربلاء میں موجود تھیں اور ان کی اولاد بھی ہوئی جس سے آج تک طباطبائی سادات کا سلسلہ نسب چل رہا ہے۔

جن میں آیت اللہ العظمیٰ سید مہدی بحر العلوم طباطبائی (متوفی ۱۲۱۶ھ۔ ق) آیت اللہ العظمیٰ سید حسین بروجرودی طباطبائی، آیت اللہ العظمیٰ سید محسن الحکیم طباطبائی، آیت اللہ العظمیٰ سید محمد حسین طباطبائی صاحب "تفسیر المیزان" اور اسی طرح دیگر سادات طباطبائی امام حسین علیہ السلام کی اسی دختر نیک اختر جناب فاطمہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کی اولاد میں سے ہیں اور کراچی میں مدفون "حضرت عبد اللہ شاہ غازی" کہ جن کا مزار معروف ہے اور مرجع خلافت ہیں اور صبح شام کراچی میں ساعل سمندر پر سنی شیعہ ان کی زیارت کر رہے ہیں۔ یہ سید بزرگوار بھی دو عدد واسطوں کے ساتھ اسی فاطمہ کبریٰ علیہا السلام اور ان کے شوہر حسن مثنیٰ علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔ سید عبد اللہ شاہ غازی بن سید محمد نفس زکیہ بن سید عبد محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن مجتبیٰ بن امام علی ابن ابی طالب علیہم السلام۔

تیسری وجہ:

اگر ضعیف قول کی بنا پر امام کی تیسری دختر فاطمہ صغریٰ ماں بھی لی جائے تو وہ مدینہ میں تھیں، لہذا ان سے عقد ہونا ممکن نہیں ہے اور اس طرح اگر امام کی چوتھی دختر بنام زینب، ماں لی جائے تو جنہوں نے بھی امام علیہ السلام کی اس بچی کا ذکر کیا ہے، وہ اس بات کی تصریح کرتے ہیں، کہ یہ بچی بچپن میں وفات پا چکی تھیں، لہذا امام علیہ السلام کی ایسی کوئی دختر موجود نہیں ہے، کہ جو کربلاء میں شادی کے قابل ہو۔ لہذا اب عقد شہزادہ قاسم علیہ السلام کے قائلین کی ذمہ داری ہے کہ وہ امام کی کسی ایسی بچی کا ثبوت پیش کریں جو کربلاء میں بھی موجود ہو اور شادی کے بھی قابل ہو معتبر حوالہ جات کے ساتھ۔

چوتھی وجہ:

علماء اعلام نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ کسی قسم کا کوئی مادی و معنوی فائدہ اس عقد سے حاصل نہیں ہوا اور ایسا بے فائدہ کام امام کی شان کے خلاف ہے۔ کیونکہ اوامر شریعت اور عقلاء کے نزدیک ثمرات مادی و معنوی عقد یہ ہیں:

(۱) دفع شہوت ہو؛ (۲) تکثیر نسل؛ (۳) محض محرمیت: بخاطر فواید اخروی یا دنیوی۔

اس حوالہ سے آیت اللہ سید ظہور الحسن لکھنوی صاحب ”تقریر حاسم“ فرماتے ہیں:

باید دانست کہ غرض عقلا در مسئلہ مزاجت چیست، آنچه بہ حکم عقل و شرع معلوم می شود چند سبب دارد، یکی دفع شہوت کہ حال اغلب عوام است، یا تکثیر نسل است کہ بنائی خواص است، یا آنکہ محض محرمیت است، در این مطلب یا اغراض دنیوی ملحوظ است یا اغراض اخروی، پس قدری بسط دادہ شدہ تا اینجا و غرض اخروی مثلاً آنکہ عامی علویہ را بہ عقد خود در می آورد و صرف نظر از اغراض مذکورہ بلکہ صرف نسبت بہ حضرت ختمی مآب ﷺ یا غیر علویہ نکاح نکاح علوی در می آید محض انسب بہ حضرت صدیقہ یا آنکہ غرض از مزاجت صرف دنیا است... الخ^(۱)

عاشورہ کے دن اس عقد کا وقوع میں آنا عقل کے خلاف ہے ایسی تزویج جس کا کوئی ثمرہ دینی و دنیاوی مادی و معنوی مترتب نہ ہو عقلاء کے نزدیک فعل عبث ہے چہ جائیکہ معاذ اللہ امام علیہ السلام ایسا فرمائیں۔

اور یہی بات دیگر اعلام نے بھی تحریر کی ہے۔

پانچویں وجہ:

اکثر علماء فریقین کے اقوال سے شہزادہ قاسم علیہ السلام کے قصہ عقد کا بے بنیاد ہونا ثابت ہوتا ہے اور بہت سے موثق مورخین نے اس کے بطلان اور واقعیت سے دور ہونے کی تصریحات کے علاوہ اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی تحریر فرمائی ہیں۔

چھٹی وجہ:

جیسا کہ تحریر کیا جا چکا ہے کہ فاطمہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کا عقد تو حسن مثنیٰ علیہ السلام سے ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ اگر امام علیہ السلام کی کوئی بیٹی شادی کے قابل کر بلا میں موجود تھی اور امام علیہ السلام نے یہ شادی کرنی ہی تھی تو عاشورہ سے قبل اور حضرت قاسم کے دیگر برادران سے کیوں نہ کی کہ جو شادی کے قابل تھے اور جناب قاسم سے عمر میں بڑے تھے؟ شادی کے قابل بچی کا عقد نکاح ۱۲ یا ۱۳ سالہ نابالغ بچے سے کیا معنی رکھتا ہے؟ لہذا ہم اس بات کے قائل ہیں کہ یہ واقعہ حقیقت سے دور ہے۔

ساتویں وجہ:

بعض قائلین عقد اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اس شادی کے متعلق امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے وصیت فرمائی تھی۔ اس حوالہ سے عرض یہ ہے کہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی اس شادی کے متعلق اولاً تو ایسی کوئی وصیت معتبر اسناد سے ثابت نہیں ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے ۱۵ بیٹے ہیں اور شہزادہ قاسم علیہ السلام تقریباً جناب عبید اللہ علیہ السلام کے علاوہ سب سے چھوٹے ہیں اور امام حسن علیہ السلام کی شہادت (یعنی ۵۰ھ۔ ق) کے وقت شہزادے کی عمر ۲ یا ۳ بنتی ہے اور اکثر قائلین

شاہد امام حسین علیہ السلام کی چار بیٹیوں کے معتقد ہیں، یہ وصیت باقی فرزند ان کے لیے کیوں نہیں کی گئی؟ آیا امام معصوم سے اپنے فرزندوں میں یہ تفریق ممکن ہے؟ اگر جواب مثبت ہے تو اس تفریق کی فقط حضرت قاسم علیہ السلام کے ساتھ عقد کرنے کی معقول وجہ کیا ہے، جو دوسرے فرزند ان امام حسن علیہ السلام میں نہیں پائی جاتی تھی۔

آٹھویں وجہ:

امام کی سب سے بڑی بیٹی فاطمہ ہے، انکی والدہ کے بارے میں دو قول ہیں، ایک قول غیر معروف بلکہ تحقیق کی کسوٹی پر بالکل مسند اور بغیر مد رک کے یہ ہے کہ آپکی والدہ جناب شہربانو والدہ امام زین العابدین علیہ السلام تھیں، ”عیون اخبار الرضا علیہ السلام کی روایت کے مطابق امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ امام چھارم کی ولادت کے بعد بی بی شہربانو سلام اللہ علیہا نے مزید دس روز قید حیات رہیں، اس اعتبار سے بی بی فاطمہ امام چھارم کی ابوینی ہمشیرہ ہیں، لہذا اگر یہ قول درست مان لیا جائے کہ جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی والدہ جناب شہربانو سلام اللہ علیہا ہے تو عقلاً و نقلاً آپ امام سے بڑی ہیں، امام کی عمر کربلاء میں کم از کم ۲۳ سال کی تھی، لہذا بی بی کی عمر کربلاء میں کم از کم ۲۴ سال ہونی چاہیے، معصومین کے گھرانے میں اس عمر تک بلا وجہ لڑکیوں کا مجردی کی زندگی بسر کرنا، انکی سیرت و تعلیمات کے خلاف ہے۔

دوسری روایت کے مطابق جسے تمام ارباب سیر و انساب نے تحریر کیا ہے کہ بی بی کی والدہ ام اسحاق ہیں اور یہ بات اپنی جگہ پر ثابت شدہ ہے کہ ام اسحاق سلام اللہ علیہا پہلے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے حرم میں تھیں، امام حسن علیہ السلام کی شہادت ۵۰ ہجری میں ہوئی۔ امام حسین علیہ السلام نے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت کے بعد بی بی ام اسحاق علیہا سلام سے عقد کیا تھا۔

لہذا اس قول کے مطابق امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے وقت امام حسین علیہ السلام کی کوئی بیٹی تھی ہی نہیں، لہذا جن صاحبان نے تعین کر کے امام کی وصیت میں ”فاطمہ“ کا نام لکھا ہے، یہ تمام روایات مقطوع الکذب ہیں۔

یہ وہ وجوہات تھیں جنہیں علماء اعلام نے اپنی لہنی کتب میں تحریر کیا اور ہم نے اپنے الفاظ ان کا خلاصہ پیش کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے مذکورہ وجوہات اور اس طرح کی دوسری بہت سی وجوہات کی بنا پر اکثر علماء اعلام اور مجتہدین کرام اس عقد کو قبول نہیں کرتے بلکہ بعض اس کا پڑھنا حرام سمجھتے ہیں۔

دوسری بحث: انکار کرنے والے علماء اور ان کی کتب

وہ علماء کرام جنہوں نے حضرت قاسم بن امام حسن علیہما السلام کی کربلاء میں شادی کا انکار کیا ہے:

(۱) علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۱۱۰ھ) کتاب: "جلاء العیون۔"

(۲) آیت اللہ العظمیٰ علامہ عبد اللہ مرقاۃ کتاب: "تشییح المقال، ج ۲۔"

(۳) خاتم الحمد شین شیخ عباس قمی، کتاب: "منتہی الامال، ج ۱، ص ۷۰۔"

(۴) آیت اللہ العظمیٰ شیخ محمد تقی تستری کتاب: "قاموس الرجال، ج ۷، ص ۷۳۵ اور ج ۸، ص ۶۴۴۔"

(۵) آیت اللہ العظمیٰ سید کاظم طباطبائی صاحب عروۃ الوثقی، "تزہۃ المشیق فی فتاویٰ علماء عراق، ص ۵۔"

(۶) آیت اللہ العظمیٰ آقاۃ اخوند کاظم خراسانی صاحب کفایۃ الاصول، ایضاً ص ۶۔

(۷) آیت اللہ العظمیٰ عبد اللہ مازندرانی، ایضاً ص ۷۔

(۸) آیت اللہ العظمیٰ آقاۃ حسین مازندرانی، ایضاً

(۹) آیت اللہ العظمیٰ غلام حسین حائری اصفہانی، ایضاً

(۱۰) آیت اللہ العظمیٰ آقاۃ اسماعیل صدر، ایضاً و مجاہد اعظم، ص ۶۱۔

(۱۱) استاد الحمد شین حسین نوری طبرسی (متوفی ۱۳۲۰ھ) کتاب: "لو لو المرجان، ص ۱۴۵۔"

(۱۲) آیت اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم خوئی اپنے فتاویٰ کی کتاب: "صراط النجاة، ج ۲، ص ۳۴۱۔"

(۱۳) آیت اللہ العظمیٰ شیخ مرزا جواد تبریزی "صراط النجاة، مسئلہ: ۱۳۹۰۔"

(۱۴) آیت اللہ العظمیٰ سید ابوتراب موسوی نجفی "بحوالہ مجاہد اعظم، ص ۱۶۔"

(۱۵) آیت اللہ العظمیٰ سید علی حائری لاہوری (متوفی ۱۳۶۰ھ) "بحوالہ سعادت الدارین، ص ۹۲۔"

(۱۶) آیت اللہ العظمیٰ محمد فاضل لنگرانی کتاب: "جامع المسائل، ص ۶۲۵۔"

- ۱۸) رہبر معظم آیۃ اللہ سید علی خامنہ ای وامت برکاتہ ”مصائب امام حسینؑ، ص ۱۵، غلام علی رجبانی بحوالہ حضرت قاسم بن حسن علیہما السلام۔“
- ۱۹) آیۃ اللہ العظمیٰ سید ریحان اللہ موسوی الطہرانی ”بحوالہ مجاہد اعظم، ص ۱۶۳۔“
- ۲۰) آیۃ اللہ سدا بوالحسن عرف ابوصاب لکھنوی ”بحوالہ مجاہد اعظم، ص ۱۷۳۔“
- ۲۱) علامہ سید عبدالحمید حسینی شیرازی ”ذخیرۃ الدارین، ص ۱۵۴۔“
- ۲۲) علامہ ربانی گلپایگانی ”منہاج الدموع ص ۲۱۳۔“
- ۲۳) علامہ سید عبد الرزاق مقرر نجفی، ”مقتل حسینؑ ص ۲۶۴ و سکینہ بنت الحسینؑ، ص ۱۱۴۔“
- ۲۴) علامہ ذبیح اللہ محلاتی، ”فرسان الجہاد ج ۲ ص ۳۱۔“
- ۲۵) آقای خسرو نقوی نیا، ”۷۲ پرش ص ۱۴۶۔“
- ۲۶) آیۃ اللہ علامہ سید ظہور الحسن، کتاب: ”التقریر الحاسمۃ عقد القاسم۔“
- ۲۷) آیۃ اللہ سید قاضی طباطبائی، ”تحقیق اربعین۔“
- ۲۸) محقق محمد حسن خان، ”خیرات حسان، ج ۳، ص ۷۷۔“
- ۲۹) شیخ محمد حسن ابن عبد اللہ ہشتروئی، ”محن الابرار ترجمہ بحار الانوار، ج ۲، ص ۲۰۵۔“
- ۳۰) حجۃ الاسلام آقای محمد جواد نجفی، ”ستارگان درخشان، ج ۵، ص ۱۶۶۔“
- ۳۱) آیۃ اللہ علامہ شہید مرتضیٰ مطہری، ”حماسہ حسینی، ج ۱، ص ۲۸۔“
- ۳۲) علامہ قزوینی، ”تقلم الزہراء، ص ۲۳۸۔“
- ۳۳) مؤرخ شہیر تقی سپہر، ”نسخ التوارخ، ص ۲۷۱۔“
- ۳۴) مؤرخ و محقق فرہاد مرزا، ”تقاسم ذخار۔“
- ۳۵) علامہ عمادزادہ، ”زندگانی امام حسینؑ، ص ۴۸۸۔“
- ۳۶) آیۃ اللہ شیخ محمد حسین نجفی، ”سعادۃ الدارین، ص ۹۵۔“
- ۳۷) علامہ سلیمان تہکابانی، ”اکلیل المصاب، ص ۱۰۵۔“

(۴۲) علامہ محمد باقر مدرس، "شہر حسین"،

(۴۳) حجۃ الاسلام محمد مہدی فقیہ گیلانی، "الرحم الطیب یا تذکرہ بی بی شہر بانو سلام اللہ علیہا،"

(۴۴).....: ۱۴ شہداء کربلاء

(۴۵) حجۃ الاسلام سید علی بن الحسین البہاشمی النجفی، "ثمرات الاعواد، ج ۱، ص ۱۸۵۔"

(۴۶) آیت اللہ سید محمد علی شہرستانی مرعشی، "سوال جواب"

(۴۷) جواد محمد ثنی، "فرہنگ عاشوراء، ص ۱۰۰۔"

(۴۸) حسن جلالی عنزیان، "عاشق ترین پروانہ قاسم بن امام حسن، ص ۵۔"

(۴۹) گلی زادہ، "حضرت قاسم بن حسن امام حسن بن حسن"

(۵۰) حجۃ الاسلام عقیلی بخشاشی، "روضۃ الشہداء مقدمہ"

(۵۱) علامہ سید احمد الفالی مرحوم، "اجوبۃ المسائل الدینیہ، ص ۱۲۰ تا ۱۱۳۔"

(۵۲) مؤرخ و محقق سید شاکر حسین امرودہوی، "مجاہد اعظم، ص ۱۸۵ تا ۱۸۳۔"

۱۵۳ المرجعۃ الدینیہ۔

(۵۴) علامہ سید جعفر مرتضیٰ عاملی، "کربلاء فوق الشہادت ص ۵۴، ۵۰۔"

(۵۵) علامہ جناب سید محمد جواد ہندی، "بحوالہ مجاہد اعظم، ص ۱۶۔"

تیسری بحث: نفی عقد شہزادہ قاسم علیہ السلام میں لکھی جانے والی مستقل کتابیں اور

بعض علماء کی تصریحات:

الف) وہ کتب جو مستقل نفی عروسی حضرت قاسم بن امام حسن پر لکھی گئیں:

۱۔ نزہۃ المشتاق فی فتاویٰ علماء عراق: مؤلف حکیم میرزا محمد صادق۔

۲۔ الاجوبہ السدیدہ عن الاسئلة الجدیدہ: مؤلف حکیم میرزا محمد صادق، تاریخ تالیف ۱۳۲۶ھ۔

اس کتاب میں رد عروسی حضرت قاسم کے حوالے سے مندرجہ ذیل مجتہدین کے فتوے ذکر کئے گئے ہیں:

- (۱) آیت اللہ میرزا محمد حسین نجفی مرحوم؛
- (۲) آیت اللہ سید کاظم طباطبائی صاحب عروۃ الوثقی؛
- (۳) آیت اللہ آقائی اخوند کاظم خراسانی صاحب "کفایۃ الاصول"؛
- (۴) آیت اللہ سید اسماعیل صدر۔

ابتداءً بسملة وخطبه لما بعد یس ارباب ایمان وایقان پر غنی و محتجب نہ رہے کہ جب مسئلہ عروسی قاسم سلام اللہ علیہ کے مطلق رسالہ نزہۃ المشتاق تحریر کیا اور بہت سے مقالات سے رسوم غیر مشروعہ جو اس قصے کی بنا پر رائج تھے اٹھا دیے گئے۔^(۱)

"الذریعة فی تصانیف الشیعة" میں غالباً اسی کتاب کا نام یہ لکھا ہے:
الفتاوی الجدیدة فی المسئلة السیدة، او فتاوی علماء هوتکذیب
لقصة عرس القاسم.^(۲)

ہاں! اگر آقائی بزرگ تہرانیؒ کی پیش کردہ یہ کوئی اور کتاب ہے تو عدم دستری کی وجہ سے مؤلف کا نام معلوم نہیں ہے۔

۳۔ دو غازہ شاہد در نفی عروسی حضرت قاسم بن امام حسنؑ: مؤلف حاجی سید آل محمد، یہ پورا رسالہ ہم نے اسی مجلہ میراث بر صغیر شمارہ ۳ میں درج کیا ہے، ان کی دوسری کتاب اسی موضوع پر یہ ہے۔

۴۔ بیان حاسم در نفی عروسی حضرت قاسم بن امام حسنؑ: مؤلف حاجی سید آل محمد۔^(۳)

۱۔ بر صغیر کے مامیہ مصنفین ج ۲ ص ۲۶۵۔

۲۔ الذریعہ ج ۱۶ ص ۱۰۱۔

۳۔ مطلع الانوار ص ۴۱ تذکرہ علماء امر وہ ص ۳۳۔

۵۔ التقرير الخامس لقصة عقد القاسم رحمہ اللہ: مؤلف آیت اللہ علامہ سید ظہور الحسن ^(۱)

۶۔ البيان المبرهن: مؤلف سید محمد علی شہرستانی مرعشی (متوفی ۱۳۴۲ھ ق) آقائے سید احمد القالی مرحوم نے اس کتاب سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ کتاب ہند سے پوچھے جانے والے سوال کے جواب میں لکھی گئی ہے:

ولا يخفى ان المرحوم العلامة السيد محمد علي شهرستاني وسئل
هذا السؤال بعينه من شيعه الهند فاتي في برساله مستقلة في الجواب.

اس حوالہ سے آقائے احمد القالی نے آقائے شہرستانی کا موقف ان الفاظ میں تحریر فرمایا:

آقائے شہرستانی نے شدت کے ساتھ عقد حضرت قاسم علیہ السلام والے قضیہ کو رد کیا ہے۔

اور کتاب "منتخب طرح" کے بارے میں ان کا نظریہ یہ تھا کہ مؤلف نے اس کتاب کو جوانی میں لکھا تھا اور پھر جب اس کے خرافات پر مطلع ہوا تو کتاب کو کالعدم قرار دے دیا یہ ہے نص عبارت:

وقال العلامة المرحوم السيد محمد علي شهرستاني في رسالته التي
كتبها في جواب عن هذه المسئلة، وقد نقل بعض الأعلام عن الشيخ
الطريح انه قد صنف منتخبه في أول شبابه ثم لما أكمل وراى اشماله على
الخرافات غسله واخبر الناس بذلك.... ^(۲)

یعنی علامہ مرحوم سید محمد علی شہرستانی نے اسی مسئلہ کے جواب میں تحریر فرمایا ہے:

۱۔ یہ ۱۵۰ صفحہ کی کتاب ہے بہت جلد انشاء اللہ مرکز احیاء آثار برصغیر سے مشتاق ہاتھوں تک پہنچائے گا۔ غلط فہمی معکم من
المتظنرین

۲۔ اجوبہ المسائل الدینیہ شمارہ ۵ دورہ ۷ ص ۱۱ ص ۱۱۹۔

بعض اعلام نے شیخ طریکی نے نقل کیا ہے کہ یہ کتاب انہوں نے ابتداء جوانی میں تحریر فرمائی تھی۔ لیکن جب علم کی بلندیوں تک پہنچے تو دیکھا کہ اس کتاب میں تو خرافات موجود ہیں۔ اس لیے اسے پانی سے دھو دیا اور لوگوں کو اس بارے میں اطلاع دے دی کہ اب اس کتاب کے مندرجات کو میری طرف نسبت نہ دی جائے۔

اسی قسم کی بات قم کے عظیم محقق تاریخ جناب حجت الاسلام آقا شیخ یوسف غروی مدظلہ العالی نے آقائے طریکی کے نجف میں رہنے والے بعض نوادگان سے نقل کی ہے، البتہ حقیر کے سامنے اسکے ناقل برادر بزرگوار جناب حجت الاسلام داسلمین محمد طاہر عباس آف لاہور ہیں۔

مسفک المہج لضعاف الحجج فی نفی عقد قاسم: سید حسین علی جونپوری^(۱)
 دفع المغالطہ فی مسائل عروسی حضرت قاسم بن امام حسن علیہ السلام: حکیم محمد کاظم
 لکھنوی اردو۔^(۲)

ب) نفی عروسی حضرت قاسم بن امام حسن علیہما السلام کی کربلاء پر علماء اعلام کی تصریحات

۱۔ علامہ محمد باقر مجلسی، صاحب کتاب بحار الانوار (۱۰۳۷-۱۱۱۰ھ ق):

قصہ دامادی او درکتب معتبرہ بنظر فقیر نرسیدہ است۔^(۳)

۲۔ علامہ سید عبد المجید بن محمد رضا حسینی شیرازی صاحب ذخیرۃ الدارین (متوفی ۱۳۲۵ھ ق) شہزادہ قاسم کی شہادت کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

۱۔ الذریعہ ج ۱۴ ص ۱۹۱۔

۲۔ الذریعہ ج ۸ ص ۲۳۱۔

۳۔ جلاء العیون ص ۳۰۲۔

اقول: وانه نقل في الكتب المعتمدة مبارزة القاسم يوم ألطف كما ذكرنا
 أننا تفصيله من طريق المخالف والموافق ولم يذكر في تلك الكتب تزويجه
 في وقعة ألطف، إلا في المنتخب فانه ذكر قصة تزويجه نقلاً عن الغير فقال:
 ان هذه القضية لم تظهر بها في الكتب المعتمدة والروايات المعتمدة، فكانه لم
 يعتمد علي ذلك النقل ونحن ايضاً قد تصفحنا بمقدار وسعنا، عن ما نقل ولم
 نجد فيه ما يعتمد عليه من الآثار المتيقنة لتلك القضية وذلك الفاضل ايضاً لم
 ينسبه إلى احد بل نسبته الي قيل ولا يثبت به شيء انتهى^(۱)

۳۔ علامہ الشیخ عبداللہ امقانی صاحب تنقیح المقال (۱۲۹۰-۱۳۵۱ھ ۱۸۷۳-۱۹۳۳م) فرماتے ہیں:

صرح جمع من اهل السير بانه كان صغير لم يبلغ الحلم، واما ما ارسله
 في المنتخب من ارسال قصة تزويجه فلم اقف ولا سائر اهل التبع علي
 ذلك في شيء من كتب السير والمقاتل المعتمدة^(۲)

۴۔ آقاي علی ربانی گلپایگانی فرماتے ہیں:

ابتداً از اخبار و تاریخ بدست نمی آید که در کربلا برای حضرت
 قاسم دامادی واقع شده باشد. پس این شهرت عروسی قاسم در کربلا و
 انتساب دادن حجره ای را در خیمه ای کربلا به جحله قاسم بدون اصل
 و خارج از تحقیق است.^(۳)

۵۔ عبد صالح حاج شیخ عباس قمی صاحب "مفتاح الجنان" (۱۲۹۴-۱۳۵۹ھ - ق) نفی عروسی حضرت
 قاسم علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

۱۔ ذخیرۃ الدارین فیما يتعلق بصواب الحسین واصحابه طبع قم ص ۲۸۸ و طبع نجف ص ۱۵۳۔

۲۔ تنقیح المقال ج ۲ ترجمہ حضرت قاسم بن امام حسن شمارہ ۹۵۵۹، مطبع مرقضویہ فی النجف ۱۳۵۰ھ۔

۳۔ منهاج الدعویہ ص ۳۲۔

مخفی نماند که قصه دامادی جناب قاسم علیه السلام در کربلاء و تزویج لو فاطمه بنت الحسین علیه السلام را صحت ندارد، چه آنکه در کتب معتبره بنظر نرسیده و بعلاوه آنکه حضرت امام حسین علیه السلام را دو دختر بوده^(۱)

۶۔ مؤرخ و محقق علامہ عبدالرزاق مقرر صاحب "مقتل حسین" فرماتے ہیں:

كل ما يذكر في عرس القاسم غير صحيح لعدم بلوغه سن الزواج ولم يرد به نص صحيح من المؤرخين.^(۲)

۷۔ جناب ذبح اللہ محلاتی صاحب فرسان الہیجاہ

عروسی حضرت قاسم بن امام حسن علیہ السلام ابداً اصل ندارد چندان کہ کتب معتبره و روایات معتمدہ را سیر کردیم اثر و اطلاعی از این عروسی قاسم بدست نیاوردیم و آنچه در السنۃ سند برای خود درست کردند کہ طریخی در منتخب گفته ایشان این مطلب را کہ از غیر نقل می کنند می فرماید: «ان هذه القضية لم نظفر بها في الكتب المعتمدة و الروایات المعتمدة» و شک نیست کہ این عبارت بہ تمام صداقت دلالت دارد کہ خود طریخی ہم اعتماد باین نقل ندارد و گفتن او بلفظ قبل واضح است کہ این مطلب در آثار مثبتہ و کتب معتبره وجود ندارد، و شکی نیست کہ فاطمه بنت الحسین زوجہ حسن مثنی بود و شوهرش در کربلا حاضر بود چگونه ممکن است این نقل اصلی داشته باشد و امام حسین علیہ السلام در کربلا دختر دیگری نداشت کہ نام او فاطمه بوده باشد.^(۳)

۱۔ مثنی الامال چاپ جدید جلد ۱ ص ۷۰۰۔

۲۔ مقتل حسین ص ۲۶۳۔

۳۔ فرسان الہیجاہ محلاتی جلد ۲ ص ۳۱۔

۸۔ آیۃ اللہ شیخ محمد تقی تستری صاحب "قاموس الرجال" شہزادہ حضرت قاسم بن امام حسن کا مقتل تفصیل کے ساتھ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

وما اشتهر من تروجه قصة وليس للحسين عليه السلام الا فاطمة واحدة
وقد زوجها قبل من اخيه الحسن مثني.^(۱)

۹۔ جناب خسرو نقذسی نیا، نے اپنی کتاب ۷۲ پرکش پیرامون حماسہ کربلا کے ص ۱۳۶ تا ۱۳۸ پر میدان کربلا میں حضرت قاسم بن امام حسن بن امام حسن شادی کے نہ ہونے پر مفصل بحث کی ہے۔
۱۰۔ آیۃ اللہ علامہ شہید قاضی طباطبائی:

لکھتے ہیں کہ جب میں اربعین کی تحقیق سے فارغ ہوا تو ایک فاضل آدمی نے درخواست کی کہ قصہ عروسی حضرت قاسم بن امام حسن کے بارے میں کچھ تحریر فرمائیں تو میں نے اسکی درخواست قبول کی اور چند سطریں پیش کر رہا ہوں:

ترجمہ: پہلی بات یہ ہے کہ عروسی قاسم کا موضوع منتخب کے علاوہ کسی اور کتاب میں موجود نہیں ہے، اور صاحب منتخب نے بھی بالتصريح تحریر فرمایا ہے کہ اس نے بھی کسی معتبر کتاب میں نہیں دیکھا، لہذا انہوں نے بھی یہ فرما کے اسے اعتبار سے ساقط کر دیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سید الشہداء کی کوئی بیٹی ہی کربلا میں شادی کے قابل نہیں تھی۔^(۲)

۱۱۔ محمد حسن خان اعتماد السلطنہ، صاحب خیرات حسان

۱۔ قاموس الرجال ج ۷ ص ۳۵۷ مطبع قم ۱۳۸۶ھ۔

۲۔ تحقیق اول اربعین، ص ۶۸۳ (قدیمین کرام یاد ہے کہ ۱۰۰۰ صفحات پر مشتمل یہ عظیم الشان کتاب بنام "تحقیق اول اربعین" فقط اس موضوع پر تحریر کی گئی ہے کہ کربلا کا کانا ہوا قافلہ شام کی قید کے بعد پہلے چہلم کو کربلا واپس آیا ہے۔ لہذا تمام ان افریقہ کے قول کو رد کیا ہے کہ جو لکھتے ہیں کہ قافلہ کربلا نہیں آیا دوسرے سال واپس آیا ہے۔ محققین اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ (فیہ شفاء للنفوس)

آنچه مابین عوام الناس اشتہار گرفته کہ حضرت فاطمہ بنت الحسین علیہ السلام را در کربلا با حضرت قاسم بن حسن علیہ السلام عقد بستند هر کس منشاء این شهرت کاذبہ را بخواهد بترجمہ سکنہ بنت الحسین از جلد ثانی خیرات حسان برد.^(۱)

فاضل معظم خیرات حسان میں حالات حضرت سکنہ بنت الحسین علیہا السلام پر بحث کرنے کے بعد آخر میں اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں:

نگارندہ را هیچ شک نیست در اینکه داستان عروسی حضرت قاسم بن حسن علیہ السلام و فاطمہ بنت الحسین علیہ السلام کہ از مشہورات بلا اصل است، و علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ با ہمہ تتبع و احاطہ تخریج و تصحیح آن نفرده و محققین از علماء متأخرین منع شدید از مذاکرہ آن می کند.^(۲)

۱۲۔ محن الابراء ترجمہ بحوالہ الانوار، چاپ تہران ر علی،

مترجم می گوید: چون حکایت عروسی قاسم و رود زبان مرثیہ خوان و عوام مردم ما است لذا اول تحقیق کلام در اینجا بشود، جناب امام حسن علیہ السلام را سیزده پسر داشت از جملہ ایشان حسن بن حسن علیہ السلام بود.

اسکے بعد حسن مثنیٰ کی شادی کا ذکر تفصیل کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

این روایت را مصنف در جلد اول ابن جلد عاشر بحار نقل کرده است، و از این روایت مشخص و معلوم گردید کہ جناب فاطمہ دختر جناب امام حسین علیہ السلام زن حسن بن حسن علیہ السلام بود، مصنف در باب عدد اولاد جناب امام

۱۔ خیرات حسان ج ۳ ص ۷۷

۲۔ همان ج ۲ ص ۶۷۷۔

حسین علیہ السلام دو تا دختری برای آنحضرت روایت کرده است، کہ نام یکی سکینہ علیہا السلام و دیگری فاطمہ علیہا السلام بود.

اور بنا بر احتمال تیسری و چوتھی دختر کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

بنا بر این روایات ظاہر همان فاطمہ در کربلا حاضر بود زن حسن بن حسن است، و علاوہ بر این مانند مصنف کہ در تتبع اخبار و در خبرداری از احادیث و آثار اہل بیت اخبار علیہ السلام جناب احمد مختار سر آمد علماء... ابرار و ممتاز ہمہ اہل روزگار است، و استاد این فن و ماہر این علم است در کتاب جلاء العیون خود فرمودہ است کہ عروسی جناب قاسم در کتب معتبرہ بنظر حقیر نرسیدہ است.

اسکے بعد آخر میں فرماتے ہیں:

باوجود این هیچ فائدہ در چنین تزویج بنظر نمی آید، و اتفاق افتادن زفاف از جناب در مانند چنین روز مصیبت و محنت از جملہ مستبعدات عقلیہ و نقلیہ می باشد، و اللہ العالم بحقیق الامور...^(۱)

۱۳۔ رہبر معظم آیۃ اللہ السید علی الحامنی ای مدظلہ فرماتے ہیں:

نباید بوی ذلت و خاکساری نسبت بہ ائمہ علیہم السلام و شجاعان کربلا در اشعار استشمام شود، بعضی از روضہ ہای کہ خلاف است و مشکوک است، انسان باید حتی المقدور از خواندن آنها خود داری کند، برای مثال روضہ حضرت قاسم علیہ السلام چیزی است کہ قطعاً یا بہ احتمال زیاد رد آن ثابت شدہ است، دختر امام حسین علیہ السلام بہ نام فاطمہ علیہا السلام مشخص است کہ چہ کسی است، چند سال عمر

کردہ، چند فرزند داشتہ، و پدرش ہم مشخص بود، سادات ابن حسن علیہ السلام ہم مشخص هستند، و چیز مبہمی در تاریخ وجود ندارد، بیاییم و پسر سیزده ۱۳ سالہ امام حسن علیہ السلام را در کربلا داماد کنیم، این چیزی است کہ غیر قابل قبول است۔^(۱)

۱۴۔ آیہ اللہ شیخ جعفر شوشتری صاحب فہماک حسین:

یہ فقیہ بلند پایہ و مرد عظیم عزادری میں ہونے والی بعض غلط رسومات کو دیکھ کر ناصر الدین شاہ قاجار بادشاہ ایران سے اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

موارد و ہن و خرافی را از تعزیه ہا حذف کنند، و این گونه صحنہ ہا را بہ نمائش نگذارند، اگر این کار ہا میسر نمی باشد، حد اقل دستور دہید تعزیه عروسی قاسم را کہ خیل مستہجن است از برنامه حذف کنند۔^(۲)

۱۵۔ غلام رضا گلی زادہ مدظلہ:

آقای گلی زادہ نے حضرت قاسم بن امام حسنؑ کے حالات زندگی پر مفصل کتاب تحریر فرمائی ہے، جس میں ص ۹۷ تا ۱۱۰ تک عروسی حضرت قاسم بن امام حسنؑ کے ابطال پر سیر حاصل گفتگو کی ہے، فرماتے ہیں:

در برخی منابع غیر مستند کہ متأسفانہ عدہ ای ہر آنہا اعتماد کردہ و پارہ آن متون تاریخی و مقاتل کربلا راہ یافتہ و مرثیہ سرایان، و تعزیه نویسان، آنہا را مأخذ و منبع خویش قرار دادہ اند۔^(۳)

اور پھر اسی بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے شادی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

۱۔ مصائب امام حسین ص ۱۵ غلام علی رہائی بحوالہ حضرت قاسم بن امام حسنؑ گلی زادہ۔

۲۔ حضرت قاسم بن امام حسنؑ گلی زادہ ص ۱۰۱، و مجموعہ مقالات دو مین کنگرہ امام حسینؑ، و فرہنگ عاشورہ جلد ۱ ص ۷۷۔

۳۔ ص ۹۷۔

علماء شیعہ و محققان تاریخ کربلاء رخداد این ماجرا - عروسی حضرت قاسم بن امام حسن - را مورد تأمل دانسته و تعبیراتش را با وہن و خرافات توأم تلقی کرده اند.^(۱)

۱۶۔ حجۃ الاسلام والمسلمین پیشوائی مدظلہ:

آقای پیشوائی سے سوال ہوا کہ: آیا جریان عروسی حضرت قاسم در کربلا حقیقت دارد یا خیر؟

جواب: «حقیقت نداشته است، این از تحریف‌های آشکاری است، کہ در تاریخ عاشورا اضافه شده است، تا آنجا کہ بررسی هانشان می‌دهد، اولین کسی کہ این جریان را وارد تاریخ کرده، ملا حسین کاشفی بوده، کہ کتاب «روضۃ الشهداء» را نوشته است، دقیقاً مشخص نیست کہ این شخص شیعہ بوده یا سنی، بعضی‌ها می‌گویند: وقتی کہ هرات می‌رفته سنی می‌شده و وقتی بہ سمنان و دامغان می‌رسید، شیعہ می‌شده است.»^(۲)

۱۷۔ حجۃ اللہ اسلام محمد جواد نجفی صاحب "ستارگان درخشان" تحریر فرماتے ہیں:

مؤرخین مینویسند امام حسین علیہ السلام فقط دو دختر داشته، یک سکینہ و دیگری فاطمہ کہ زوجہ حسن مثنی بود،... پس اینکه می‌گویند امام حسین فاطمہ دختر خود را بہ حضرت قاسم علیہ السلام داد اصلی ندارد، و چنانچہ گفته شود: امام حسین یک دختر بنام فاطمہ مدینہ داشت و صحیح باشد باز ہم ربطی بہ حضرت قاسم کہ در کربلا بود ندارد.^(۳)

۱۔ حضرت قاسم بن حسن ص ۱۰۳

۲۔ تحریف‌های عاشوراء (سلسلہ نشست‌های کانون گفت‌وگو با مجتہد الاسلام والمسلمین پیشوائی)

۳۔ ستارگان درخشان جلد ۵ ص ۱۶۶۔

۱۸- محمد سلیمان شنگانی صاحب "قصص العلماء" (متوفی ۱۳۰۲ هـ ق)

«و اما این قول که فاطمه دختر امام حسین علیه السلام عروس قاسم بن حسن همراه او بود، و از قاسم حمل داشت، و پسری از او متولد شد، مسمی به قاسم ثانی که در جبال شمیران طهران مزار معروفی دارد، این نیز بسیار ضعیف است زیرا که:

اولاً؛ عروسی قاسم در روایات شیعه وارد نیست.

ثانیاً؛ قاسم یازده ساله بوده، و احتمال تولد و تولد در او ندارد.

ثالثاً؛ گوینده این سخن مسموع القول و معتمد و محل اعتناء علماء اعلام نیست.

رابعاً؛ اینکه در روز عاشورا باز کیفیات مع هوده جای واقعه و مباشرت قطعاً نبوده.

خامساً؛ این قول اینکه با آنچه شیخ مفید رحمته الله که از اعیان علماء امامیه است در کتاب ارشاد ذکر کرده منافات دارد، و آن اینکه حسن بن حسن مجتبی معروف به حسن مثنی در نزد عمه خود حضرت سید الشهداء علیه السلام به خواستگاری فرستاد، آنجناب فرمود که من برای تو دختر خود فاطمه را اختیار کردم، که او را دوست دارم، و به اسم ما در من فاطمه نامیده‌ام، پس فاطمه را بعقد او در آورد و حضرت سید الشهداء علیه السلام دختر دیگر بنام فاطمه ندارد، چنانچه سابق در ضمن اولاد آنحضرت مذکور شد، و اینکه می‌گویند: فاطمه صغری در مدینه ماند، و بیمار بود اصلی ندارد.^{۱۱}

۱۹۔ آیۃ اللہ سید ظہور حسینؒ نے اس موضوع پر دو مستقل کتابیں تحریر فرمائی ہیں، بہترین اسلوب تحقیق کے ذریعہ اس قصہ کو رو کیا ہے۔ ان میں سے ایک کتاب "تقریر الحاسم لقصہ عقد القاسم" ہے جس کا اقتباس ہم یہاں پر تحریر کر رہے ہیں:

بظاہر اس قصہ کی ابتدا روضۃ الشہداء سے معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس روایت کا، بطلان بھی خود صاحب روضۃ الشہداء کی تصریحات سے واضح ہوتا ہے، اور جس سے دروغ گور حافظ نباشد کی پوری تصدیق ہوتی ہے، اس عبارت میں ملائے کاشفی نے حضرت قاسم کی دامادی کو بیان کیا ہے، مگر حضرت کی دختر کا نام مصین نہیں کیا، لہذا اس تعین میں خود انہی کے کلام کی طرف رجوع کرنا چاہئے، چنانچہ انہوں نے حضرت سید الشہداء کی اولاد دختری میں، فقط فاطمہ اور سکینہ کو بیان کیا ہے، اور فاطمہ کے زوجہ حسن ثنی ہونے کی تصریح کر دی ہے، جیسا کہ کتاب مذکور کے صفحہ ۴۳۰ ذکر اولاد حضرت سید الشہداء میں لکھتے ہیں:

«او را چهار پسر و دو دختر بود»

اور اسی صفحہ کی آخری سطر میں لکھتے ہیں:

«دو چون فاطمہؑ خواہر زین العابدینؑ ہم از شہر بانو بود»، و
 بہ حسن بن حسن دادہ اند پس اولاد حسن مثنی را پیغامبری و بادشاہی
 جمع باشد۔»

ان عبارتوں پر نظر کرنے سے صاحب روضۃ الشہداء کے بیان کا متناقض اور قصہ مذکورہ کا موضوع دبے اصل ہونا کسی طرح پوشیدہ نہیں رہ سکتا، اسلئے کہ عبارت مذکورہ سے حضرت کی اولاد دختری کا فاطمہ و سکینہ میں انحصار اور فاطمہ کا زوجہ حسن ثنی ہونا ثابت ہوتا ہے۔۔۔

صاحب منتخب کا اس قصہ کو تحریر کرنا کئی وجوہ سے قابل استدلال نہیں:

۱۔ انہوں نے لفظ زوی یا نقل درج کیا ہے، جس سے ان کے نزدیک اس روایت کا ضعیف یا مشکوک الصحت ہونا ثابت ہے، اسلئے کہ لفظ زوی، یا نقل، یا جانت الروایۃ، یا زبرد کذا، وغیرہ کا استعمال خبر ضعیف یا مشکوک الصحت میں کیا جاتا ہے، اور یہ مسئلہ علمائے فریقین کا متفق علیہ ہے۔

۲۔ صاحب منتخب نے غالباً اس قصہ کو روضۃ الشہداء سے نقل کیا ہے، جیسا کہ سید العلماء نے مجالس مفجہ میں فرمایا ہے کہ ”فکن ذکرہا فخر الدین فی جامعہ وکان ماخذہ تاریخ المسین الکاشفی“ چونکہ بیان روضۃ الشہداء کی تردید کی جا چکی ہے، اس لئے جب اصل نامعتبر ہے، تو فرع کے نامعتبر ہونے میں کہاں تک رہا۔
۳۔ بالفرض یہ روایت منتخب میں روضۃ الشہداء سے ماخوذ نہ ہو، تب بھی کوئی عاقل اس کو صحیح نہیں مان سکتا، اس لئے کہ منتخب کی عبارت جو مجالس مفجہ سے نقل کی گئی ہے ایسے اشعار پر مشتمل ہے جو حضرت قاسم کی جلالت قدر کے سراسر منافی ہیں، کیونکہ ان اشعار میں ایسے عاشقانہ مضامین مذکور ہیں، جن کو عاشق سرگشتہ کے سوا کوئی بیان نہیں کر سکتا، خاص طور پر جناب سید الشہداء اور اہل بیت اطہار کے سامنے، ایسے اشعار کا زبان پر جاری کرنا نہایت بے شری بے باکی اور جسارت ہے، جس کے لوٹ و آلودگی سے حضرت قاسم کا دامن طہارت مبرا اور منزہ ہے۔

۴۔ ان اشعار میں ایسے عیوب اور نقائص موجود ہیں، جو کسی طرح اہل زبان کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے، بلکہ یہ اشعار کسی قاعدے سے بھی درست نہیں، اس مطلب کو وہ لوگ بہتر جان سکتے ہیں جو فن عروض میں فی الجملہ مہارت رکھتے ہیں، خاص

طور پر مصرع "باطول حزنی وقلبی فیک افکار" کا معنی شواکل ہونا محتاج بیان نہیں اس لئے کہ لفظ افکار جو کلمہ فارسی ہے کسی عرب اہل زبان کا کام نہیں۔

۵۔ اس داستان میں زوجہ قاسم کا تمام اہل بیت کے سامنے قاسم کے دامن کو پکڑ لینا، جانب میدان جانے سے مانع ہونا، ان کے فراق میں جزع و فزع کرنا، یوم حشر کی معرفت کیلئے قاسم کا قطعہ آستین کو ان کے حوالہ کر دینا، اور اہل بیت کا اس فعل کے بعد شدت گریہ و زاری کرنا، مذکور ہے، مگر ایسے افعال کا سبب بزرگوں کے سامنے فاطمہ بنت الحسین اور قاسم ابن الحسن دونوں بزرگوں کی جلالتِ قدر اور حیائے فطری کے بالکل مٹانی ہے۔^(۱)

آگے چل کر مزید تحریر فرماتے ہیں کہ صاحب "ریاض الشہادۃ" کی عبارت سے چند وجوہ استدلال درست نہیں ہے:

پہلی وجہ

صاحب ریاض نے قاسم کا عقد فاطمہ بنت الحسین کے ساتھ ہونا بیان کیا ہے، حالانکہ حضرت کی اولاد میں فاطمہ صرف ایک ہی تھیں، اور ان کا عقد قبل واقعہ کربلا مدنیہ منورہ میں حسن مثنیٰ کے ساتھ ہو چکا تھا، اسی طرح فاطمہ بنت الحسین اور حسن بن حسن کا کربلا میں بمعیت جناب سید الشہداء موجود ہونا، اور حسن بن حسن کا رہائی پاکر مدینہ کو مراجعت کرنا، علمائے فریقین کی تصریحات سے ثابت ہے، بلکہ خود صاحب ریاض الشہادۃ نے واقعہ کربلا کے بعد تادمت دراز زندہ رہنا تحریر کیا ہے، چنانچہ ریاض الشہادۃ جلد دوم صفحہ ۲۷۱ میں مرقوم ہے:

حسن زخم بسیار در جہاد برداشت و بیہوش در معرکہ افتاد تا آن کہ نزاع منقضی شد آن وقت او را اسیر نموده بردند و او ماند و عمری بسیار کرد اولاد بسیار از و بہم رسید.

(۲) صاحب ریاض الشہادۃ نے اس روایت کو روضہ الشہداء اور منتخب الطریقہ کی سے نقل کیا ہے اور ان کی ترویج کی جا چکی ہے۔

(۳) ان کی عبارت منقولہ کے فقرے: "لذا به همین طریق که در آن دو کتب به نظر رسیدہ نقل می شود۔" میں قصہ مذکورہ کے روضہ الشہداء اور منتخب سے بدون تصرف اور بے کم و کاست نقل کرنے کا اظہار کیا ہے، درحالیکہ ان کی عبارت میں کئی ایسے امور ہیں جو روضہ اور منتخب میں بالکل نہیں مثلاً وصیت امام حسن علیہ السلام میں بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کا بالتخصیص نامزد ہونا حالانکہ روضہ الشہداء اور منتخب الطریقہ میں کسی بی بی کا نام نہیں خصوصاً روضہ الشہداء میں وصیت مذکورہ کا دوسرے مقام پر بھی اجمالاً ذکر ہوا ہے مگر وہاں بھی دختر مشارلیہا کا کوئی نام نہیں بیان کیا گیا۔

چنانچہ روضہ الشہداء میں یہ عبارت درج ہے:

و نقلی هست کہ ام کلثوم را گفت: ای خواہر نامدار من و یادگار
ما در بزرگوار من فرزندانم قاسم را حاضر گردان، ام کلثوم بفرمود تا قاسم
را حاضر بہ آوردند، حسن او را در پر گرفت در روی ہر روی وی نہادہ
بہائی ہائی بگریست، بعد از آن دست قاسم بگرفت، و بدست حسین داد
و گفت: ای برادر فلانہ دختر ترا نامزد پسرخود قاسم کردم چون وقت
آید ہوشی سپاری۔^(۱)

امام حسین کا قبل عقد خطبہ پڑھنا حالانکہ روضہ اور منتخب میں خطبہ پڑھنے کا قطعاً ذکر نہیں ہے، عقد مذکور کا مہر شہادت پر واقع ہونا درآئحالیکہ روضہ اور منتخب میں اس عجیب و غریب مطلب کا کہیں وجود نہیں، اس کے علاوہ اس مطلب کی لغویت صاف ظاہر ہے، کیونکہ شریعت مطہرہ میں مہر شہادت پر عقد درست نہیں، پھر اس کا حضرت کی طرف منسوب کرنا کس قدر بے ادبی اور جسارت ہے، ماور قاسم کا وقت

عقد موجود نہ ہونا اور بعد وقوع اس پر اطلاع پانا حالانکہ روضہ اور منتخب میں مادر قاسم کا عند العقد موجود ہونا مذکور ہے، زنان حرم کا فاطمہ کو زینت کرنا اس کا بھی روضہ اور منتخب میں اصلاً تذکرہ نہیں ہے، اس مطلب کو بھی صاحب ریاض نے دوسرے مطالب کی طرح اپنی طرف سے مستزاد کیا ہے، بہر حال وجوہ مذکور پر نظر کرنے سے صاحب ریاض الشہادۃ کے کلام کا ساقط از اعتبار ہونا کسی طرح مخفی نہیں رہ سکتا۔

اس کے علاوہ روضۃ الشہداء اور منتخب طریق کی عبارتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قصہ میں جناب امام حسن کا جناب سید الشہداء کی جن صاحبزادی کو حضرت سے نامزد کرنے کا ذکر ہوا ہے وہ صاحبزادی حضرت امام حسن کے زمانہ حیات میں موجود تھیں، چنانچہ روضۃ الشہداء کے باب ششم کی عبارت منقولہ کافقرہ:

ہای برادر فلانہ دختر ترا نامزد پسرخود قاسم کردم چون وقت آید

یوشی سپاری۔

اس مطلب پر بصراحت دلالت کرتا ہے، اور منتخب کی عبارت: «ومسك بيد ابنة النبي كانت مسماة للقاسم» سے بھی ان صاحبزادی کا حضرت امام حسن کی حیات میں موجود ہونا اور آنحضرت کا ان کو قاسم سے نامزد کرنا مستفاد ہوتا ہے، حالانکہ خود صاحب روضۃ الشہداء کی عبارت سے جناب سید الشہداء کی اولاد میں کوئی صاحبزادی ایسی نہیں معلوم ہوتی جو حضرت امام حسن کے عہد میں قاسم سے نامزد ہونے کی صلاحیت رکھتی ہوں، اس مطلب کی توضیح یہ ہے کہ صاحب روضہ نے اپنی کتاب کے خاتمہ میں جناب سید الشہداء کی اولاد دختری کو صرف دو صاحبزادیوں میں منحصر کیا ہے جن سے فاطمہ اور سیکندہ مراد ہیں ان دونوں صاحبزادیوں میں سے فاطمہ کا عقد حسن ثنی کے ساتھ ہونا خود صاحب روضۃ الشہداء نے کئی مقام پر بیان کیا ہے اور سیکندہ بنت الحسین کا عقد عبد اللہ بن حسن کے ساتھ واقع ہونا آئندہ مذکور ہوگا، چونکہ حسن ثنی اور عبد اللہ دونوں کا معرکہ کربلا میں موجود ہونا مسلم و محقق ہے لہذا فاطمہ یا سیکندہ کا قاسم سے نامزد ہونا محض بے معنی ہے۔

فاطمہ بنت الحسین کا حضرت امام حسن کی حیات میں موجود نہ ہونا ثابت ہے، اس لئے کہ فاطمہ بنت الحسین کی مادر گرامی ام اہل حق سے جنہیں حضرت امام حسن کی زوجیت کا شرف حاصل تھا اور حضرت امام حسینؑ نے بڑے بہائی کی شہادت کے بعد حسب وصیت عقد کر لیا تھا، اس حساب سے امام حسنؑ کی شہادت سے فاطمہ کی ولادت کا کم سے کم دس مہینہ دس روز یا تیرہ مہینہ دس روز بعد واقع ہونا ثابت ہوتا ہے جب یہ صورت ہے تو حضرت امام حسنؑ کا ان کو قاسم سے نامزد کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے، اور چونکہ سکینہ بنت الحسینؑ فاطمہ سے چھوٹی تھیں اس لئے امام حسنؑ کا ان کو نامزد قاسم کرنا بدرجہ اولیٰ معقول نہیں ہو سکتا، بہر حال ان دونوں صاحبزادیوں کا حضرت امام حسنؑ کی حیات میں حضرت قاسم بن امام حسن سے نامزد ہونا کسی طرح درست نہیں۔

صاحب روضۃ الشہداء نے کتاب مذکور کے باب اول میں حضرت کی ایک دختر ہفت سالہ کا بحالت بیماری مدینہ میں رہ جانا بھی نقل کیا ہے اور یوں تحریر فرماتے ہیں:

«در اخبار آمدہ کہ چون شہزادہ حسین علیہ السلام از مدینہ بیرون آمدہ عزیمت کوفہ نمود او را دختری بود ہفت سالہ و بجهت رنجوری کہ او را عارض شدہ بود نتوانست کہ با خود ہمراہ بردارد خانہ ام المومنین ام سلمہ علیہا السلام بگذاشت.»^(۱)

اس کے بعد غراب کی حکایت غریبہ بیان کی ہے، بہر حال اگر روایت روضۃ الشہداء کے سقم و فساد سے قطع نظر کی جائے تب بھی اس دختر ہفت سالہ کو نامزد قاسم کرنا دو وجہ سے درست نہیں ہو سکتا۔ اول یہ کہ دختر مذکورہ کی ولادت تقریباً سنہ ۵۳ ہجری میں قرار پائی ہے، جس کی بنا پر ان کا سن واقعہ کر بلا کے وقت ہفت سالہ قرار پا سکتا ہے حالانکہ حضرت امام حسنؑ نے سنہ ۵۰ ہجری میں رحلت فرمائی تھی، خود صاحب روضہ نے بھی حضرت کی شہادت سنہ ۵۰ ہجری میں واقع ہونا تحریر کیا ہے، چنانچہ کتاب مذکور کے خاتمہ مقصد اول میں مرقوم ہے:

وفاتش شب شنبہ ہست دہم صفر سن خمسین من الهجرة.^(۱)

اس حساب سے دختر مذکورہ کی ولادت کا زمانہ حضرت کی وفات کے زمانہ سے تقریباً چار سال بعد قرار پاتا ہے، لہذا دختر مذکورہ کا امام حسنؑ کی حیات میں موجود ہونا اور حضرت کا ان کو قاسم سے نامزد کرنا سراسر فاسد ٹھہرا۔

دوسرے یہ کہ صاحبزادی موصوفہ حسب تصریح صاحب روضۃ الشہداء مدینہ میں تھیں تو ان کا عقد کر بلا میں روز عاشورا کیونکر صحیح ہوگا۔

ملائے کاشفی نے کنز الغرائب سے ایک اور دختر چہار سالہ کا جناب سید الشہداءؑ کی اولاد میں ہونا نقل کیا ہے، چنانچہ کتاب روضۃ الشہداء کے صفحہ ۴۱۲ میں مرقوم ہے:

در کنز الغرائب آورده کہ یزید اہل بیت علیہ السلام را در درون کوشک خود جائی مقید ساخته بود و امام حسین علیہ السلام دختری داشت چہار سالہ و بسیار او را دوست داشت.

صاحب منتخب نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے لیکن انہوں نے اس صاحبزادی کی عمر تین سال کی لکھی ہے، بہر حال یہ صاحبزادی بھی حضرت امام حسنؑ کی حیات میں موجود نہ تھیں، صاحب روضۃ الشہداء نے ان چار صاحبزادیوں کے علاوہ اور کسی صاحبزادی کا حضرت کی اولاد میں ہونا اصلاً نقل نہیں کیا، اس مختصر بیان سے بھی قصہ ولما دی کا بے اصل محض ہونا ثابت ہوتا ہے۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ حضرت امام حسنؑ نے زید اور حسنؑ ثنی اور عبد اللہ یا کسی دوسرے بیٹے کیلئے تو عقد کی وصیت نہ کی اور قاسم کے عقد کے واسطے جو اپنے والد کی وفات وقت بہت ہی صغیر تھے، وصیت فرمائی، اس سے زیادہ حیرت انگیز کہ جن عقدوں کی بابت وصیت نہ تھی ان کو حضرت نے مدینہ میں کر دیا

اور جس عقد کے واسطے وصیت تھی اس کو تعویق میں ڈالے رکھا، سب سے زیادہ قابل غور یہ بات ہے کہ اگر فاطمہ کے عقد کی قاسم کے ساتھ وصیت ہوتی تو حضرت ان کا عقد حسن ثنی کے ساتھ کیسے کر دیتے، پھر ایک شوہر کی موجودگی میں دوسرا عقد کیسا، کس قدر حیرت افزا اور فسوناک بات ہے کہ پڑھنے والے اور اس کی تائید کرنے والے یہ نہیں سوچتے کہ اس توہین آمیز افترا کا ذکر (نظم یا نثر) لکھنا اور بے ادبی کی کس حد تک پہنچا ہوا ہے...

اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ساتویں محرم کو مہندی کے متعلق خاص طور پر اہتمام کیا جاتا ہے، بفرض محال اگر وصیت کا اظہار اور اس پر عمل ہوا بھی تو دسویں کو قریب دو پہر ہوا، ساتویں کو مہندی چہ معنی دارد، اس کے علاوہ یہ رسمیں مہندی، سانچنی وغیرہ وغیرہ ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنی ہمسایہ قوموں سے لی ہیں، عرب میں جہاں اب بھی یہ باتیں نہیں آج سے تیرہ سو برس پہلے ہونا کس قدر بعید از عقل بالتحصیص ہندوؤں کی ایک رسم کو خاندان رسالت کی طرف منسوب کرنا مسلمانوں کیلئے کس قدر شرمناک اور لایعنی حرکت ہے۔^(۱)

۲۰۔ علامہ محقق سید شاکر حسین امر وہوی مرحوم

مؤرخ امر وہوی نے اپنی کتاب مجاہد اعظم کے صفحہ ۲۶۳ سے ۳۱۸ تک پورے ۵۴ صفحات پر بحث کر کے عقلی اور نقلی دونوں اعتبار سے اس شادی والی روایت کو بھرپور انداز سے رد کیا ہے تفصیل کے شاہدین اصل کتاب کی طرف رجوع فرمائیں، سر دست بعض مطالب یہاں تحریر کیے جاتے ہیں۔ فاضل مروہوی تحریر فرماتے ہیں:

”ان وضعی اور جعلی روایتوں میں سب سے زیادہ مشہور اور قابل لحاظ ولامادی قاسم کی روایت ہے... مگر یہ قصہ محض بے بنیاد ہے، بے اصل اور سراسر بہتان وافتراء ہے، قصہ کی تمام کتابوں میں اس کا کہیں ذکر نہیں ملتا، متاخرین نے بھی جس نے

روایات و وقعات کی صحت و غیر صحت کا لحاظ رکھا ہے، اس روایت کو نقل نہیں کیا، البتہ آخر زمانہ میں کتاب روضۃ الشہداء سے جو اکاذیب و باطلیل کا خزانہ ہے یہ بلا نقلی، اسے ایک نئی اور دلچسپ بات دیکھ کر شیخ فخر الدین طریقی نے اپنی منتخب میں نقل کر دیا، اس کے بعد دوسرے جدت پسند... بلا سوچے سمجھے، اس روایت کو نقل در نقل کرتے آئے، اور یہ کور کورانہ تقلید آئندہ نسلوں کیلئے حجت ہوگی۔^(۱)

ایک محققانہ انداز گیری کے مطابق نفی عقد شہزادہ قاسم علیہ السلام پر تقریباً انہی وجوہات کا ذکر کیا ہے۔ جسے ہم نے انکار کی وجوہات کے عنوان سے قارئین کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ مطالب بہت زیادہ ہیں لیکن اختصار کے پیش نظر فارسی عربی کا جہاں ترجمہ نہیں کیا وہاں دیگر اعلام کی عبارات ابھی موقوف کی جا رہی ہیں۔ کتابوں کے نام اور صفحات ہم نے تحریر کر دیے ہیں، شائقین اور محققین رجوع فرمائیں۔

عقد شہزادہ قاسم علیہ السلام کے قائلین کی ادلہ
اس عقد کے اثبات میں پیش کی جانے والی ادلہ فقط تین ہیں:
پہلی دلیل

یہ ٹھیک ہے کہ اگر امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں تعداد دختران ۲ مان لی جائے تو یہ عقد ممکن نہیں ہے۔ لیکن بعض مورخین نے ۳ اور ۴ کے اقوال بھی تو تحریر کیے ہیں۔

جواب

اس دلیل کی صحت و سقم کے بارے پانچویں سوال کے جواب کے ضمن میں انجام دی جانے والی تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔

دوسری دلیل

اس عقد کو بعض علماء نے اپنی کتب میں درج کیا ہے۔

جواب

اس سے تو ہمیں انکار نہیں کہ بعض علماء نے اسے تحریر کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ درایت کے اصول پر یہ تحریر پوری اترتی ہے یا نہ؟ ورنہ انہیں کتب میں تو شہزادہ قاسم علیہ السلام کے فاطمہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کے بطن سے بیٹے کا بھی ذکر ہے اور ان کی شہادت کی داستان بھی تحریر ہے، ان کی قبر بھی ایران کے شہر تہران کے علاقہ شمران میں بنی ہوئی ہے۔ اگر کتابوں میں ہونا میرزا ان حقیقت ہے تو قائلین عقد اسے کیوں نہیں مانتے اور کیوں نہیں پڑھتے۔ اسکے علاوہ بھی دسیوں ایسی باتیں کتب میں تحریر ہیں جو مسلمات شیعہ کے مخالف ہیں۔

تیسری دلیل

امام حسن علیہ السلام کا وصیت نامہ

جواب

اس وصیت نامے کی رو میں علماء اعلام بالخصوص آیت اللہ سید ظہور الحسن نے مفصل بحث کی ہے۔ یعنی ایسی کوئی وصیت معتبر سند کے ساتھ ثابت ہی نہیں ہے۔

اثبات عقد پر مولانا محمد حسنین سابقی مرحوم کے دو غلط حوالے

سابقی صاحب نے عروسی حضرت قاسم کو ثابت کرنے کے لئے، جہاں غلط حوالہ جات سے تمسک کیا ہے، وہاں انکے کلام میں تضاد بھی موجود ہے۔

پہلا حوالہ

مثلاً لکھتے ہیں کہ شیخ عباس قتی صاحب کتاب ”مفتاح الجنان“ نے ”نفس المصوم ترجم فارسی، ص ۱۷۱ میں لکھا ہے، ہماری نظر میں جناب قاسم کی شادی کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔^(۱)

ساتھی مرحوم نے یہاں پر چند غلط بیانیوں سے کام لیا ہے:

اولاً؛ نفس المصنوع عربی کی کتاب ہے، اس کا چند افراد نے فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ دوسرے افراد کے حاشیے کو مصنف کی طرف جان بوجھ کر نسبت دی ہے۔

ثانیاً؛ شیخ عباس قمی مرحوم نفی عروسی قاسم کے قائل ہیں، جناب لکھتے ہیں:

مخفی نماند کہ قصہ دامادی جناب قاسم علیہ السلام در کربلاء و تزویج او فاطمہ

بنت الحسین علیہ السلام را صحت ندارد، چہ آنکہ در کتب معتبرہ بہ نظر نرسیدہ، و

بعلاوہ آنکہ حضرت امام حسین علیہ السلام را دو دختر بودہ^(۱).

دوسرا حوالہ

لکھتے ہیں، مجتہد جلیل القدر آقا سید علی بن مرزا محمد حسین مرعشی (متوفی ۱۳۴۴ھ) نے عقد جناب قاسم کے اثبات پر کتاب "البیان المبرہن فی عرس القاسم بن الحسن" عربی تالیف فرمائی، ملاحظہ ہو الذریعہ جلد ۳ ص ۱۸۳^(۲) اس جلیل القدر مجتہد نے اس عقد کے رد پر یہ کتاب لکھی ہے نہ کہ اثبات میں، اس کی توضیح ہم سابقہ اوراق میں دے چکے ہیں اور علامہ احمد القالی نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ رسالہ ہند سے آنے والے سوال کے جواب میں لکھا گیا ہے:

ولایخفی ان المرحوم علامہ السید محمد علی الشہرستانی و سئل

هذا السؤال بعینه من شیعة الہند قاتی فی برسالۃ مستقلہ فی الجواب^(۳).

اس حوالہ سے دوسری غلط بیانی یہ کی گئی ہے کہ اس کی نسبت بھی صاحب الذریعہ کی طرف دے دی وہی حالانکہ الذریعہ سے ایسی کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی جس سے ثابت ہو کہ یہ کتاب اس مسئلہ کے اثبات پر تحریر ہوئی ہے۔

۱۔ منتہی الامال چاپ جدید جلد ۱ ص ۷۰۰۔

۲۔ رسوم الشیعہ ص ۲۰۰۔

۳۔ اجوبہ مسائل دینیہ نص ۱۱۹۔

تضاد بیانی

ایک طرف تو یہ حضرات اس عقد کے اثبات پر زور دیتے ہیں اور مصائب میں بیان کرتے ہیں کہ بی بی فاطمہ کبری سلام اللہ علیہا نے کربلاء کے جانسوز واقعہ کے بعد اپنی والدہ کے ہمراہ ایران کی طرف سفر کیا اور ایران میں دونوں مخدرات یعنی جناب بی بی شہربانو سلام اللہ علیہا اور فاطمہ کبری سلام اللہ علیہا کی زیارت گاہیں بھی بنی ہوئی ہیں۔^(۱)

لیکن دوسری طرف مجالس میں فیض لی جاسکتی ہے کے عنوان سے بحث کرتے ہیں تو یہاں پر آ کے اسی فاطمہ کبری سلام اللہ علیہا کے عمل سے استدلال کرتے ہیں، اس حوالہ سے سابق صاحب لکھتے ہیں:

شعراء و مصائب خوانان اہل بیتؑ کی جس قدر مالی معاونت کی جائے وہ کم ہے، جیسا کہ خود اہل بیت اطہار کا یکساں وطیرہ رہا ہے، جس پر مندرجہ ذیل روایات سے بخوبی روشنی حاصل کی جاسکتی ہے:

(۱) حضرت فاطمہ کبری بنت امام حسین علیہ السلام نے شاعر اہل بیت کیت بن اسدی کو تیس ہزار دینار اور ایک گھوڑا عطا کیا۔^(۲)

سابق صاحب مرحوم ہو گئے ہیں اور اس کتاب کا پیش لفظ لکھنے والے علی حسین قمی صاحب حیات ہیں اب یہ معمہ وہ حل کریں کہ بی بی فاطمہ کبری بنت امام حسین کربلاء کے بعد ایران آئیں یا مدینہ واپس لوٹیں۔ ہم کچھ لکھیں گے تو شکایت ہوگی۔

مجلہ میں اختصار کی وجہ سے ناصر الملت کے عقد قاسم کی نفی والے جواب کی تائید میں علماء کے بیانات کا سلسلہ ختم کیا جاتا ہے، مزید توضیحات اصل کتاب کی تحقیق کے دوران لکھی جائیں گی۔ ان شاء اللہ

۱۔ تہران میں جس زوجہ قاسم کا حزر ہے اس کا نام ”زبیدہ خاتون“ لکھا ہوا ہے۔ جبکہ یہ نام امام حسین علیہ السلام کی کسی بھی دختر کا نہیں

سوال پنجم: جناب فاطمہ صفراء کا مدینہ میں رہنا بوجہ مرض صحیح ہے یا ضعیف یا کذب صریح؟ جناب امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادیاں کتنی تھیں؟

جواب: واللہ التوفیق۔ روایات مستفیضہ متکاثرہ معتبرہ سے ثابت ہے کہ جناب فاطمہ صفریٰ ہمراہ جناب سید شہداء معرکہ کربلا میں موجود تھیں اور ان کا مدینہ میں رہنا بوجہ مرض کے کسی ضعیف روایت میں بھی نہیں دیکھا، ہاں بحار الانوار میں ایک روایت مشتمل بر ذکر غراب ایسی پائی جاتی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب فاطمہ صفریٰ مدینہ میں تھیں، لیکن یہ روایت غراب غریب ہے، جیسا کہ مجلسی علیہ رحمہ نے خود اس کی تصریح جلاء العیون میں فرمادی ہے۔ چنانچہ اس روایت کے تذکرہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں: "این حدیث خالی از غرابتی نیست بہ جہت مخالفت با اخبار دیگر" بالجملہ چونکہ یہ روایت ماخوذ ہے مقلد انطب خوارزم حنفی سے اور ضعیفۃ السند ہے، اور مخالف روایات کثیرہ معتبرہ ہے، لہذا مقبول نہیں ہو سکتی، اور جناب سید شہداء علیہ السلام کی صاحبزادیاں بنابر قول مشہور دو تھیں ایک حضرت فاطمہ صفریٰ اور دوسری حضرت سکینہ واللہ اعلم۔^(۱)

تائیدات جواب پنجم

اس سوال میں دو مسئلے پوچھے گئے ہیں:

۱۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی بیٹیوں کی تعداد؛

۲۔ جناب فاطمہ صغریٰ سلام اللہ علیہا کا مدینہ میں رہ جانا۔
ہم ان دونوں سوالوں کے بارے میں جداگانہ بحث کریں گے تاکہ مطلب واضح ہو سکے:

پہلا مسئلہ: تعدد اولاد امام حسین علیہ السلام

امام حسین علیہ السلام کی تعدد اولاد کے بارے میں اہل سیر و تاریخ میں قدر اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہم نے جس حد تک ممکن تھا تلاش و جستجو کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ امام کی اولاد کے بارے میں پانچ عدد اولاد سے لے کر بارہ عدد تک کے اقوال موجود ہیں۔ کل اقوال کی تعدد ۸ ہے۔

امام حسین علیہ السلام کی اولاد کی تعدد بارے اقوال

- پہلا قول: حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد کی تعدد ۱۲ عدد (آٹھ بیٹے اور چار بیٹیاں)؛
دوسرا قول: حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد کی تعدد ۱۰ عدد (چھ بیٹے اور چار بیٹیاں)؛
تیسرا قول: حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد کی تعدد ۱۰ عدد (آٹھ بیٹے اور دو بیٹیاں)؛
چوتھا قول: حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد کی تعدد ۹ عدد (چھ بیٹے اور تین بیٹیاں)؛
پانچواں قول: حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد کی تعدد ۸ عدد (چار بیٹے اور چار بیٹیاں)؛
چھٹا قول: حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد کی تعدد ۷ عدد (پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں)؛
ساتواں قول: حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد کی تعدد ۶ عدد (چار بیٹے اور دو بیٹیاں)؛
آٹھواں قول: حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد کی تعدد ۵ عدد (تین بیٹے اور دو بیٹیاں)۔

لیکن اکثر اہل سیر و تاریخ و علماء علم انساب ۶ عدد کے قائل ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ اختلاف امام کی کل اولاد کے بارے میں ہے، جس میں بیٹیاں اور بیٹے شامل ہیں مگر صرف بیٹیوں کے بارے میں کل تین اقوال ہیں یعنی ۲، ۳، ۴ اس اجمال کی تفصیل اس طرح ہے:

پہلا قول: اولاد امام کی تعداد ۱۲ عدد ہے:

میرزا ابوالفضل تہرانی حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد کے متعلق یوں تحریر فرماتے ہیں:

علی الجملہ مجموع اولاد سید الشہداء علیہ السلام بناء بر جمیع روایات دوازده تن بوده اند، کہ دو نفر یقیناً شہید شدہ اند... و اقوای این وجوہ همان روایت شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ است کہ اوثق و ابصر از سائرین است...^(۱)

یاد رہے کہ آقائے تہرانی ۱۲ عدد کے معتقد نہیں ہیں، بلکہ انہوں نے صرف جمع روایات کی ہے، وہ خود ۶ عدد کو ترجیح دیتے ہیں۔

دوسرا قول: دس عدد اولاد (یعنی چھ بیٹے اور چار بیٹیاں)

وہ علماء اعلام جو امام حسین علیہ السلام کی تعداد اولاد میں عدد دس کے قائل ہے درجہ ذیل ہیں:

۱۔ کمال الدین محمد بن طلحہ الشافعی، جو اپنی کتاب مطالب السؤل میں رقمطراز ہیں:

کان له من اولاد ذکور و انات عشرة ستة ذکور و اربع انات

۲۔ مقدس اردبیلی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ، اپنی کتاب حدیقتہ الشیعہ میں یہ قول اختیار کیا ہے:

انحضرت را شش پسر و چهار دختر بود.

پھر سب کے نام لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

وبعضی سے دختر گفته اند زینب، سکینہ، فاطمہ و این قول اصح است

کہ زینب نام دو دختر بودند صغری و کبری.^(۲)

یعنی امام کی دس اولادیں تھیں چھ فرزند... چار دختر لیکن بعض نے تین دختر بھی لکھی ہیں اور یہ قول درست ہے کہ امام کی زینب نام کی دو بیٹیاں تھیں زینب صغریٰ و زینب کبریٰ۔

۱۔ شفاء الصدور فی شرح زیارۃ العاشور ص ۵۳۵۔

۲۔ حدیقتہ الشیعہ ص ۵۰۳ چاپ سوم۔

(۳) محمد رضا مدرسؒ ہے۔ جنہوں نے اسی قول کو اختیار کیا ہے لیکن انہوں نے بھی امام کی چوتھی دختر کا نام نہیں لکھا۔^(۱)

(۴) آقائی محسن امین عالمیؒ بھی دس عدد کے قائل ہیں۔^(۲)

تیسرا قول: دس عدد اولاد (آٹھ بیٹے اور دو بیٹیاں)

آقائی سید مہدی رجائی موسوی نے امام حسینؑ کی دس اولادوں کا ذکر کیا ہے ۸ فرزند اور دو دختر، لیکن اگر وقت سے دیکھا جائے تو یہ قول اس بات پر ناظر ہے کہ امامؑ کے چھ فرزند اور دو دختر تھیں، کیونکہ امامؑ کی اولاد ذکور میں سے ایک ابو بکر کو ذکر کیا ہے جسے جعفر بھی کہتے تھے، اور پھر جعفر کا ذکر جدا بھی کیا ہے، اور اسی طرح عبد اللہ اور علی اصغرؑ کو جدا جدا تحریر کیا ہے جبکہ دونوں سے مراد ایک ہی ہے۔ لیکن بہر حال دختران امام ان کے نزدیک دو ہی ہیں۔^(۳)

انکے بعد والے اہل قلم میں سے جس نے بھی دس عدد والا قول اختیار کیا ہے انہوں نے انہی میں سے بعض کتابوں خصوصاً مطالب السؤل کے حوالہ پر اکتفا کیا ہے۔

ان حضرات کی عبارات سے امامؑ کی فاطمہ نام کی دو بیٹیاں اشارۃً و کنایۃً سمجھ میں نہیں آتیں لے دے کے محقق اردبیلیؒ ایسے ملے ہیں جنہوں نے امامؑ کی دو بیٹیوں کے نام زینب کبریٰؑ و زینب صغریٰؑ بتائے ہیں، لیکن زینب کبریٰؑ کے حالات زندگی کی طرف اصلاً اشارہ تک نہیں کیا، اور آقائی رجائی تعداد دختر کی کے حوالہ سے دو بیٹیوں والے نظرے کے حامی ہیں۔

۱۔ جنات الخلود ص ۲۲۔

۲۔ ایمان الشیعہ ج ۲، امام حسنؑ امام حسینؑ ص ۱۰۸۔

۳۔ المحتجبون من آل ابی طالب ج ۳ ص ۵۔

چوتھا قول: نوحہ اولاد (چھ بیٹے اور تین بیٹیاں)

اس قول کے قائل علماء اعلام درجہ ذیل ہیں:

(۱) علامہ ابن شہر آشوب:

ابن شہر آشوب مناقب میں امام مظلوم کی نوحہ اولاد کے قائل ہیں، اس ترتیب کے ساتھ:

۱۔ جناب علی اکبر شہید علیہ السلام؛ ۲۔ جناب علی الامام اوسط علیہ السلام؛

۳۔ جناب علی اصغر علیہ السلام؛ ۴۔ جناب محمد علیہ السلام؛

۵۔ جناب عبد اللہ علیہ السلام؛ ۶۔ جناب جعفر علیہ السلام؛

۷۔ حضرت بی بی سکینہ سلام اللہ علیہا (بی بی رباب سلام اللہ علیہا سے)

۸۔ حضرت بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا (بی بی ام اسحاق سلام اللہ علیہا سے)

۹۔ حضرت بی بی زینب (والدہ کا نام نہیں لکھا) ^(۱)

(۲) محمد بن عبد اللہ بن نصر معروف بہ ابن خشاب بغدادی (متوفی ۵۶۷ھ):

ابن خشاب سید الشہداء علیہ السلام کی اولاد کی تعداد بارے میں لکھتے ہیں:

ولد له ستة بنين وثلاث بنات

حضرت امام حسین علیہ السلام کے بیٹے اور تین بیٹیاں مجموعاً نوحہ دہ تھی جن کی تفصیل درجہ ذیل ہے:

چھ بیٹے: ۱۔ جناب علی اکبر علیہ السلام؛ ۲۔ جناب علی امام اوسط علیہ السلام؛

۳۔ جناب علی اصغر علیہ السلام؛ ۴۔ جناب جعفر علیہ السلام؛

۵۔ جناب عبد اللہ علیہ السلام؛ ۶۔ جناب محمد علیہ السلام؛

تین بیٹیاں: ۷۔ جناب زینب علیہا السلام؛ ۸۔ جناب سکینہ علیہا السلام؛

۹۔ جناب فاطمہ علیہا السلام ^(۲)

(۳) مؤمن شہلنجی:

۱۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۷۷

۲۔ موالید الامم ووفیاتہم، مجموعہ نفیسہ ص ۷۷۔

مومن شہلنجی نے صاحب ”بغیۃ الطالب لمعرفة اولاد علی ابن ابی طالب علیہ السلام“ کا قول نقل کیا ہے:

كان له ست بنين و ثلاث بنات، وهم علي اكبر امه ليلي وعلي اوسط
وعبدالله وعلي اصغر زين العابدين وزينب وسكينة وفاطمة^(۱)

(۴) ابو جعفر محمد بن جریر بن رستم طبری الامامی دلائل الامامہ ص ۷۷۔

یہ ہیں وہ علماء جنہوں نے امام کی اولاد کو عدد دیتائی ہے اگر کوئی اور اس نظریہ کا قائل ہے تو ان میں سے کسی کی طرف نسبت کیساتھ، فلا تغفل۔

پانچواں قول: آٹھ عدد اولاد (چار بیٹے اور چار بیٹیاں)

(۱) آقا کی ہادی امینی فرزند عبدالحسین امینی صاحب ”الفخر“ نے صاحب ”موجز التورخ“ کا قول نقل کیا ہے:

یہ صاحب امام کی اولاد کی تعداد ۸ آٹھ عدد بتاتے ہیں، چار فرزند چار دختر چار
دختر کے نام یہ ہیں: ۱۔ جناب سکینہ سلام اللہ علیہا؛ ۲۔ جناب زینب سلام اللہ علیہا؛
۳۔ جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا؛ ۴۔ جناب رقیہ سلام اللہ علیہا۔

یہ صاحب اپنے قول میں بالکل منفرد ہیں۔

چھٹا قول: سات عدد اولاد (پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں)

(۱) ابن جوزی اور اسکی اتباع کرنے والے:

سات عدد کے قائل ہیں، یہ وہی مشہور و معروف سنی مؤرخ ہے جسکی دیگر علمی، تاریخی، ادبی کتابوں
کے علاوہ اور فقط تاریخ مصر چالیس جلدوں پر مشتمل ہے، یہ صاحب اپنی مشہور و معروف کتاب ”تذکرۃ
الخواص الآئمہ فی خصائص الآئمہ“ میں فرماتے ہیں:

لما کے پانچ فرزند اور دو دختر تھیں دختران میں سکینہ وفاطمہ کا شمار کیا ہے۔^(۲)

۱۔ نور الابصار ص ۱۲ طبع مصر۔

۲۔ تذکرۃ الخواص الآئمہ ص ۷۷۔

ساتواں قول: چھ عدد اولاد (چار بیٹے اور دو بیٹیاں)

(۱) شیخ مفیدؒ ارشاد فرماتے ہیں:

وكان للحسين ستة اولاد: (۱) علي بن الحسين اكبر كنيته ابو محمد؛ (۲) و
علي بن الحسين الاصغر قتل مع ابيه؛ (۳) جعفر بن الحسين؛ (۴) عبد الله بن
الحسين قتل مع ابيه صغيراً جاءه سهم وهو في حجر ابيه فذبحه؛ (۵) سكينه
بنت الحسين و أمها الرباب؛ (۶) فاطمه بنت الحسين و أمها أم اسحاق^(۱)

امام حسینؑ کی چھ اولادیں تھیں چار فرزند: ۱۔ علی اکبرؑ ابن حسینؑ؛ ۲۔ علی اصغر
ابن حسینؑ کہ جو اپنے والد کے ساتھ شہید ہوئے؛ ۳۔ جعفر ابن حسینؑ؛ ۴۔ عبد اللہ
ابن حسینؑ۔ دو بیٹیاں تھیں: ۱۔ سکینہ بنت الحسینؑ؛ ۲۔ فاطمہ بنت الحسینؑ۔

(۲) امین الاسلام شیخ طبریؒ کتاب اعلام الوریٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

كان له ستة اولاد

اسکے بعد تمام وہی نام لکھے ہیں جو شیخ مفیدؒ نے ارشاد میں تحریر فرمائے ہیں یعنی امامؑ کی چھ اولادیں تھیں
چار فرزند اور دو بیٹیاں۔^(۲)

(۳) حاج فرہاد مرزا صاحب تقیہ فرماتے ہیں:

اولاد امجادش بقول اصح شش تن چہار پسر و دو دختر

یعنی صحیح قول کے مطابق امامؑ کی چھ اولادیں تھیں چار فرزند اور دو بیٹیاں۔^(۳)

۱۔ الارشاد ج ۲ ص ۱۳۵۔

۲۔ اعلام الوریٰ ص ۲۵۵ فصل خامس۔

۳۔ تقیہ الذخائر ج ۱ ص ۳۶۔

(۴) سؤرخ شہیر میرزا محمد تقی سپہر صاحب نانخ التوارخ فرماتے ہیں:

لأم کی اولاد چھ عدد یعنی چار فرزند اور دو دختر کے بارے میں اپنی تحقیق ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

مکشوف باد کہ آنچه این بنده بی بضاعت باستقراء واستیعاب رنج برد و اختیار نمود، آن است کہ حسین علیہ السلام را چہار پسر بود، (۱) علی اکبر شہید؛ (۲) علی اوسط ہو الامام؛ (۳) علی اصغر؛ (۴) عبد اللہ سہ تن از ایشان در یوم طف شہید شدند... و آنحضرت را دو دختر افزون نبود نخستین فاطمہ و آن دیگر سکینہ ^(۱)

(۵) آقای محمد باقر مدرس فرماتے ہیں:

لأم کی چھ اولادیں تھیں چار فرزند اور دو دختر ^(۲)

(۶) صاحب بحر الانساب فرماتے ہیں:

لما در اخبار آورده اند کہ امام حسین علیہ السلام را شش فرزند بود: ۱- حضرت زین العابدین علیہ السلام؛ ۲- عبد اللہ علیہ السلام؛ ۳- محسن علیہ السلام؛ ۴- علی اکبر علیہ السلام؛ و دو دختر آن حضرت علیہ السلام ۱- حضرت فاطمہ علیہ السلام؛ ۲- حضرت زیدہ علیہ السلام ^(۳)

۷- آقا محمدت خراسانی فرماتے ہیں:

شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ در ارشاد و امین الاسلام طبرسی رحمۃ اللہ علیہ در اعلام الوری و احمد بن مہنہ در عمدہ الطالب و بعضی از علماء اعلام فرمودہ اند کہ آنحضرت شش اولاد داشتہ چہار پسر و دو دختر.

۱- نانخ التوارخ ج ۳ ص ۲۳۵ و ص ۲۴۱۔

۲- شخصیت حسین ص ۵۹۵۔

۳- بحر الانساب ص ۱۵۔

شیخ مفید نے ارشاد میں، امین الاسلام نے اعلام البوری میں احمد نے عمدۃ الطالب میں اور بعض اعلام نے فرمایا ہے کہ امام حسینؑ کی چھ اولادیں تھیں چار فرزند و دو دختر۔

(۸) یوسف عسکری شافعی فرماتے ہیں:

وكان للحسين بن علي عليه السلام ستة اولاد.^(۱)

(۹) شیخ عباس قمی صاحب مفاتیح الجنان فرماتے ہیں:

شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ فرمودہ کہ آن حضرت را شش فرزند بود چہار تن از ایشان پسران بودند... اما دختران یکی سکینہ است کہ مادرش رباب دختر امرء القیس است... و دختر دیگر فاطمہ نام داشت و مادر او ام اسحاق دختر طلحہ بن عبد اللہ تمیمہ است...

آگے فرماتے ہیں:

و مختار شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ را جمعی دیگران نیز اختیار کردہ اند لکن سید سجاد رحمۃ اللہ علیہ را علی اوسط تعبیر کردہ اند و علی ابن الحسین علیہ السلام را علی اکبر علیہ السلام.

حضرت کی چھ اولادیں تھیں چار فرزند... اور دو دختر ایک سکینہ جن کی والدہ رباب و دختر امرء القیس ہیں۔ دوسری فاطمہ جن کی والدہ ام اسحاق و دختر طلحہ بن عبد اللہ تمیمہ ہیں۔ شیخ مفید کے قول کو علماء کے ایک گروہ نے اختیار کیا ہے۔^(۲)

یاد رہے کہ شیخ عباس قمی کا یہ قول مختار بھی ہے، اسکی دلیل یہ ہے کہ شیخ عباس قمی مرحوم نے حضرت قاسم کی شادی کی روایت کو رد کرتے ہوئے تصریح فرمائی ہے:

۱۔ کفایۃ الطالب فی مناقب علیؑ ابن ابی طالب ص ۳۹۔

۲۔ منشی الامام ج ۱ ص ۸۵۵ و احسن التالیج ج ۱ ص ۵۵۰، در کربلا چہ گذشت ص ۵۳۳ باب پنجم۔

خفی نماند کہ قصہ دامادی جناب قاسم علیہ السلام در کربلا و تزویج او فاطمہ بنت الحسین علیہ السلام را صحت ندارد، چہ آنکہ در کتب معتبرہ بہ نظر نرسیدہ، و بعلاوہ آنکہ حضرت امام حسین علیہ السلام را دو دختر بودہ۔^(۱)

(۱۰) علامہ محمد باقر مجلسی صاحب ”بحار الانوار“:

علامہ بزرگوار نے بھی بحار الانوار میں شیخ مفید کا قول اختیار کیا ہے: یعنی چھ عدد اولاد چار فرزند و دو دختر^(۲)

(۱۱) احمد بن مکی جابر بلاذری فرماتے ہیں:

فولد الحسين علیہ السلام علیاً الاکبر ... و ولد ایضاً علی الاصغر ...

آخر میں فرماتے ہیں:

و ولد ایضاً فاطمہ بنت الحسين علیہ السلام امها ام اسحاق و ولد ایضاً

سکینہ بنت الحسين علیہ السلام امها الرباب بنت امرء القیس۔^(۳)

(۱۲) علامہ محقق سید شاکر حسین امر دہوی فرماتے ہیں:

ہم نے جہاں تک مورخین و نابین کی مستند اور معتبر کتابوں کو دیکھا اور اس

اختلاف کی چھان بین کی ہمارے خیال میں بھی حضرت کی صرف دو بیٹیاں فاطمہ

اور سکینہ تھیں جن کو حضرت اپنے ساتھ ہی سفر میں لے لیا تھا، اور تیسری کوئی بیٹی نہ

تھیں جن کو آپ وطن میں چھوڑ جاتے۔ جناب سید الشہداء علیہ السلام کی صاحبزادیاں

۱۔ منتہی الامال چاپ جدید جلد ۱ ص ۷۰۔

۲۔ بحار الانوار ج ۲۵ ص ۲۹۔

۳۔ انساب الاشراف ج ۳ ص ۱۳۶۔

بنا بر قول مشہور دو تھیں ایک حضرت فاطمہ صغریٰ دوسری حضرت سکینہ۔ بہر حال چونکہ یہ روایت تمام مشہور و مستند کتابوں کے خلاف ہے اس لئے اس کے ناقابل اعتناء اور ساقط الاعتبار ہونے میں کیا شک رہا اگر اس کی روایت بہ سند مسلسل کہیں مل بھی جائے تو بھی اس وجہ سے کہ حضرت کی کوئی تیسری بیٹی جس کا نام فاطمہ ہو، تھی ہی نہیں پھر اس سند کو کیونکر مستند سمجھا جائے گا۔^(۱)

(۱۳) آیت اللہ سید محمد بن سید دلدار علی نقوی سلطان العلماء رضوان مآب (۱۱۹۹-۱۲۸۳ھ ق):

آپ جدول چہارہ معصومین میں جناب سید الشہداء علیہ السلام کی اولاد کے متعلق لکھتے ہیں:

اولاد حضرت ﷺ چہار پسر و دو دختر، علی السجاد ﷺ، علی الاکبر ﷺ، عبد اللہ مشہور بہ علی اصغر ﷺ و جعفر کہ در حیات آنحضرت وفات یافت و سکینہ و فاطمہ۔^(۲)

(۱۴) فخر الدین طریخی:

اپنی کتاب منتخب جزو ثانی کی مجلس اول میں لکھتے ہیں:

و کان للحسین بنان سکینہ و فاطمہ الصغری

ان کے علاوہ اور بھی کافی سارے ایسے علماء اعلام موجود ہیں جنہوں نے امام کی چھ عدد اولاد ہونے یعنی چار بیٹے اور دو بیٹیاں کو قبول کیا ہے لہذا ہم اختصار کے پیش نظر ان کی عبارت کو حذف کر کے فقط قارئین کرام کے افادہ معلومات کیلئے اس جگہ پر ان کے نام اور کتاب کا حوالہ پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں:

(۱۲) ابن صباغ مالکی: فصول الہمہ ص ۱۸۸۔

(۱۳) علامہ محقق تستری صاحب قاموس الرجال: تاریخ آئمہ۔

۱۔ مجاہد اعظم ص ۲۳۶، ۲۳۵۔

۲۔ بحوالہ مجاہد اعظم ص ۲۳۰۔

- (۱۴) علامہ حلیؒ: المستجاد ص ۴۰۴۔
- (۱۵) علامہ طبرسیؒ: تاج الموالید ص ۱۱۰۔
- (۱۶) ملا حسین کاشفی: دروضۃ الشہداء ص ۴۰۷۔
- (۱۷) صاحب مہدی: ص ۹۱۔
- (۱۸) صاحب شجرہ مبارکہ: ص ۷۳۔
- (۱۹) ابن جوزی: تذکرۃ الخواص ص ۲۷۷۔
- (۲۰) محمد بن علی صبان مصری شافعی: اسعاف الراغبین حاشیہ بر نور الابصار ص ۱۹۵۔
- (۲۱) سید علی نقی حائریؒ: نور الاخبار ص ۳۳۔
- (۲۲) علامہ عبد اللہ بن نور اللہ: مقتل عوالم ص ۶۴۰۔
- (۲۳) صاحب ستارگان درخشان ج ۵ ص ۲۱۹۔
- (۲۴) محمد بن ابی بکر انصاری قرن سابع: الجوہرہ فی نسب الامام علیؑ وآلہ ص ۵۴۔
- (۲۵) ابی نصر بخاری: سر السلسلۃ العلویہ ص ۳۰۔
- (۲۶) صاحب: الجازم فی نسب بنی ہاشم ص ۸۱ تا ۷۹۔
- (۲۷) عماد زادہ اصفہانی: مجموعہ زندگانی چہارودہ معصومین ص ۶۳۲۔
- (۲۸) علامہ نسابہ صفی الدین متوفی ۷۰۹ھ: الاصلی فی انساب الطالبین ص ۱۴۳۔ اور ص ۶۲ پر
- (۲۹) ابن عیینہ صاحب عمدۃ الطالب: الفصول الفخریہ ص ۱۳۳۔
- (۳۰) السید احمد الحسینی: النجوم الزواہر ص ۱۲۵ طبع بغداد۔
- (۳۱) السید فاضل موسوی خلقالی زادہ: الشجرہ الطیبہ ج ۲ ص ۲۔
- (۳۲) محمد محمدی اشتہاردیؒ: سوگنامہ آل محمد ﷺ ص ۲۷۲۔
- (۳۳) ابو سعید حسن شیعہ سبزواری: براۃ الارواح و مونس الاشباح ص ۱۴۹ میں۔
- (۳۴) علامہ محمد سلیمان تنکابانی: اکلیل المصاب ص ۱۵۰۔

- (۳۵) علامہ عبد اللہ بن نور اللہ صاحب عوالم: مقتل عوالم۔
 (۳۶) علامہ میرزا ابوالفضل تہرانی: شفاء الصدور شرح زیارة العاشور ص ۵۳۵۔
 (۳۷) خواجہ محمد یار ساہنوی: فصل الخطاب۔
 (۳۸) یحییٰ ابن ابی بکر کانی عامری: ریاض مستطابہ میں۔
 (۳۹) احمد بن عبد القادر غمیلی شافعی: ذخیرۃ الحال میں۔
 (۴۰) ملا محمد مبین فرنگی محلی: وسیلۃ النجات میں۔

وہ علماء اعلام جو پانچ عدد اولاد کے قائل ہیں:

۱) علامہ ابن الحیان اسعاف الراغبین صاحب نے یہ قول بھی نقل کیا ہے۔

امام کی اولاد پانچ ہے تین فرزند ۱۔ علی اکبر ۲۔ علی اصغر یعنی امام زین العابدین
 ۳۔ جعفر اور دود ختر کے قائل ہیں ۱۔ سکینہ ۲۔ فاطمہ۔^(۱)

امام حسینؑ کی اولاد کی تعداد کے بارے میں یہ تہا علماء کے درمیان اختلاف یعنی امام کی اولاد کے بارے
 میں کل ۸ اقوال ہیں:

۱۔ پانچ عدد اولادیں تین فرزند دود ختر؛

۲۔ چھ عدد اولاد چار فرزند دود ختر؛

۳۔ سات عدد اولادیں پانچ فرزند دود ختر؛

۴۔ آٹھ عدد اولاد چار فرزند چار دود ختر؛

۵۔ نو عدد اولاد چھ فرزند تین دود ختر؛

۶۔ دس عدد اولاد چھ فرزند چار دود ختر؛

۷۔ دس عدد اولاد آٹھ فرزند دود ختر؛

۱۔ اسعاف الراغبین حاشیہ نور الابصار طبع مصر ص ۱۹۵۔

۸۔ بارہ عدد ۸ آٹھ فرزند ۳ دختر۔

لیکن چوتھی بیٹی کا نام نہیں لکھا، لہذا چوتھی بیٹی یا زینب صغریٰ ہے جیسا کہ مقدس اردبیلیؒ نے کہا ہے یا رقیہ ہے جیسا کہ صاحب موجز التواریخؒ نے لکھا ہے، یا پھر وہی فاطمہ ہے جو مدینہ میں رہ گئی تھیں۔

پہلے دو نظریوں میں دونوں حضرات منفرد ہیں اور نہ ہی ان کے کوئی قابل ذکر حالات ہیں اور تیسرا قول اس لئے ضعیف ہے کہ علامہ مجلسیؒ نے اس واقعہ کو مناقب کی قدیم کتاب سے نقل کیا ہے، بعد میں خود اس کے ضعیف ہونے کا دعویٰ کر دیا، اور دوسرا اس لئے کہ تمام اہل سیر و تواریخ و علماء انسب اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ، حضرت کی فاطمہ نام کی دو بیٹیاں نہیں تھیں، اور قصہ غراب فاطمہ نام کی بچی سے منسوب ہے۔

لہذا امام کی چوتھی بچی کا نہ ہونا تو بالکل روشن ہو گیا ہے اور اگر مان بھی لیا جائے تو کم از کم اس کے بارے میں کسی قسم کی کوئی اطلاع موجود نہیں ہے۔ رہ گئی تیسری بیٹی زینب اگرچہ بعض حضرات زینب نام کی بچی کو امام حسین کی بیٹی تسلیم کرتے ہیں لیکن افسوس یہ ہے کہ اکثر علماء اعلام نے ان کی والدہ کی طرف اشارہ تک نہیں کیا، کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک امامؑ کی پانچ بیویاں ہیں اور ان پانچوں سے وہی چھ اولادیں پیدا ہوئی ہیں یہ تیسری زینب جو امامؑ کی بیٹی ہے امامؑ کی کس بیوی کے بطن سے متولد ہوئی، اہل تاریخ کے بعض اعلام اسے ام اسحاق کی طرف نسبت دیتے ہیں اور بعض اس بارے میں بالکل خاموش نظر آتے ہیں۔^(۱)

اسی وجہ سے محقق سائی الغریری الغراوی نے ذخائر العقبیٰ پر تحقیق کرتے ہوئے مؤلف کی اس عبارت کے بعد کہ امام حسین کی ۹ اولادیں تھیں ۶ فرزند ۳ دختر زینب کے نام بعد لکھا:

لا ادری من این جا مت ولم يذكرها الشيخ المفيد رحمہ اللہ او غیرہ من علماء

الامامیہ بل ذکرها المسعودی، و ابی طاهر البغدادی فی بلاغات النساء۔^(۲)

۱۔ امام حسن و حسین ص ۱۰۸ محسن امین عالمی۔

۲۔ ذخائر العقبیٰ جلد ۲ ص ۱۸۲۔

یا پھر بہت ہی صاحب "لباب الانساب" کا یہ قول قبول کرنا زیادہ بہتر ہے کہ امام کی چار بیٹیاں تھیں لیکن دو بچنے میں ہی فوت ہو چکی تھیں۔ واللہ العالم بالصواب۔

خلاصہ کلام:

یہ ہوا کہ قول معروف و مشہور کی بنا پر امام مظلوم کی دو بیٹیاں تھیں، اور قول غیر معروف کی بنا پر امام کی تین یا چار بیٹیاں تھیں۔ لیکن چونکہ تیسری اور چوتھی بنا براین قول کم سن تھیں اور اسی کم سنی میں بعض کے بقول وفات پا چکی تھیں اور ان کے حالات بھی کتب میں موجود نہیں ہیں تو اس سے یہ نتیجہ لینا درست ہو گا کہ مسئلہ شادی حضرت قاسم درست نہیں اور اسی طرح بفرض قبول امام کا کمسن بچی کو تنہا چھوڑ کے جانا کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے۔

کتابوں میں آجانا یا کسی واقعہ کا مشہور ہونا اس کی حقانیت و واقعیت کی دلیل نہیں بن سکتا، دسیوں واقعات ایسے ہیں کہ جو کتابوں میں بھی موجود ہیں اور مشہور بھی ہیں لیکن انہیں قبول نہیں کیا جاسکتا جیسے عقد حضرت ام کلثوم بنت امیر المومنین علیہ السلام باخلفہ دوم، اور اسی طرح عقد حضرت سکینہ بنت امام حسین دشمنان اہل بیت اور اس طرح کے دیگر مسائل۔

دوسرا مسئلہ: مدینہ میں دختر امام حسین علیہ السلام کا رہ جانا

سوال میں دوسرا مسئلہ فاطمہ صغریٰ علیہا السلام کے مدینہ رہ جانے کے بارے میں تھا اس مسئلہ کی بھی تحقیق پیش کی جاتی ہے۔

نبی فاطمہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کا تعارف

ادوی: امام المتقین حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام۔

ادوی: سیدہ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا۔

چچا: قتیل مسموم حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام۔

ماور گرامی:	ام اسحاق بنت طلحہ بن عبد اللہ تیمی۔
برادران:	حضرت امام زین العابدینؑ، حضرت علی اکبرؑ، حضرت علی اصغرؑ، وجعفر علیہم السلام۔
خواہر گرامی:	سکینہ بنت امام حسینؑ۔
شوہر:	جناب حسن مثنیٰ ابن امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام۔
کنیت:	ام عبد اللہ۔
القاب:	فاطمہ صغریٰ، فاطمہ کبریٰ، النبویہ۔
فرزندان:	عبد اللہ محض، ابراہیم النعم، حسن مثلث، وزینب۔
تاریخ ولادت:	۵۱ ہجری قمری، تقریباً
تاریخ رحلت:	۱۱۷ ہجری قمری۔
عمر مبارک:	تقریباً ۶۶ سال۔
مدفن:	مدینہ منورہ قبرستان البقیع

یہ معظمہ جناب سید الشہداء کی بڑی صاحبزادی ہیں آپ کی والدہ ماجدہ ام اسحاق بنت طلحہ بن عبید اللہ تسمیہ ہیں، اس مندرہ کو تقویٰ و تقدس کی وجہ سے صدیقہ طاہرہ کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔^(۱)

امام حسینؑ نے اپنے بھتیجے شہزادہ حسن مثنیٰ ابن امام حسن مجتبیٰ علیہما السلام کے ساتھ آپ کا عقد کیا۔ روایات میں کچھ اس طرح ذکر ہے کہ جب شہزادے نے امام حسین علیہ السلام سے رشتہ کی خواستگاری کی تو امامؑ نے فرمایا: میری دو صاحبزادیاں ہیں جن سے چاہو تمہارا عقد کر دیتا ہوں۔

جناب حسن مثنیٰ علیہ السلام نے حیا و شرم کی وجہ سے سر جھکا لیا اور کوئی جواب نہ دیا پھر امامؑ نے خود ہی فرمایا کہ میں تمہارے لئے اپنی بڑی صاحبزادی فاطمہ کو منتخب کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ میری والدہ ماجدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا سے زیادہ شبابت رکھتی ہے۔

۱۔ (ناخ التواریخ ج ۶ ص ۹۹، منہی الامال ج ۱ ص ۵۰، ارشاد ج ۲ ص ۲۶، فضول المہر ص ۶۰ وغیرہ۔

اس مذکورہ عقد کے بارے میں مزید تفصیلات کے لیے مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع فرمائیں:

(۱) شیخ مفید، الارشاد جلد ۲ ص ۲۵۔

(۲) ابی فرج اصفہانی، مقاتل الطالبین ص ۱۶۷۔

(۳) ابن صباغ ماکی، فصول المہمہ ص ۱۶۰۔

(۴) شیخ عباس قمی، منتہی الامال۔

(۵) علامہ مجلسی، بحار الانوار، ج ۳۵۔

(۶) علامہ نسابہ السید عز الدین ابی طالب، الفخری انساب الطالبین بامقدمہ حضرت آیۃ اللہ مرعشی نجفی ص ۸۵۔

(۷) ابی الحسن علی بن ابی القاسم بن زید البقی الشہیر بابن فندق (متوفی ۵۶۵ ہجری)، لباب الانساب بامقدمہ حضرت آیۃ اللہ مرعشی نجفی ص ۸۵۔

(۸) فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر، الشجرۃ المبارکۃ، ص ۵۔

(۹) شیخ طوسی، رجال طوسی، ص ۱۱۲۔

(۱۰) ابوالحسن عمری علماء قرن پنجم صاحب المجدی، فی انساب الطالبین، ص ۱۹۔

(۱۱) سید احمد بن محمد گیلانی (متوفی قرن دہم) سراج الانساب، ص ۳۶۔

(۱۲) یحییٰ بن حسن بن جعفر بن عبد اللہ بن حسین اصغر بن امام سجاد عبیدی (متوفی ۲۲۱ ہجری) تہذیب

الانساب، ص ۳۲۔

(۱۳) احمد بن علی حسینی معروف ابن عینا (متوفی ۸۲۸ ہجری) عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب علیہم

السلام، ص ۸۴۔

(۱۴) شیخ محمد بن علی حبان، اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفیٰ و اہل بیت الطاہرین علیہم السلام، ص ۲۱۰۔

(۱۵) سید مقرر نجفی، مقتل حسین، ص ۷۶۔

(۱۶) ابی الفرج اصفہانی (متوفی ۳۵۶ ہجری) الاغانی، ج ۱۸، ص ۲۰۴۔

(۱۷) علی بن عیسیٰ اربلی (متوفی ۶۸۷ ہجری) کشف الغمہ فی معرفۃ الائمۃ علیہم السلام۔

(۱۸) آقای خراسانی، منتخب التواریخ، ص ۲۴۴ باب پنجم فاطمہ بنت الحسین۔

(۱۹) محمد ہادی ایمنی، فاطمہ بنت امام حسین، ص ۶۸۔

(۲۰) شیخ جعفر نقدی، فاطمہ بنت الحسین، ص ۲۱، ۳۳، ۱۰۔

(۲۱) رسول مہلاتی، زندگانی امام حسین، ص ۵۵۴۔

(۲۲) الدر المنثور، ص ۳۶۱۔

(۲۳) فاطمہ بنت الحسین، ص ۱۱، ۱۲۔

(۲۴) احسن المقال ترجمہ منتہی الامالی، ج ۱، ص ۲۷۲۔

(۲۵) قاموس الرجال، ج ۳، ص ۲۱۲۔

(۲۶) طبقات الکبریٰ، ج ۵، ص ۳۱۹۔

(۲۷) تاریخ بغداد، ج ۷، ص ۲۹۳۔

(۲۸) کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۲۱۲۔

(۲۹) آیت اللہ ابو القاسم الموسوی الخوئی، معجم الرجال۔

یہ معظّم واقعہ کربلا کی چشم دید گواہ ہیں اس حوالے سے بعض روایات بھی نقل کی گئی ہیں۔ فاطمہ بنت الحسینؑ سے مروی روایات دیکھنے کے شائقین علامہ محمد ہادی ایمنی مرحوم کی کتاب فاطمہ بنت الحسینؑ ص ۸۰ سے لیکر ۱۱۶ تک کی طرف رجوع فرمائیں۔ جس میں ان معصومہ سے درجنوں روایات و سیویں کتابوں کے حوالہ جات سے نقل کی گئی ہیں اور شیخ جعفر نقدی کے بقول جو چیز ان معصومہ سلام اللہ علیہا کے کمال پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے بابا اور پھوپھی حضرت زینب سلام اللہ علیہا سے روایت نقل کی ہے اور علماء شیعہ و سنی نے ان معصومہ سلام اللہ علیہا سے نقل ہونی والی روایات پر اعتماد کیا ہے، بلکہ اس معصومہ سے امام سجاد علیہ السلام اور امام محمد باقر علیہ السلام نے بھی روایات نقل کی ہیں۔

اس محترمہ کی عظمت کے لئے بس یہی کافی ہے کہ تمام اصحاب سیر و مقاتل نے لکھا ہے امام حسینؑ نے آخری وقت وصیت نامہ آپ ہی کے سپرد کیا تھا، جو انہوں نے بعد میں امام زین العابدینؑ کی صحت کے بعد امام وقت کے حوالہ کیا۔

فاطمہ کبری سلام اللہ علیہا امانت دار وصیت امام حسین علیہ السلام مختلف اسناد کے ساتھ امام جعفر صادقؑ سے روایت نقل کی گئی ہے کہ امام فرماتے ہیں:

دعا ابنتہ الکبری فاطمة بنت الحسین ؑ فدفع الیہا کتاباً ملفوفاً
ووصیتہ ظاہرة

امام حسین علیہ السلام نے میدان جنگ کی طرف روانہ ہونے سے پہلے اپنی دختر فاطمہ کبری سلام اللہ علیہا کو بلایا اور وصیت نامہ انکے سپرد کیا۔

امام زین العابدینؑ کی تندرستی کے بعد وہ وصیت نامہ جناب فاطمہ نے امام سجاد علیہ السلام کے سپرد کر دیا۔ خدا کی قسم وہ وصیت نامہ ہم تک پہنچا ہوا ہے۔

راوی کہتا ہے میں نے کہا مولا اس وصیت نامہ میں کیا تھا؟

تو امام علیہ السلام نے جواب دیا:

اس میں بنی نوع آدم کی خلقت سے لیکر دنیا سے اٹھائے جانے تک کے سارے احکام تھے کہ جس کی احتیاج ہر بنی آدم کو ہوتی ہے یہاں تک اس میں ارش خدا تک کے احکام تھے۔

یہ وصیت نامہ مختلف اسناد و الفاظ کیساتھ مندرجہ ذیل کتابوں میں موجود ہے:

۱۔ اصول کافی؛ ۲۔ بصائر الدرجات؛

۳۔ تقام ذخائر، فاطمہ کبری، ص ۴۵۰ تا ۴۵۳؛ ۴۔ تاریخ التواریخ، ج ۲، ص ۳۴۲؛

- ۵۔ منتخب التواریخ باب خامس، ص ۱۷۳؛
۶۔ جلاء العیون؛
۷۔ فاطمہ بنت الحسینؑ، ہادی امینی، ص ۱۳؛
۸۔ فاطمہ بنت الحسینؑ مع جعفر نقدی، ص ۹۔

تاریخی خیام کے بعد حالت اسیری میں کوفہ و شام کے بازاروں میں برابر اپنی پھوپھی جناب زینب کبریٰ و جناب ام کلثومؑ علیہما السلام کے ساتھ خطبے دے ہیں، اس معظّم کو بیوگی کا صدمہ بھی برداشت کرنا پڑا۔ بعد از شہادت امام اسیری کے صدمات برداشت کر کے رہائی کے بعد عرصہ دراز تک زندہ رہیں بالآخر ۱۱ ہجری کو مدینہ منورہ میں دارقانی سے دارجاودان کی طرف رحلت فرمائی۔

فاطمہ صغریٰ کوفہ میں

فاطمہ صغریٰ کا اہل کوفہ سے خطاب

سید ابن طاووس نے حضرت زید بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے یہ خطبہ اپنے والد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

روی زید بن موسیٰ قال حدثني ابي عن جدي عليهم السلام: قال:

خطبت فاطمة الصغرى بعد ان وردت من كربلاء فقالت:۔۔۔

خطبہ طولانی ہے صرف ان کتابوں کے حوالے پیش کیے جا رہے ہیں جن میں جناب فاطمہ صغریٰ سلام اللہ علیہا کا یہ خطبہ موجود ہے:

- ۱۔ ناسخ التواریخ، ج ۶، جزء ۳، ص ۴۲۔
- ۲۔ تقلم الزہراء، ص ۲۹۵۔
- ۳۔ اسرار الشہادۃ، ص ۷۹۔
- ۴۔ ریاض الشہادۃ، جلد ۲، ص ۲۸۵۔
- ۵۔ بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۱۱۰۔
- ۶۔ معالم المدرستین، ج ۳، ص ۱۸۳۔
- ۷۔ جلاء العیون، ج ۲، ص ۵۰۴۔
- ۸۔ الدمعۃ السائبہ، ج ۶، ص ۳۸۔
- ۹۔ مقتل حسینؑ، ص ۱۳۳۔
- ۱۰۔ لہوف، ص ۱۹۴۔
- ۱۱۔ مقام ذخائر، ج ۲، ص ۵۲۰۔
- ۱۲۔ لوانج الاشجان، ص ۲۰۲۔

- ۱۳۔ منتخب الطریقہ، ص ۱۲۲۔
 ۱۵۔ تنقیح المقال، ج ۱، ص ۷۱۔
 ۱۷۔ مقتل حسین، ج ۲، ص ۲۔
 ۱۹۔ تاریخ طبری۔
 ۲۱۔ مقاتل الطالبین۔
 ۲۳۔ جامع الرواہ، ج ۱، ص ۳۳۳۔
 ۲۵۔ مشیر الاحزان۔
 ۱۴۔ زینب کبری، ص ۵۶۔
 ۱۶۔ نفس المہموم۔
 ۱۸۔ الکامل فی التاریخ۔
 ۲۰۔ حمرۃ الانساب العرب، ص ۵۵۔
 ۲۲۔ وفیات الاعیان، ج ۳، ص ۷۱۔
 ۲۴۔ فاطمہ بنت الحسین، ص ۲۶۔

فاطمہ سلام اللہ علیہا کو صفریٰ اور کبریٰ کہنے کی وجہ

ہم نے بحمد اللہ معتبر حوالہ جات سے ثابت کیا ہے کہ امام مظلومؑ کی فاطمہ نام کی بیٹی ایک ہی تھی اور تمام ارباب سیر و مقاتل اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ فاطمہ صفریٰ کربلا میں موجود تھیں اور پھر اسیری کے مصائب بھی برداشت کئے اور اپنے بھائی امام زین العابدینؑ و پھوپھی زینبؑ و ام کلثومؑ کے شانہ بشانہ بازار کوفہ و شام میں خطبے دئے جس کی ایک جھلک آپؑ نے ملاحظہ فرمائی۔ اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔

سوال

اگر سید الشہداء علیہ السلام کی دختر جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا ایک ہے دو نہیں تو پھر صفریٰ و کبریٰ کی تفریق کی کیا ضرورت ہے؟

جواب

اس سوال کے جواب میں محققین نے بہت کچھ لکھا ہے، لیکن اختصار کے پیش نظر ہم فقط علامہ محقق سید شاکر حسین امر دہویؒ کی تحقیق پر اکتفاء کریں گے، اس سلسلہ میں جناب امر دہویؒ فرماتے ہیں:

وہ عبارتیں قابل غور ہیں جن کی وجہ سے فاطمہ کبریٰ کے حضرت کی اولاد میں

ہونے کا توہم ہو سکتا ہے ان میں:

(۱) عبارت مناقب ابن شہر آشوب ہے:

چنانچہ کتاب مذکور کے صفحہ ۱۱۳۰ حوالہ سید الساجدین میں کہتے ہیں:

ان الحسين عليه السلام لما حضره الذي حضره دعا ابنة فاطمة الكبرى فدفع اليها كتاباً ملفوفاً و وصية ظاهرة الخبر.

حسین نے جس وقت وہ واقعہ پیش آیا جو پیش آیا یعنی شہادت تو آپ نے اپنی بیٹی فاطمہ کبریٰ کو سامنے طلب فرمایا اور ان کو ایک لکھا ہوا کاغذ لفافہ بند جو وصیت نامہ تھا سپرد کیا۔

(۲) عبارت بحار الانوار۔ (۳) عبارت تاریخ التواتر ان میں بھی ”دعا ابنة فاطمة الكبرى“ لکھا ہے ان عبارتوں میں لفظ فاطمہ موصوف اور کبریٰ اس کی صفت ہے، حاصل مراد یہ ہے کہ حضرت سید الشہداءؑ نے اپنی شہادت کے قریب اپنی صاحبزادی فاطمہ کبریٰ کو طلب کیا اور صحیفہ ملفوفہ اور وصیت کو ان کے سپرد فرمایا اور جب سید الساجدین کو صحت حاصل ہوئی تو فاطمہ کبریٰ نے اس لمانت کو حضرت کے حوالہ کر دیا۔ اس سے جناب سید الشہداءؑ کی اولاد میں فاطمہ کبریٰ کا موجود ہونا ثابت ہوتا ہے، لیکن درحقیقت لفظ کبریٰ جو ان عبارتوں میں مذکور ہے صفت فاطمہ کی نہیں بلکہ لفظ بنتہ کی صفت ہے معنی یہ ہیں کہ حضرت نے اپنی بڑی صاحبزادی فاطمہ کو طلب کیا اور یہ امر بالکل درست اور صحیح ہے اس لئے کہ فاطمہ کا سکینہ سے بڑا ہونا قابل انکار نہیں۔

حقیقت حال یہ ہے کہ ان عبارتوں میں لفظ کبریٰ بعد لفظ فاطمہ اشتباہاً بسبب غلطی کاتب واقع ہو گیا ہے والا دراصل اس کے بعد لفظ بنتہ اور قبل لفظ فاطمہ ہونا چاہئے کیونکہ ان عبارات میں یہ حدیث مذکور ہے اس کو اکابر علماء محدثین نے اسی طرح روایت کیا ہے کہ اس میں لفظ کبریٰ بعد لفظ بنتہ واقع ہے چنانچہ شیخ اجل

ابو جعفر محمد بن حسن اٹمی (جو امام حسن عسکری کے اصحاب میں شہرہ کے جاتے ہیں) اپنی کتاب "معاصر الدرجات" میں لکھتے ہیں:

حدثنا محمد بن احمد عن محمد بن الحسين عليه السلام عن ابن سنان عن ابي الجارود عن ابي جعفر قال ان الحسين عليه السلام لما حضره دعا ابنة الكبرى فاطمة فدفع اليها كتاباً ملفوفاً ووصية ظاهرة ووصية باطنة وكان علي ابن الحسين عليه السلام مطبوعاً لا يرون الا انه لما به فدفعت فاطمة الكتاب الي علي ابن الحسين عليه السلام.

اللہ الا سلام ابو جعفر محمد ابن یعقوب کلینی کتاب کافی میں دوسرے راویوں کی اسناد سے اسی حدیث کو نقل کرتے ہوئے:

دعا ابنة الكبرى فاطمة بنت الحسين عليه السلام فدفع اليها كتاباً ملفوفاً
تحریر فرماتے ہیں۔

علی ابن الحسین المسعودی نے کتاب اثبات الوصیہ میں اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے، علیٰ ہذا القیاس علامہ مجلسی بحار الانوار میں اور آقائے دربندی اکسیر العبادات میں اسی طرح نقل ہوئے ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ باعتبار عمر فاطمہ بڑی تھیں یا سنینہ تو گو اس امر کا تصفیہ عبارات کتب مندرجہ صدر رہی سے ہو جاتا ہے تاہم مورخین نے صاف الفاظ میں اس کی صراحت کر دی ہے چنانچہ تاریخ زحل و ملوک ابو جعفر محمد ابن جریر طبری کی جلد آٹھ صفحہ ۳۸۱ میں مرقوم ہے:

فقال فاطمة بنت الحسين عليه السلام وكانت اكبر من سنینہ

یہی عبارت تاریخ کامل ابن اثیر جزری مطبوعہ مصر جلد چار صفحہ ۳۵ میں اور فصول الہبر ابن صباغ مالکی مطبوعہ ایران صفحہ ۲۰۵ اور نور الابصار سید مومن شبلنجی مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۶ میں موجود ہے۔

لہذا یہ سمجھنا کہ ان کو فاطمہ کبریٰ کہتے تھے صحیح نہیں ہو سکتا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی جدہ ماجدہ جناب فاطمہ کبریٰ کے ہم نام ہونے کی وجہ سے بنام فاطمہ صغریٰ مشہور تھیں، چنانچہ علامہ طبرسی نے احتجاج میں سید ابن طاووس نے لیوف میں فخر الدین طریقی نے منتخب میں علامہ مجلسی نے بحار میں اور علامہ عبد اللہ نے مقتل عوالم میں علی بن عیسیٰ نے کشف الغمہ میں نور الدین سمہودی نے جواہر العقد میں علامہ عزری نے تہذیب الکمال میں ولی الدین خطیب نے رجال مشکوٰۃ میں "فاطمہ الصغریٰ بنت الحسین" ہی تحریر کیا ہے، جب حضرت علی الاولاد و ختری میں صرف ایک ہی فاطمہ ہیں تو وہی فاطمہ کبریٰ اور وہی فاطمہ صغریٰ کیسے ہو سکتی ہیں بلکہ ان کا حسب صراحت علامہ مذکور الصدر فاطمہ صغریٰ ہونا ہر طرح ثابت ہوتا ہے، بحوالہ انوار جلد عاشر صفحہ ۵۳۵ کشف الغمہ صفحہ ۳۱۷ صحیح ترمذی مطبوعہ دہلی صفحہ ۶۰، مشکوٰۃ المصابیح مطبوعہ دہلی کہ ان سب میں جناب سیدۃ النساء سے حدیث نبوی کو فاطمہ بنت الحسین کی زبانی بیان کرتے ہوئے:

«عن فاطمة بنت الحسین عن فاطمة الکبریٰ» تحریر کیا ہے، اسی طرح کتب الدلائل محمد بن جریر طبری لامی کی عبارت میں لفظ «عن شیبہ بن لغامہ عن فاطمة الصغریٰ عن فاطمة» اور جواہر العقد میں نور الدین سمہودی کی عبارت میں «و روایۃ فاطمة الصغرا من الکبریٰ وان کانت رسلته ابو الحجاج نسیاتی ماتقویٰ بہ» اور تہذیب الکمال عزری کی عبارت میں جملہ «روی منها انس بن مالک الی ان قال و فاطمة الصغریٰ بنت الحسین ؑ بن علی بن ابی طالب مرسلًا» اور اسماء الرجال مشکوٰۃ کی عبارت میں عنوان «فاطمہ الصغریٰ ہی فاطمہ الصغریٰ بنت الحسین ؑ» کا مطلب اس پر دلالت کرتا بالکل صاف اور واضح ہے۔^(۱)

کسی حد تک مسئلہ روشن ہو چکا ہے، بحث اختصار کے دامن سے بہت آگے جا چکی ہے لہذا اسی جگہ پر ہم اپنی تحقیق کو روکتے ہیں خصوصیت کے ساتھ فاطمہ صغریٰ کا مدینہ میں رہ جانے سے رد میں علماء اعلام کے اقوال اور انکی تصریحات اور باقی جوابات کی تائیدات اصل کتاب کی طباعت کے ساتھ پیش کریں گے ان شاء اللہ۔ سر دست شائقین تحقیق آیۃ اللہ سید ناصر حسین ناصر الملک کے فرمان اور کتاب مجاہد اعظم ص ۲۴۴ و اکلیل المصاب تنکبانی، سعادت الدارین نجفی وغیرہ کی طرف رجوع کرنے کے علاوہ شہید محراب آیۃ اللہ سید محمد علی قاضی طباطبائی تبریزی کی کتاب تحقیق اول اربعین کی اس عبارت کو غور سے پڑھیں۔

اما فاطمہ صغریٰ در مدینہ ماندہ باشد در کتب امامیہ بہ نظر نرسیدہ یعنی اصل ناقل وجود او و ماندنش در مدینہ از کتب سنی ہا شہرت یافتہ و بہ بعضی کتب امامیہ از آنها نقل شدہ و در اغلب کتب معتبرہ سنی ہا ہم نقل نشدہ است.^(۱)

الاحقر الفانی

طاہر عباس اعوان ولد غلام عباس اعوان

قم۔ ایران

۲ محرم الحرام ۱۴۳۲ بروز اتوار۔ ق



غازہ شاہد

تالیف: آیت اللہ سید حاجی آل محمد صاحب
ناشر: مطبع ریاضی امروہہ
تاریخ: ۱۳۲۳ھ - ق

﴿تمثال مبارک مؤلف کتاب "غازہ شاہد"﴾
﴿مؤلف کے بارے میں﴾
﴿کتاب کے بارے میں﴾
﴿متن کتاب﴾

مولف کے بارے میں

جناب حاجی آل محمد بن حاجی اصغر حسین صاحب امر وہی (۹ شوال ۱۲۲۲-۱۳۲۵ھ-ق)

۹ شوال ۱۲۲۲ھ کو آپ امر وہہ میں پیدا ہوئے، کتب صرف و نحو و منطق و طب و فقہ امر وہہ میں اور پھر مجتہدین لکھنؤ سے لکھنؤ میں پڑھیں، تکمیل علوم دین کے لیے عراق کا سفر کیا اور علمائے عراق سے کتب معقولات و منقولات پڑھنے کے بعد وہ مقام پایا کہ اپنے امثال و اقران میں ممتاز ہو گئے ۱۲۹۸ھ میں مع اپنے والد ماجد کے زیارات عتبات عراق سے مشرف ہوئے اور ۱۳۰۰ھ میں حج زیارات مدینہ سے مشرف ہوئے اور ۱۳۳۴ھ میں دوسرا سفر عراق کا اپنے فرزند سید آل حسین و زوجہ کے ساتھ کیا، علم عروض میں مہارت کے علاوہ آپ شاعر بھی تھے۔

علمی صلاحیتیں

آپ نے تصانید عربیہ، فارسیہ، اردو، و مسدس، سلام، و مرثیٰ یادگار چھوڑے ہیں، عقبات الانوار پر آپ نے ایسی تقریظ لکھی کہ نصف فقرات عربی اور نصف فارسی تھے۔

جناب فردوس مآب میر حامد حسین نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ این تقریظ لائق تقریظ است۔ اویب ایسے ہیں کہ ایک خط آپ نے جناب آیۃ اللہ شیخ مازندرانی کو تحریر فرمایا ہے کہ جو غیر منقوطہ ہے اور ایک خطبہ میں الف نہیں آیا اس خط کے جواب میں آقای مازندرانی نے تحریر فرمایا کہ «ماہذہ من بشران هذا من ملك كريم من سلامة طه و حم»، پھر لکھا ہے کہ «افکرني في صنيع فصاحتہ و بدیع بلاغتہ»

بقول آقای نوگانوی، امر وہہ میں آپ میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ کے ممبر بھی رہے اور نواب لفٹنٹ گورنر جنرل کے دربار میں شریک ہوئے حکام وقت اور نواب لفٹنٹ گورنر کی چیتھیاں آپ کے پاس موجود ہیں جو ڈیپوٹیشن سادات امر وہہ کا جناب سرکار نواب صاحب رام پور مرحوم مغفور کی خدمت میں گیا تھا تو آپ بھی اس میں شریک تھے اور آپ کی تصانیف سے یہ کتابیں ہیں:

وفات

آپ نے ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء میں رحلت فرمائی اور خالق حقیقی سے جا ملے۔

آثار

۱. سبحة الجواہر (در حال علماء)؛
۲. و طعن النصول در قصہ قتل عثمان؛
۳. و دفع الفلکوک والا وہام در بحث امامۃ؛
۴. و مثنوی نان خشک فارسی و عربی؛
۵. و حلیۃ الاولیاء در بحث متعہ النساء؛
۶. و الاقامۃ الاحجار فی افواء الاشرار رد اعتراض تفریت امام مظلوم؛
۷. رسالہ بیان حاسم رد نفی عروسی جناب قاسم؛
۸. و زاویہ حاویہ در مطاعن معاویہ اس کا نام صحیح حاویہ بھی ہے؛
۹. گلزار ار جنت موسوم بتصویر کر بلا مشتمل بر حالات تاریخی کر بلا و سرور الہوم فی جواز البکاء علی المحسین المظلوم؛
۱۰. و در شاہوار (در احوال رسول مختار)؛
۱۱. و مثنوی سبحة سیارہ در معجزات جناب امیر؛
۱۲. و قر ضاب تفسیر بعض آیات قرآن؛
۱۳. و نتائج فکریہ در ابطال خلافت بکر یہ؛
۱۴. و دستور الخیول در علاج اسپان؛
۱۵. و غضب البتول علی الاصحاب النبی العدول؛
۱۶. و درۃ البیضاء فی اثبات حق قاطبۃ الزہراء اردو؛
۱۷. غازہ شاہد در نفی عروسی جناب قاسم؛
۱۸. اللہ المصنی عربی در اصول دین مطبوعہ۔

اس پر علمائے عراق و ہند کی تقریفات ہیں جو سب غیر مطبوعہ ہیں ان تقریقات کے متعلق صاحب تذکرہ بی بہا لکھتے ہیں، اور اکثر جناب مصنف نے نجف کو دکھلائی ہیں۔^(۱)

متن کتاب

حمد اس خدا کی مقدس ذات کو زیبا ہے، جس نے ہر شے کو پیدا کیا ہے اور نعت اس پیغمبر ﷺ آخر الزمان کے لایق ہے جو سب پیغمبروں پر رتبہ میں فائق ہے، اسم پاک اون کا محمد ﷺ ہے اور دوسرا احمد ہے اور منقبت حیدر کرار و صی احمد مختار سے ایمان کی جلا ہے۔ انکے مداح کو بہشت میں گھر ملا ہے۔ اما بعد پچھدان حقیر ترین زائر ان ضعیف ترین حاجیان سید آل محمد ابن زبدۃ الخلق عمدة الزوار سید اصغر حسین سلمہ اللہ المنان یہ عرض کرتا ہے، کہ ان روزوں میں بسبب علم کی ترقی کے میرے دل نے یہ چاہا کہ ایک تاریخ ارض مقدس کر بلا کی لکھوں۔ جب اس کو لکھنا شروع کیا۔

تو اس میں تاریخی واقعات کے لحاظ سے حضرت قاسم پسر امام حسن کی دامادی کا حال بضمن عدم صحت واقعہ مختصراً لکھا۔ در صورت اسکی تحقیق نہ ہونے کہ اس فعل کا معصوم پر افترا اور بہتان ہے جو بہت بڑا گناہ ہے اور اس وضعی واقعہ کا رواج اور شیوع اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ عام طور سے مرثیوں کو کتابوں میں لکھا جاتا ہے اور شہر بشہر مہندیان اٹھائی جاتی ہیں۔ اور ممبروں پر بیان کیا جاتا ہے۔ بعض محبان واثق اور دوستان صادق کی یہ استدعا ہے کہ کسی قدر بسط سے حال جد اس رسالہ تاریخی سے لکھ کر چھاپ کر ایسا جائے۔ بنا برین، ان اوراق میں جد الکھ دیا اور رسالہ کا تاریخی نام (غازہ شاہد) رکھا۔ وبالله التوفیق وہ نستعین وانا انشرع المقصود بعون اللہ الودود۔

واقعہ نمینو اور سانحہ کر بلا میں باتفاق علماء مورخین اصداقا، جناب قاسم اور حسن ثنی پسران حضرت امام حسن سبز قباشریک مصائب امام حسین سید الشہداء ضرور تھے۔ نکاح حضرت قاسم جناب فاطمہ کبریٰ امام حسین علیہ السلام کی دختر سے ثابت نہیں ہوتا۔ صاحب روضہ الشہداء نے یہ دامادی کی روایت بلا سند جس کو شتر بنی مہار کہتے ہیں، نہیں معلوم کس اعتماد پر لکھ دی، جو رفتہ رفتہ ذاکرون اور واقعہ نگاروں میں مشہور ہو گئی

کہ جناب امام حسین نے اس بی اطمینانی کی حالت میں حضرت قاسم سے اپنی بیٹی کا عقد حسب وصیت جناب امام حسن علیہ السلام روز عاشورہ وقت شہادت حضرت قاسم کر دیا اور دس گیارہ سال کی وصیت کو اطمینان کے وقت چھوڑ کر اس آفت کے وقت پر موقوف رکھا اور کبھی مدینہ منورہ میں اس پر عمل نہ کیا۔ اس حیرت انگیز واقعہ کو روضۃ الشہداء سے ہم آئندہ نقل کریں گے اور دکھلائیں گے کہ اس روایت سے ہی اس واقعہ کی تکذیب ہوتی ہے۔ میں نے جو اس واقعہ کا حال تلاش کیا، تو یہ امر ظاہر ہوا کہ ہمارے علماء کرام کی قدمی کتابوں خصوصاً کتب احادیث میں کہیں اس کا پتہ نہیں چلتا۔

ارشاد شیخ مفید اور مشیر الاحزان ابن نما اور لہوف ابن طاووس اور کشف الغمہ علی عیسیٰ اربلی اور بحار الانوار علامہ مجلسی میں جو دیکھا تو ان کتابوں میں کچھ بھی اسکا اثر نہیں، ہر چند مالی شیخ صدوق نسب اور خاص فضائل کی کتاب نہیں مگر اس میں واقعہ کر بلا سلسلہ وار لکھا ہے۔ اور ناقلین اسی واقعہ میں لکھتے ہیں مگر اس میں بھی غصیں پایا۔ جناب ملا باقر مجلسی جلاء العیون میں انکے عقد کے بارے میں فرماتے ہیں ”وقصہ دامادی او در کتب معتبرۃ بنظر این حقیر نرسیدہ است“ اور منافع کثیر بیاض مشرف علیہا جس میں فتویٰ علماء کرام کے ہیں اس میں جواب سلطان العلماء طاب ثراہ کا جواب ایک سوال کے اس طرح لکھا ہے۔

سوال:

مراسم حنا بندی و آتشبازی و تفنگ ہا سردادن درست است یا نہ؟

جواب:

جناب اخوند رحمۃ اللہ علیہ نوشتہ اند کہ: «روایت دامادی حضرت قاسم علیہ السلام

در کتب معتمدہ بنظر نرسیدہ. (واللہ یعلم)

پھر دوسری جگہ اسی میں ہی سوال حال صحت عقد فاطمہ کبریٰ دختر جناب امام حسین علیہ السلام با حضرت قاسم بن الحسن علیہ السلام در واقعہ کر بلا یا قبل ازین چیست جواب این امور مفصلاً وارد نگشتہ، یہ

جواب بھی جناب سلطان العلماء طاب ثراؤ کا ہے۔ اور جناب مولانا محمد حسن قزوینی ”ریاض الشہادت“ میں فرماتے ہیں:

«علماء شیعه در کتب مقتل و مورخین در تواریخ مختلف نقل کرده اند، و حکایت دامادی او را نیز فاضل مجلسی مذکور نسخہ، و فرمود کہ حدیث آن بنظر نرسیدہ اما شیخ فخر الدین طریحی کہ از جملہ علماء امامیہ است و مرد بزرگی است در فخری نقل و مستند بروایت نموده. و ملا حسین کاشفی نیز در روضہ الشہداء از کتب مقتل ہا و تواریخ ابراد نموده.»

محمد بن سلیمان تنکانی قصص العلماء میں تحریر فرماتے ہیں کہ فخر الدین طریحی نجفی مصیبت کے اخبار مراسل اکثر نقل کرتے ہیں۔

پس انکا نقل کرنا بسبب مرسل روایت نقل کرنے کے سند نہیں ہو سکتا۔ اور ملامہدی تراقی نے جو محرق القلوب میں اس روایت کو دہلادی کی نقل کیا ہے، اسکا حال یہ ہے کہ وہ مطلق ایراد ہے، کسی روایت معتبر سے بشرط مستند نہیں کیا علاوہ برین قصص العلماء میں ہی کہ محرق القلوب میں ایسی خبریں ہیں کہ انکا اعتبار نہیں اور اخبار ضعاف بلکہ مفلون الکذب ہیں۔ اور فاضل تنکانی یہ بھی لکھتے ہیں کہ اسرار الشہادۃ آقا در بندی کی بعض مقامات میں بے اعتباری کی رو سے ہم مرتبہ محرق القلوب کے ہے۔

چنانچہ فاضل تراقی کے ذکر میں جو محرق القلوب کا ذکر کیا ہے، اس میں لکھا ہے:

«لیکن بسیاری از اخبار آن کتاب را اعتمادی نیست و از اخبار ضعاف بلکہ مفلون الکذب و یا مقطوع الکذب است و این فقیر را حواشی برہامش آن کتابست.»

اور پھر بعد چار سطر کے لکھا ہے:

و کتاب آخوند ملا در بندی در بعضی از مقالات تالی محرق القلوب است.

پس ایسی کتاب کی روایتوں کا کیا اعتبار ہے۔ اب رہی روضۃ الشہداء تو وہ مخالف کی کتاب ہے ہمارے کسی شیعہ مجتہد یا عالم کی نہیں اور اصل یہ ہے کہ اسی کتاب سے یہ بلا نقل کھڑی ہوئی مقتل کی اور مصائب کی کتابوں اور مرثیوں میں اس روایت کو معین بکا سمجھ کر لوگوں نے نقل کرنا شروع کر دیا۔ اب جہاں یہ روایت پائی جاتی ہے وہ کتابیں مقتل کی اور مصائب کی ہیں، اور طرفہ یہ ہے کہ کوئی ناقل کسی معتبر راوی سے سلسلہ وار مستند نہیں کرتا محض ایراد پر اکتفا کرتے ہیں اور یہ احتیاط مصائب کی کتابوں والوں کی اسی سبب سے ہے، کہ یہ روایت حضرت قاسم کی دامادی کی کسی حدیث اور معتبر کتاب میں نہیں اگر ہے تو غیر معتبر میں ہے جیسا کہ ملای مجلسی کی تحریر سے ظاہر ہے۔

یعنی در کتب معتبرہ بنظر فقیر زسیدہ صاف اس سے ظاہر ہے کہ جس کتاب میں میری نظر سے اگر گذر ابھی ہے تو وہ معتبر کتاب نہیں، کسی معتبر کتاب میں میں نے نہیں دیکھا اور بیاض فخری اور روضۃ الشہداء میں جو یہ روایت ہے اب ہم اسکو اس غرض سے نقل کرتے ہیں کہ اس روایت سے ہی کذب اسکا عیان ہے فاضل حنکائی (قزوینی) ریاض الشہادت میں بیاض فخری اور روضۃ الشہداء کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں بہمان طریق کہ در ان دو کتاب بنظر رسیدہ نقل می شود پھر کسی قدر فرق سے لکھا ہے:

القصہ قاسم اجازہ حرب نیافت و برادران سید الشہداء تدارک
حرب می دیدند قاسم بہ خیمہ درآمد و سر بہ زانوی غم نہادہ بہ نشست
پھر دوسطر کے فرق سے لکھا ہے:

ناگاہ بخاطرش رسید کہ پدرش حضرت امام حسن علیہ السلام تعویذی بر بازوی
او بستہ و باو فرمودہ بود کہ ای فرزند دلبد ہر وقتی از اوقات کہ الم ییحد و
غایت و مصیبت ہی نہایت بتو روی دہد این تعویذ را باز کن و بخوان و بدانچہ
در آن نوشتہ اند عمل نمای قاسم گفت بخدا قسم تا بودہ ام ہرگز غم و اندوہی
چنین بمن رخ ندادہ و بدین قسم گرہ در کار من نیفتادہ بعد از بن نیز اگر زندہ
بعانم چنین اندوہی از برای من اتفاق نیفتد، امروز وقت آنست کہ تعویذ را باز

کنم، و از دیدن آن رفع اندوه خود نمایم، پس آن تعویذ را از بازوی خود کشود و چون ملاحظه نمود دید که پدرش امام حسن علیه السلام بخط مبارک خود نوشته است که ای قاسم ای نور دیده وصیت می‌کنم ترا که چون برادرم یعنی عمت امام حسین علیه السلام به بینی در کربلا بدست شامیان پردغا و کوفیان پیوفا گرفتار شده از نهار که سرخود در قدم وی بیندازی، و جان خود را از برای وی در بازی و هر چند ترا از مصاف رفتن باز دارد، از و نه پذیری و چندان اصرار و مبالغه کنی، و در الحاح و ابرام بیغزایی که جان فدای عمت نمایی، که مفتاح سعادت و وسیله اقبال و کرامت خواهد بود، پس قاسم بر مضمون نامه مطلع شد و از شادی ندانست که چه کند بتعجیل از جای جست و آن نامه که رقم شهادت آن معصوم بود بدست عم خود داد، چون شاه شهیدان آن مکتوب را دید آه حسرت از دل پر درد بر کشید، و زار زار گریست و اشک حسرت از دیدگان بارید و گفت ای جان عم این وصیتی است که برادرم بتو کرده است درباره من و تو می‌خواهی که بوصیت او عمل نمایی مرا نیز درباره تو وصیتی نموده می‌خواهم آنرا بجای آورم و وصیت او بمن آنست که فاطمه دختر من که پدرت او را نامزد تو کرده بود بعقد تو در آورم و بتو دهم، بیانات ساعتی بخیمه رویم و در تمشیت این مهم کوشیم، پس دست قاسم را گرفت و او را باند رون خیمه برد، و برادر خود عباس را طلبید و خطبه در نهایت فصاحت و بلاغت او فرمود و فاطمه را بمهر شهادت بقاسم عقد کرد. پس بزینب خاتون فرمود ای خواهر جامه‌های برادرم امام حسن علیه السلام را حاضر کن و چون زینب آنها را حاضر نمود مقرر فرمود تا آنکه جامه فاخره بقاسم پوشانید و آن حضرت بدست مبارک خود دراعه امام حسن علیه السلام را در او پوشانید و عمامه آنحضرت را بر سر او گذارد. پس زنان حرم فاطمه را زینت نمودند. پس آنحضرت دست فاطمه را بدست قاسم داد و گفت اینست امانتی که پدرت من سپرده بود.

تمام تر اس روایت سے اہل ہوش پر ظاہر ہے کہ اس تعویذ کا دکھانا امام حسین کو حضرت قاسم کا روز عاشور میں تھا۔ بعد شہید ہو جانے جملہ انصار اور اولاد عقیل اور اولاد جعفر طیار کے اور منجملہ اولاد عقیل کے دو بیٹے حضرت مسلم کے بھانجے حضرت عباس کے جو بطن سے رقیہ و ختر امیر المومنین کے تھے شہید ہو چکے تھے اور دو بیٹے حضرت عبد اللہ بن جعفر طیار کے بھانجے حضرت امام حسینؑ کے بطن مطہر حضرت زینب کے تھے، بعد اُنکی وہ بھی شہید ہو چکے تھے اور بموجب اس روایت کے عقد و ن میں ہونا قرار پایا ہے نہ رات میں صاحب ماتین نے باوجود مصلحت بیان کرنے کے اسے پسند نہیں کیا، کہ وصیت حضرت امام حسن کی اس تعویذ میں تھی یا وہ تعویذ رات کو کہولا گیا چنانچہ کہا ہے۔

«وما اشتهر بین تلك الوصية ايضا كانت مكتوبة في عودة حلها الاسم تلك الليلة» فعندی فیہ نظر خلاصہ اور یہ روایت جو عام لوگوں میں مشہور ہے کہ داماد بنانے کی وصیت بھی امام حسین کی نسبت اسی تعویذ میں درج تھی جسکو حضرت قاسم نے اسی شب کو کہولا ہے مجھے اس میں کلام ہے۔ اب حقیر کہتا ہے کہ یہ تعویذ تو رخصت نہ ملنے کے بعد کہولا گیا تھا شب کیسی اور وہ لڑائی کا وقت تھا جیسا اصل روایت سے جو ہم نے ریاض الشہادت سے قبل ازین نقل کی ہے عیان ہے، اور یہ یہی اس روایت سے ہوید ا ہے کہ جب حضرت قاسم نے جناب امام حسین کو وہ تعویذ دیا تو آپ خیمہ میں لگے اور اپنے بھائی عباس اور عون کو وہاں بلایا اور خطبہ پڑھا اور قاسم کی شہادت کے مہربانہ کرفاطمہ کبریٰ سے عقد کر دیا اور جناب زینب خاتون سے حضرت امام حسن کا لباس منگوایا اور ذرہ مع لباس حضرت امام حسن کا حضرت قاسم کو پہنائی اور عمامہ انکا سر پر حضرت قاسم کے باندھا اور عورتوں نے حضرت فاطمہ کبریٰ کی زینت کی کاتب الحروف اس روایت کے جھٹلانے کے لیے چند وجہیں پیش کرتا ہے۔

پہلی یہ کہ یہ روایت کسی حدیث کی کتاب میں نہیں جیسا کہ بعض جواب میں سلطان العلماء کے ہے، و نیز لمای مجلسی کے ارشاد اور تحریر سے اور صاحب ریاض الشہادت کے ظاہر ہے۔

دوسری کتابوں میں علماء کا نہ دیکھنا جیسا کہ گذرا۔

تیسری بے ضرورت کہ حضرت قاسم اور فاطمہ کبریٰ دونوں خور و سال بچے تھے اور حضرت قاسم اسی وقت مرنے کو جا رہے ہیں اور حضرت امام حسین شب میں سب کی شہادت کی خبر دے چکے ہیں۔

چوتھی یہ قیامت تو بپا ہو رہی ہے کہ خاندان والوں کی لاش پر لاش چلی آتی ہے حضرت رقیہ اپنے بیٹوں کو رو رہی ہیں حضرت زینب اپنے صاحبزادوں کو پیٹ رہی ہیں سارا خاندان اور انصار قتل ہو چکا ہے۔ باقی کی باری مونہہ پر کھڑی ہے بڑی سخت پریشانی کا وقت ہے اور وہاں اطمینان سے کپڑے امام حسن کے مانگے جا رہے ہیں ذرہ اور لباس پہنایا جا رہا ہے خطبہ کیسے اطمینان سے پڑھا جاتا ہے، بھلا یہ کونسا وقت نکال کا تھا۔

پانچویں یہ کہ قبل ازین کفار کے حملہ پر حملہ تھے خیموں کے جلانے کو چڑھ چلے آتے تھے، حضرت کے انصار انکو روکتے تھے خندق میں آگ جلا کر خیموں کی حفاظت بمشکل کی تھی باوجودیکہ مخالفین مسلمان تھے اور نماز کی مہلت نہ دیتے تھے بڑی مشکل سے دو اصحاب کو اپنے رو برد کھڑا کر کے امام حسین نے نماز خوف بجماعت پڑھی وہ دو صحابی ایک زہیر قین دوسرے سعد بن عبد اللہ تھے۔

یہاں تک کفار چڑھ آنے اور لڑنے میں کوشش کرتے تھے کہ امام حسین کے جو سعد بن عبد اللہ آگے کھڑے ہوئے تھے کفار نے انکو شہید کر دیا اس عقد کے واسطے انہوں نے کیسے مہلت دیدی کہ خطبہ بھی پڑھ لو، صیغہ نکاح بھی پڑھو، کپڑے پہناؤ، ذرہ بھی پہناؤ، بود لہن کی زینت بھی کر لو، باطمینان خیمہ میں جاؤ، بھلا اس وقت کفار کا روکنے والا کون؟ نماز کے وقت تو کچھ انصار اور سب اہل خاندان تھے اس وقت فقط حضرت عباس اور لنگے بھائی اور حضرت علی اکبر جو در حقیقت علی اوسط ہیں۔ یہی تھے۔ اور یہ سب باہر نہیں تھے بلکہ سب خیمہ میں تھے۔ بیٹے حضرت زینب کے تو دو بھانجے اور خصوصاً دو بیٹے اور عزیز اور بھائی کے انصار قتل ہو چکے لاشیں خیمہ میں آگئیں وہ بیٹوں کا رونا چھوڑ کر لباس حضرت امام حسن کا لارہی ہیں اسکو تو کوئی بچہ بھی سمجھ ہی نہ پارے گا۔

ساتویں حضرت فاطمہ کبریٰ کا سنگھار عورتوں کے ہاتھ سے اس آفت اور بے اطمینانی کے وقت اپنے عزیزوں کی لاشیں اور انکا چھوڑ کر ہونا۔

آٹھویں ایسے ایسے قریب عزیزوں کے وقت فوراً اس عقد کا ہونا بھلا کیسے مانا جاوے۔

نویں بے اطمینانی کے وقت اس نکاح کا ہونا۔

دسویں جو اس روایت میں ہے کہ حضرت امام حسین نے لباس حضرت امام حسن اور ذرہ اس وقت حضرت قاسم کو پہنایا یہ بات کسی کی عقل کب تجویز کرے گی کہ حضرت قاسم اس وقت بچے تھے ریاض الشہادت میں ہے قاسم بن الحسن کہ در آنوقت بحمد تکلیف نرسیدہ بود دوازده یا سیزده سال از عمر شریفش نگذشتہ بود اور ملائے مجلسی کی جلاء العیون میں ہے:

«قاسم پسر حضرت امام حسن علیہ السلام کہ چہرہ مبارکش مانند آفتاب تابان

بود و بحمد بلوغ نرسیدہ بود نزد عم بزرگوار خود آمد و رخصت جہاد طلبیدہ

جبکہ ایسے کم سن تھے انکے جسم میں حضرت امام حسن کی پوشاک کیسے آگئی ایک بزرگوار نے فرمایا کہ اس وقت عورتوں نے سوئی لیکر ٹانگہ دی ہوگی میں کہتا ہوں لوہا اور فولاد کی ذرہ کو امام حسن کی کیا کیا ہوگا۔

اور سب سے بڑھ کر تو گیارہویں یہ حجت ہے کہ حضرت فاطمہ کبریٰ کا نکاح مدینہ میں حضرت حسن ثنی سے ہو چکا تھا پھر دوسرا نکاح حیات میں شوہر کی کیسا اور حسن ثنی کر بلا میں موجود تھے چنانچہ سیر الائمہ میں مذکور ہوا ہے کہ علمای انساب نے حضرت امام حسن کے بیٹے سترہ عدد دکھے ہیں اور صاحب تاریخ التواریخ نے بیس عدد کو وارد کیا ہے۔ انکی تفصیل یہ ہے اول زید دوسرے حسن ثنی تیسرے حسین اثرم چوتھے علی اکبر پانچویں علی اصغر چھٹے جعفر ساتویں عبد اللہ اکبر آٹھویں عبد اللہ اصغر نویں قاسم دسویں عبد الرحمن گیارہویں احمد بارہویں اسمعیل تیرویں یعقوب چودھویں عقیل پندرہویں محمد اکبر سولویں محمد اصغر سترہویں حمزہ آٹھارہویں ابو بکر اور منسویں عمر بیسویں طلحہ اور ان بیس عدد میں سے سات تن عاشورہ کے دن کر بلا میں سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ موجود تھے اول حسن ثنی دوسرے زید جس زمانہ میں مدینہ میں تھے تو انکا یہ خیال تھا کہ کسی بیٹی سے جناب امام حسین علیہ السلام کی نکاح کروں جب خبر حضرت امام حسین علیہ السلام تک پہونچی تو حضرت حسن ثنی علیہ السلام کو اپنے پاس طلب فرمایا اور ارشاد کیا یہ دونوں بیٹیاں میری فاطمہ اور سکینہ ہیں جس سے چاہو تم اپنا نکاح کر لو حسن ثنی علیہ السلام بسبب شرم کے کچھ نہ بولے

اس وقت جناب سید الشہداء نے فرمایا کہ اپنی بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا کا عقد تمہارے ساتھ کیا وہ میری ماں فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا سے صورت میں مشابہ ہے۔

خلاصہ حسن مثنیٰ علیہ السلام روز عاشور سید الشہداء علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے اور عمر سعد کے لشکر سے جہاد کرتے تھے اور بہت زخمی ہو گئے اور کشتوں میں گر گئے جس وقت کہ سب شہیدوں کے سر تن سے جدا کئے جاتے تھے اس وقت حسن مثنیٰ میں کچھ حیات کی رمتی باقی تھی اسلئے ابن خارجہ جسکی کنیت ابو حسان تھی ان سے انکی شفاعت کی اور یہ شفاعت اس سبب سے تھی کہ حسن مثنیٰ کی ماں خولہ منظور کی بیٹی فزارہ کے قبیلہ کی تھیں جب اس شفاعت کو عمر ابن سعد نے سنا تو کہا کہ ابو حسان کے بہانچے کا سر کاٹنا نہ چاہیے، حسن مثنیٰ اس کے بہانچے کو اسے ہی دید و پس ابو حسان حضرت حسن مثنیٰ کو اپنے ساتھ کوفہ میں لے آیا اور انکی یہاں دوا کی یہاں تک کہ انکو صحت ہو گئی اور یہاں سے وہ مدینہ کو چلے گئے بعد اسکے لکھا ہے کہ اس روایت سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت قاسم کی دامادی اور نکاح کی روایت راویوں کا جھوٹ ہے اسلئے سید الشہداء کے دو بیٹیوں سے زیادہ کوئی تیسری بیٹی نہیں تھی ایک فاطمہ زوجہ حسن مثنیٰ دوسری سکینہ پھر باقی پانچ پسر کی حضرت امام حسن کی شہادت لکھی ہے اصل عبارت سیر الائمہ کی یہ ہے:

«علمای انساب پسرهای حضرت امام حسن علیہ السلام را هفتده تن یافته اند صاحب ناسخ التواریخ پسرهای آنحضرت تا بیست نفر مقرر کرده بدین تفصیل اول زید، دوم حسن مثنیٰ سوم حسین اترم، چہارم علی اکبر، پنجم علی اصغر، ششم جعفر، ہفتم عبد اللہ اکبر، ہشتم عبد اللہ اصغر، نہم قاسم، دہم عبد الرحمان، یازدہم احمد، دوازدهم اسمعیل، سیزدهم یعقوب، چہاردهم عقیل، پانزدہم محمد اکبر، شانزدہم محمد اصغر، ہفدهم حمزہ، ہیچدہم ابویکر، نوزدهم عمر، ہستم طلحہ و از این جملہ ہفت تن روز عاشورہ در رکاب سید الشہداء علیہم السلام بلائیت داشتند اول حسن مثنیٰ دوم زید امام حسن مثنیٰ زمانی کہ در مدینہ بود در خاطر داشت کہ دختر سید الشہداء را در حبالہ نکاح در آورد چون این خبر را بغرض

آنحضرت رسانید او را حاضر ساخت و فرمود ان یک فاطمه و سکینه دختر من اند و هر یک را خواستگا باشی با تو کا بین خواهم بست حسن را شرم مانع آمد سخن نکرد سید الشهداء فرمود دختر خود فاطمه را کہ با مادرم شبیه است با تو کا بین بستم خلاصه حسن مثنی در یوم عاشوره در رکاب سید الشهداء حاضر بود و با لشکر ابن سعد جهاد کرد و زخم فراوان یافت و در میان کشتگان افتاد و وقتی کہ سر سائر شهداء را از تن دور می ساختند هنوز حسن را رمقی در تن بود اسمار بن خارجه بکنی بابی حسان او را شفاعت کرد و این شفاعت از بهران بود کہ باور حسن مثنی خوله دختر منظور از قبیله بنی قراره بود چون ابن سعد آگهی یافت گفت پسر خواهر ابو حسان را پاو گذارید پس ابو حسان حسن را بکوفه آورد و مداوا نمود تا صحت یافت و از آنجا روانه مدینه شد از این حدیث مکشوف افتاد کہ حدیث دامادی قاسم بن الحسن رضی اللہ عنہ در کربلا از اکاذیب روات است زیرا کہ سید الشهداء رضی اللہ عنہ را زیادہ دو دختر بنود یکی فاطمه کہ زوجه حسن مثنی رضی اللہ عنہ و آن یگر سکینه بود.

اور ارشاد میں شیخ مفید اور کشف الغمہ میں علی بن عیسیٰ اربلی رحمہما اللہ کی بالکل اسکی ہی مطابق لکھا ہے اور نسب کی کتابوں کی طرف جو رجوع کیا تو دیکھا کہ عمدة الطالب فی نسب آل ابی طالب میں درمیان ذکر حسن مثنی یہ لکھا ہے:

«و کان قد خطب الی عمہ الحسین رضی اللہ عنہ احدی بنایہ فابرز الیہ فاطمه و سکینه و قال یابن اخي اختر ایہما شئت فاستحي الحسن و سکت فقال الحسین قد زوجتک فاطمة فانہا اشبه الناس بامی فاطمة بنت رسول اللہ و قال لبخاری بل اختار الحسن فاطمة بنت عمہ الحسین»

خلاصہ حسن مثنیٰ نے ایک بیٹی کی امام حسین علیہ السلام کے مدینہ میں خواستگاری کی تھی امام حسین علیہ السلام نے فاطمہ اور سکینہ کو پیش کیا اور کہا کہ یہ دونوں موجود ہیں اے بھتیجے جسکو ان دونوں میں سے چاہو اختیار کو لو حسن مثنیٰ شرمنا کر خاموش ہو رہے امام حسین نے فرمایا کہ یہ فاطمہ جو میری ماں فاطمہ بنت رسول اللہ سے صورت میں مشابہ ہے اسکا تیرے ساتھ نکاح کر دیا اور تیری زوجیت میں دیدیا اور بخاری نے کہا ہے شرمائے نہیں بلکہ خود حسن مثنیٰ نے فاطمہ کو اختیار کر لیا اور اس طرح اور تحقیق علمائے رجال اور انساب کی سیر الائمہ کی روایت کو قوت دیتی ہے، جیسے کہ نجوم السماء فی تراجم العلماء میں بحر العلوم جناب مولانا محمد مہدی طباطبائی کی ذکر میں لکھا ہے:

نسب شریفش از جانب پدر بحضرت امام حسن و از جانب مادر بحضرت امام حسین سید الشهداء علیہ السلام میرسد زیرا کہ از جانب پدر منسوب بوده اند بسید ابراہیم طباطبائی بن اسمعیل الدیاج بن ابراہیم المعمر بن الحسن المثنیٰ ابن الامام الحسن المجتبیٰ علیہ السلام

سے بھی ثابت ہے کہ فاطمہ کبریٰ زوجہ حضرت حسن مثنیٰ کی تھیں اور ابراہیم معمران کے بطن مطہر سے پیدا ہوئے جو مولانا محمد مہدی طباطبائی کے داوے تھے اور پھر اسی کتاب میں درمیان ذکر مولانا سید علی بن محمد علی بن ابی المعالی صغیر بن ابی المعالی کبیر حسنی حسینی حارثی یہ لکھا ہے:

نسب شریفش از طرف پدر بہ ابراہیم طباطبایی کہ از فرزندان حسن مثنیٰ علیہ السلام بود از جانب مادر بفاطمہ بنت سید الشهداء علیہ السلام میرسد.

اور یہ شبہ نہ ہو کہ امام حسین کی فاطمہ دو دختر ہستام تھیں ایک فاطمہ کا عقد حضرت حسن مثنیٰ سے کیا اور دوسری فاطمہ کا حضرت قاسم سے کیا اس لئے کہ شیخ مفید نے ارشاد میں دو بیٹیاں امام حسین کی تحریر فرمائی ہیں ایک فاطمہ اور ایک سکینہ۔

علی بن عیسیٰ اربلی نے کشف الغمہ میں حافظ عبد العزیز بن الاخنسر جناب دی سے یہی نقل کیا ہے اور کمال الدین بن طلحہ شافعی سے اگرچہ ہوتا تین دختر کا منقول ہے مگر نام انکے یہ ہیں زینب اور سکینہ اور فاطمہ اور

ایسا ہی ابن خشاب سے نقل کیا ہے اور بحوالہ ارشاد شیخ مفید وہ ہی فاطمہ اور سکینہ دو دختر لکھی ہیں اور ایک بزرگوار نے مجھ سے فرمایا کہ جناب امام حسین علیہ السلام نے وصیت پر اپنے بھائی حضرت امام حسن کی عمل کیا تھا ارشاد اور کلام انکا از بس عجیب و غریب ہے یہ بزرگوار اسکو نہیں جانتے کہ عمل تو بعد کو ہو گا پہلے کسی معتبر روای سے صحیح روایت میں جسکی توثیق ہمارے علماء نے کی ہو وصیت کا ہونا تو ثابت ہو علاوہ برین گیارہ برس پہلے حضرت حسن علیہ السلام وفات پا چکے تھے دس برس یا کچھ کم زیادہ جناب امام حسین مدینہ میں رہے وہاں کبھی اس وصیت پر عمل نہ کیا جب کہ بلا کو ماہ شعبان چلے تو چلتے یارہ میں وصیت پر عمل نہ واجب دوسری محرم کو کہ بلا میں پہونچے اور نام کہ بلا کا سنتی ہی حضرت امام حسین نے فرمایا کہ ہم سب یہاں قتل ہو جائیں گے مگر اس وقت وصیت پر عمل نہ کیا یہ وقت سب اطمینان کے ساتھ تھے اطمینان چھوڑ کر بے اطمینانی اور پریشانی کے وقت بی ضرورت وصیت پر عمل کیا اور یہ کونسا وقت وصیت پر عمل کرنے کا تھا کہ دشمن چڑھے آرہے ہیں عزیزوں کی لاشیں آرہی ہیں رونا پھینا در پیش ہے جان کے لالے پڑ رہے ہیں اور اس پر باطمینان نکاح ہو رہا ہے ایسے ہی ایک بزرگوار نے فرمایا کہ بیٹی کا راند ہو جانا یہی دنیا میں باپ پر بڑی مصیبت ہے تو امام حسین اس مصیبت سے محروم رہے جاتے تھے۔

میں کہتا ہوں یہ مصیبت کب امتحان خدا کی طرف سے تھی یہ تو دیدہ و دانستہ بے ضرورت جان بوجہ کر کہ حضرت قاسم اسی وقت میدان کو جا رہے ہیں اور حضرت جانتے تھے کہ قاسم پھر کر نہ آئیں گے اپنے ہاتھوں اپنے اوپر ڈال لی اور اسی طرح اور بھی مصیبتیں تھیں وہ حضرت نے اپنے ہاتھوں کیوں نہ ڈالیں، بعض اشخاص اس نکاح کی مصلحتیں بیان کرتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ مصلحت بھی تو اس وقت دیکھی جائی گی جو اسکا واقع ہونا کسی معتبر حدیث یا روایت میں سچے معتبر راوی سے منقول ہو اگر کسی معتبر روایت میں اس نکاح کا ہونا مذکور ہو چکا تھا تو ہمارے قدیمی علماء نے اپنی حدیث کی کتابوں میں کیوں نہ مذکور کیا؟ اور روایت عقد فاطمہ کبری جو حسن مثنیٰ سے ہوا ہے اور یہ روایت کتب انساب اور سیر و اخبار میں ہے۔

علاوہ بران ہے کہ وہ روایت وصیت و عقد حضرت قاسم سے معارضہ کرتی ہے جو کوئی اس نکاح کا معتقد ہو گا تو اسکو اسکا بھی جواب دینا ضرور ہو گا کہ جب یہ امر ثابت ہو لیا کہ جناب امام حسین نے حضرت فاطمہ کبری کا عقد مدینہ میں حضرت حسن مثنیٰ سے کر دیا تھا چنانچہ یہی امر کتب تاریخ و رجال و انساب سے پوری

طرح ثابت ہے تو حیات میں شوہر کی جناب امام حسین دوسرا نکاح لہنی بیٹی کا کیوں کرتے تھے باوجودیکہ حسن مثنیٰ کے پسر کا پیدا ہونا بطن مطہر وے فاطمہ کبریٰ کے چنکا نام ابراہیم معمر ہے ثابت ہے اور جملہ طباطبائی کی انہیں کی اولاد ہیں جیسا کہ نجوم السما میں ہے اور ایسی ہی عبد اللہ بن حسن مثنیٰ کا بطن فاطمہ کبریٰ دختر سید الشہدائے کشف الغمہ میں مولانا علی بن عیسیٰ اربلی علیہ الرحمہ کی لکھا ہے۔

پس بعد ثبوت ان سب امور کے یہ کہنا حضرت امام حسن علیہ السلام نے لہنی دختر حضرت فاطمہ کبریٰ کا نکاح روز عاشورہ یا شب شہادت کر بلا میں حضرت قاسم ابن حسن سے کیا تھا جناب امام حسین پر بڑی تہمت ہے اور ان حضرت پر بڑا بھاری اعتراض ہے کہ امام معصوم ہو کر حیات میں دلاوی لہنی بیٹی کا عقد دوسرے شخص سے کرتے تھے جو جو شاعتیں اس اعتقاد اور ذکر کرنے میں اور بخوشی خاطر سننے میں لازم آتی ہیں ان سے پرہیز کرنا اور بچنا ضروری ہے: قال اللہ تبارک و تعالیٰ لنبیہ صلعم: ان عليك الا البلاغ فانا اقتديتہ

خاتمہ الطبع

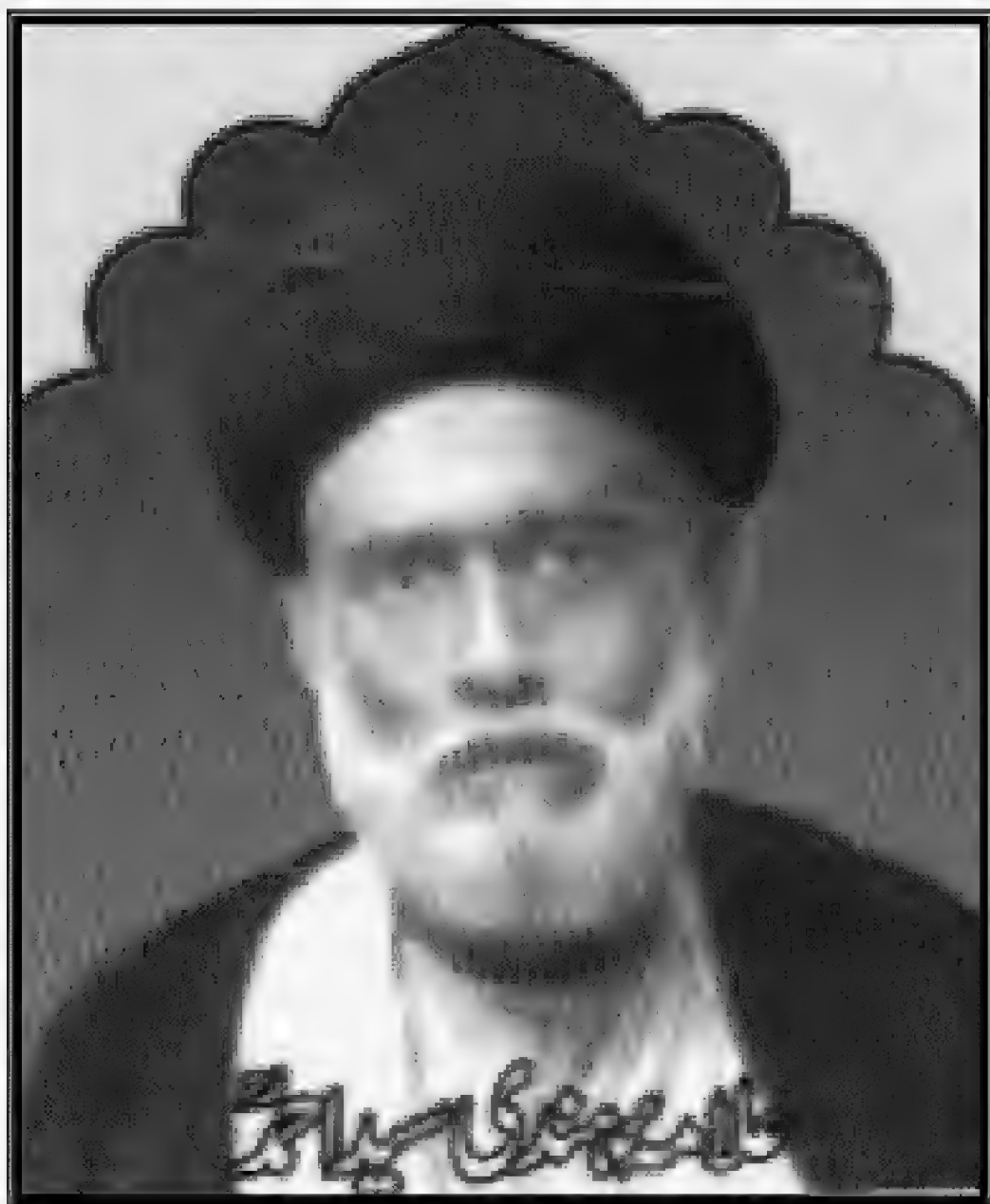
الحمد لله الذي اكشف الغطاء وارفع جلياب الخفاء وصلي الله علي نبيه واصحابه الكساء کہ فی زمانہ ہذا جو مد ار مذہب اہل حق کا برخلاف ﴿فاسئلوا اهل الذکر انکتہم لا تعلمون﴾ کے ذاکرین مصائب و مناقب کی تصنیفات نظم و نثر پر ہو گیا ہے جو اہل خلاف کی روایت سے مستنبط ہیں اور حضرات عوام نے انہیں مضامین کو لہنی الواح خاطر پر کا نقش فی الحجر منقش فرمایا ہے اور یہ موجب عصیان بی پایان کا ہوتا ہے۔

لہذا مصنف محقق و مولف مدقن صاحب تصانیف کثیر و تالیفات خطیر محفل فضلا عن النہین مؤید علماء مؤلفین الحاج والزار السید المجد سلالہ آل محمد مولانا السید محمد التقویٰ ادام اللہ الصمد ظلہ العالی بدوام الایام و اللیالی نے اس رسالہ کو نسبت دلاوی قاسم ابن حسن کی اپنی تحقیق حقیقی سے اعتباراً شائع فرمایا ہے تاکہ اہل حق لہنی جاوہ مستوی سے نہ پہریں اور لہنی کتب حقہ کے مرویات سے تجاوز نہ کریں۔

تاریخ کا خونی ورق

کچھ تالیف: علامہ سید احمد معروف بہ علامہ ہندی

﴿تمثال مبارک مؤلف کتاب "تاریخ کا خونی ورق"﴾
﴿مؤلف کے بارے میں﴾
﴿مقن کتاب﴾



تمثال مبارک مؤلف کتاب "تاریخ کچا خون و رقی"

مولف کے بارے میں

علامہ سید احمد ہندیؒ، مولانا سید ابراہیم صاحب کے فرزند، ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۹۵ھ لکھنؤ میں پیدا ہوئے صفر ۱۲۹۸ھ کو اپنے والد کے ساتھ عراق گئے اور تحت قبہ بسم اللہ خوانی ہوئی۔ دوسری مرتبہ ۱۳۰۵ھ میں زیارات عراق و ایران سے مشرف ہوئے۔ مرزا محمد حسن صاحب کشمیری سے اور مولوی سید محمد صاحب مدرس مدرسہ ناظمیہ اور مولوی سید سرفراز حسین صاحب اور مولوی شیخ فدا حسین صاحب، ملا سید علی اصغر صاحب اور مولوی مظفر علی خان صاحب مراد آبادی اور تاج العلماء سے درسیات کی تکمیل کی۔

عراق جانے سے قبل تقریر و تحریر کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ مثلاً سفر ملتان میں سنی عالم سے مناظرہ کیا۔ جس سے اہل ملتان اب تک ممنون ہیں۔ ایک شیعہ مولوی صاحب سے معراج جسمانی پر مباحثہ کیا۔ ایک آریا سے ذبح حیوانات پر بحث کی اور عرقت و فتح پائی۔

آپ نے عراق کے متعدد سفر کیے۔ ۱۳۲۵ھ میں مع اہل و عیال ۱۳۲۶ھ میں اس سفر میں غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے وقف اور اس کے وظائف کی تقسیم کا مسئلہ طے کرایا۔

۱۳۲۸ھ لکھنؤ میں ”یادگار علماء“ کے نام سے خاندان اجتہاد کے اکابر کے لیے انجمن قائم ہوئی۔ علامہ ہندی نے تیس سال تک اس میں کام کیا۔

۱۳۳۱ھ میں وثیقہ موقوفہ نواب محل کی تقسیم کے لیے کربلاء گئے۔ اسی زمانے میں یکم شوال تا ۱۶ شوال نجف میں قحط آب ہوا تو مولانا روزانہ کوفے سے پانی منگوا کر مفت تقسیم فرماتے رہے۔ اسی سال جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ میں مدرسہ دینیہ، جعفریہ کی بنیاد رکھی جس میں سو سو اساتذہ جغرافیہ، ہندسہ، حساب ترکی، عربی و علوم دینیہ پڑھتے تھے۔ اس مدرسے پر مولانا نے بڑی محنت کی تھی۔

۱۳۳۳ھ ۱۹۱۲ء کی جنگ عظیم میں آپ نے عوام، کی بڑی خدمت کی اور ۴۵ (زن و فرزند) افراد کا قافلہ لے کر براستہ دریائے اہرے آئے اور ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ ہندوستان واپس پہنچے۔

۱۳۳۵ھ میں انجمن دارالتبلیغ قائم کی۔ عراق کے علماء میں مرزا فتح اللہ شیرازی مشہور بہ شیخ الشریعت، آیت اللہ سید محمد کاظم طباطبائی آقائی محمد باقر طباطبائی، آقائی حاج شیخ حسین مازندرانی، رحمہم اللہ نے مولانا سید احمد کو اجازت دیے جن میں سے جناب ملا محمد کاظم خراسانی نجفی نے اجازت میں لکھا:

«فی الحقیقت علم در آن صفحات منحصر بمثل ایشان ست پس امر

ایشان امر من وطاعت ایشان طاعت من وفعل من»

مولانا سید احمد با عمل، مدیر اور مفکر عالم تھے۔ جمال الدین افغانی کی تحریک کا شباب تھا۔ انگریزوں سے نفرت بڑھ رہی تھی مولانا سید احمد نے قومی مفادات کے تحفظ کی خاطر عراق میں قونصل برطانیہ سے ٹکری اور اوقاف لکھنؤ سے نجف و کربلا وغیرہ کے لیے جاتی تھی اس کا محاسبہ کیا اور صحیح مستحقین تک پہنچانے اور عراق میں زائرین کے تحفظ کی سعی کی۔

وطن آکر مولانا نے ”علامہ ہندی“ کے نام سے شہرت پائی۔ وہ شہر شہر قریے قریے دورے کرتے رہے اور دینی، سیاسی اور علمی مسائل کے لیے عملی منصوبے بنائے۔ انھوں نے آریوں، ہندوؤں اور مختلف مذاہب و ملل کے افراد سے مباحثہ کیے۔ پورے ملک کے دورے کر کے اسلامی تبلیغات کا کام انجام دیا۔ بہت سے شہروں میں ذہنی اور علمی بیداری کے مرکز قائم کیے۔

وہ طویل مدت تکلتے میں رہے اور وہاں تبلیغی کتابچے چھاپتے رہے۔ علامہ ہندی نے قوم کی علمی، اور ذہنی، سیاسی اور سماجی اصلاح و ترقی کے لیے پوری زندگی جدوجہد کی۔ آخر پنجشنبہ ۱۰ جولائی ۱۹۳۷ء مطابق ۲۰ شعبان ۱۳۶۶ھ لکھنؤ میں رحلت فرمائی۔ غفران مآب کے امام باڑے میں دفن ہوئے۔

اولاد

مولانا سید محمد ابراہیم عرف سید محمد صاحب ملتان میں وفات پا چکے آپ کا تاریخی نام سید ذوالفقار حسین تھا سید محمد یوسف صاحب تاریخی نام سید خورشید حسن ہے۔ آقا حسین سید محمد مصطفیٰ^(۱)

آثار

علامہ ہندی شروع ہی سے زبان و قلم کے دھنی تھے، انہوں نے سینکڑوں مضامین اور رسالے لکھے اور چھاپے جن میں سے چند کے نام یہ ہیں:

- ۱۔ ساعتیہ، صرف مطبوعہ (عربی)
- ۲۔ زبدۃ الکلام۔ مطبوعہ
- ۳۔ فلسفۃ الاسلام کیمیا
- ۴۔ تفسیر سورۃ الحمد و تفسیر مسئلہ (عربی)
- ۵۔ المنطق
- ۶۔ اشارات فی الکلام
- ۷۔ التصریف
- ۸۔ الیا قوت
- ۹۔ قاسمیہ
- ۱۰۔ کفایتہ السائلین
- ۱۱۔ استدلال
- ۱۲۔ جواز تجزی فی الاجتہاد استدلال
- ۱۳۔ مدارج الوصول شرح معارج الاصول
- ۱۴۔ صومع و موع العینین مقتل ابی الحسینؑ
- ۱۵۔ بسط مقال فی اسماء الرجال
- ۱۶۔ درایۃ الحدیث
- ۱۷۔ عماد الدین فقہ
- ۱۸۔ مخلوط
- ۱۹۔ انشاء صدر برگ
- ۲۰۔ انشاء عجب العجائب
- ۲۱۔ ورثۃ الانبیاء
- ۲۲۔ حل مسئلہ مشکہ۔؟ (فارسی)
- ۲۳۔ ریاض العباد فقہ (اردو)
- ۲۴۔ شکلیات و جدول احکام نماز (اردو)
- ۲۵۔ فتاویٰ احمدیہ (اردو)
- ۲۶۔ احکام المسافرین (اردو)
- ۲۷۔ رسالہ عملیہ (اردو)
- ۲۸۔ اظہار الہدیٰ رد بر اسرار الہدیٰ (اردو)
- ۲۹۔ اثبات حق و رد نصاریٰ (اردو)
- ۳۰۔ عشرہ مبشرہ مقاتل (اردو)
- ۳۱۔ حمایت الاسلام ۲ جلد (اردو)
- ۳۲۔ دورہ اول اسلام ج ۱ و ۲ مطبوعہ (اردو)
- ۳۳۔ المسیح و الاسلام مطبوعہ (اردو)
- ۳۴۔ حل مسئلہ مشکہ مطبوعہ (اردو)
- ۳۵۔ الدلیل والبرہان (مطبوعہ) (اردو)
- ۳۶۔ نظر فلسفیانہ بر معارج مطبوعہ (اردو)

۳۸۔ فلسفۃ الاسلام • اجلدیں نا تمام (اردو)

۷۔ اختیارات در ادعیہ مطبوعہ (اردو)

۳۰۔ الشفع والصرف ۳ حصے (اردو)

۹۔ کشکول۔ (اردو)

۳۲۔ مقالات مفیدہ (اردو)

۳۱۔ اراد الابرار (اردو)

۳۴۔ السخ المطبوعہ۔

۳۳۔ رسالۃ الصحف (اردو)

دار التبلیغ فلکۃ لکھنؤ سے آپ کے پچاس سے زیادہ رسالے شائع ہوئے جن کی تفصیل دستیاب نہ ہو سکی۔

متن کتاب

(شہادت امام حسینؑ کے تاریخی واقعات)

دیباچہ

محرم الحرام سنہ ۱۳۵۴ھ کے سرفراز محرم نمبر کے لیے واقعات کربلا لکھے گئے تھے اور مظلوموں کے بادشاہ صابروں کے شہنشاہ کی بارگاہ میں یہ ناچیز ہدیہ پیش کیا تھا۔

احباب کے اصرار اور دارالتبلیغ کے ضروریات نے مجبور کیا کہ چند مفید اضافوں کے ساتھ بطور رسالہ مکرارویہ مضمون طبع کرایا جاوے بعض ناگزیر اتفاقات کی وجہ سے محرم و صفر میں یہ مضمون طبع نہ ہو سکا، خدا کا شکر ہے کہ ہم اس قابل ہوئے کہ اس مفید رسالہ کو بعض ضروری اضافوں کے ساتھ مکرر پیش کر سکیں۔ وما توفیقی الا باللہ

باسمہ سبحانہ لہ الحمد

جنگ کربلا کے تاریخی حالات!

حالات امام حسینؑ علیہ السلام

خدا کا فدائی، اسلام کا شیدائی، مسلمانوں کا غمگسار، امت کا جان نثار، خدا کا محبوب، رسول کا پیارا، محمد کا تخت جگر، علی کا نور نظر، فاطمہ کا چاند، حق کا دلدادہ، صداقت کا شہزادہ، مجسمہ ایشہ، صبر و استقلال کا پتلا، خلق و مروت کا پیکر، رحم و انصاف کا پیرو، ہمت کا دہنی، امت کا پیشوا، شان الہی کا مظہر، کمالات رسالتی کا آئینہ، حافظ دین الہی۔

جنگ کربلا کا قافلہ سالار حسینؑ مظلوم

۳ شعبان المعظم سنہ ۴۰ھ روز جمعہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوا اور ۱۰ محرم الحرام سنہ ۶۱ھ روز جمعہ بعد زوال آفتاب بچپن سال کی عمر میں کربلا کے چٹیل میدان میں معہ عزیز واقارب ننھے ننھے بچوں اور جان نثاروں

نوٹ: سعد بن وقاص، عمر عاص، عبد الرحمن بن عوف کے جد اعلیٰ تھے خالد بن ولید اسی نسل سے تھے۔ سلاطین بنی عباس کے مورث اعلیٰ بنی ہاشم، ونساب عرب، امیہ کو عبد الشمس کا بیٹا نہیں کہتے بلکہ امیہ کا نام ذکوان تھا جو غلام تھا، ان کو حقیر سمجھ کر امیہ ماں کا بیٹا کہتے تھے۔^(۱) اس بنا پر بنی ہاشم اپنے نسب میں بنی امیہ کو شریک نہ کرتے تھے آپ کی والدہ ہندہ جگر خوارہ مشہور ہیں ایک حبشی غلام سے آپ نے زنا کیا اس کی اجرت یہ قرار پائی کہ حبشی جنگ احد میں حضرت حمزہ عم رسول خدا کی لاش چاک کر کے جگر نکال لائے جب جگر ہندہ کو ملا اس نے دانتوں سے چبایا۔

حسب ضرورت شہادت امام حسینؑ، زیاد کو جو سمیہ بن عبد ثقیف کا بیٹا تھا اس کو معاویہ نے اپنی پولیشیکل ضرورت کے ماتحت اپنے نسب میں شامل کر لیا۔ یزید نے بھی بعد شہادت امام حسینؑ ابن مرجانہ کے لقب سے یاد کیا اور لعنت کی۔^(۲)

خاندان رسالت سے پشتی عداوت اور اس کے وجوہ و اسباب اور اس کا نتیجہ جنگ کربلا:

کشتہ ظلم و جفا حسینؑ، چونکہ وارث اسلاف کرام و اجداد عظام تھا، اس لیے تمام عداوتوں کا مرکز بھی یہی ایک تنہا ذات رہ گئی تھی، اس لیے تمام اگلی اور پچھلی عداوتیں اسی ایک یکہ اور تنہا ذات سے نکالی گئیں اور امام حسینؑ نے بھی نہایت خندہ پیشانی سے اپنی ذات عالی کو تمام بزرگوں کی طرف سے پیش فرما دیا اور اپنی ذات کو اسی فداکاری کی وجہ سے عالم میں ذبح عظیم کا مصداق بنا دیا۔

دیکھو اس اسباب و وجوہ عداوت کو:

۱) خاندان ہاشم سے بنی تیم، بنی عدی، بنی امیہ کو سخت ترین عداوت تھی اور یہ تینوں قبیلے بنی ہاشم کے خلاف حلف اور معاہدہ کیے بیٹھے تھے۔ جناب ابو بکر بنی تیم سے تھے اور جناب عمر قبیلہ عدی سے اور جناب

۱۔ اصباہ، شریقا الاوراق، روش الاف سنبلی، کامل ابن اثیر۔

۲۔ الامامت والسیاست۔

عثمان بنی امیہ میں سے تھے اسلام لانے کے بعد بیعت رضوان میں رسول خدا نے بھی اس اتحادی رشتہ کو نہیں توڑا بلکہ جناب ابو بکر و عمر میں برادری قائم کی اور جناب عثمان کو عبد الرحمن بن عوف (خلیفہ گر) کا بھائی بنا دیا اسلام لانے کے ک بعد بھی یہ قبائل شیر و شکر رہے۔

بنی ہاشم سے عداوت کی وجہ یہ تھی کہ جناب ابو بکر کے دادا صخر نے امیہ کے اغوا سے جناب عبد المطلب کے پڑوسی یہودی کو دولت کی لالچ میں قتل کر دیا امیہ نے ان کو پناہ دی ایک سال تک عبد المطلب قاتل کی تلاش میں رہے۔ بالا آخر پتہ لگا اور امیہ سے بھر صخر کو حاصل کر کے حسب قانون حجاز صخر سے بھاری دیت حاصل کی جو مقتول یہودی کے بھتیجے کو دی گئی اور دس سال کے لیے صخر جلا وطن کئے گئے۔

(۲) دولت و ثروت و حکومت موروثی خانہ کعبہ کی وجہ سے حضرت عبد المطلب کو حاصل تھی، جس کی وجہ سے تمام قبائل آپ کے دشمن تھے اور یہ تولیت کعبہ و حکومت و ثروت جناب عبد المطلب سے حضرت ابوطالب کی طرف منتقل ہوئی تھی۔ اس لیے حضرت علی بن ابی طالب سے بھی سخت دشمنی تھی۔ وہ عہدے اور منصب حسب ذیل تھے۔

تولیت خانہ کعبہ، حجاج کی مہمانی، (وقادہ) حجاج کے لیے پانی کی فراہمی (سقاہ) تمام قبائلی نزاعوں کا فیصلہ (قضاة) اور لشکر کی سپہ سالاری امام حسینؑ کو رہ کل منصوبوں کے وارث و مستحق تھے۔

(۳) حضرت عبد المطلب کے چچا نوفل جد حضرت عثمان بن عفان نے جناب عبد المطلب کی جائداد غیر منقولہ دہالی تھی حضرت عبد المطلب نے اپنے ماموں کو مدینہ منورہ سے بلایا وہ اسی (۸۰) نفر مددگار ساتھ لائے اور بھر جائداد نوفل کے قبضہ سے نکال کر عبد المطلب کے حوالے کی۔

(۴) چاہ زمزم، عرصہ سے مخفی ہو گیا تھا، حضرت عبد المطلب کو الہام سے معلوم ہوا جس کو آپ نے برآمد کیا امیہ نے یورش کی تاکہ حصہ بنائے لیکن سب مغلوب ہوئے۔

(۵) جناب عبد المطلب نے امیہ کی شرارتوں سے عاجز آ کر بنی جرہم سے جو ایک بڑا قبیلہ اور بہادر تھا معاہدہ کر لیا جو سب کو شاق ہوا۔

(۶) اہل تاریخ واقف ہیں، کہ عرب حسب و نسب پر مٹے ہوئے ہیں، ان کے آب و گل میں تقاضی نہیں داخل ہیں اس لیے بنی ہاشم قبائل عدی، تیم امیہ کو قریشی اور اپنا مقابل نہ سمجھتے تھے اور منہ نہ لگاتے تھے، جس کی وجہ سے بنی ہاشم سے سب کو سخت عداوت و مخالفت تھی۔

آخر کار ان عداوتوں کو خداوند کریم کو قرآن مجید میں ظاہر فرمانا پڑا: ﴿وَنَزَّلْنَا مَا فِي صُُورِهِمْ مِّنْ غُلٍّ...﴾^(۱) جس میں حضرت علیؑ، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان کی قدیمی رنجشوں کو جتایا گیا ہے اس لیے کہ حضرت علیؑ بنی ہاشم کے سردار تھے اور حضرت ابو بکر بنی تیم، حضرت عمر بنی عدی اور حضرت عثمان بنی امیہ سے تھے اور زمانہ جاہلیت سے ایک دوسرے کے دشمن تھے۔^(۲) مذکورہ عداوتیں پشتہا پشت سے چلی آرہی تھیں۔

(۷) علی بن ابی طالبؑ کی شمشیر آبدار نے مذکورہ قبائل کو اور خلفاء کے قریبی رشتہ کو اسلام کی نصرت میں قتل کیا مثل عمیر بن کعب یزید بن تمیم، عثمان، مالک، بنی تیم سے جو قریبی رشتہ دار جناب ابو بکر اور جناب طلحہ کے دست علی سے قتل ہوئے ابو العاص بن قیس، عمر بن ہشام، ہشام بن امیہ حضرت فاروق کے قریبی رشتہ دار مارے گئے۔

معاویہ بن مغیرہ بن ابوالعاص، عاص بن سعید بن عاص بن امیہ حضرت عثمان کے قریبی رشتہ دار مارے گئے اور حنظلہ معاویہ کے ماموں اور ابن عتبہ اور عامر بن عبد اللہ اور شیبہ امیر معاویہ کے نانا کے بھائی اور عتبہ امیر معاویہ کے نانا یہ سب جناب عثمان اور امیر معاویہ کے قریبی رشتہ دار تھے اور عمر بن عوف، عاصم بن ابی عوف جناب سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبد الرحمن بن ابی عوف کے قریبی رشتہ دار مقتول ہوئے ورنہ مقتولین کا جذبہ انتقام تھا جس نے رسول خدا ﷺ اور علی مرتضیٰ علیہ السلام کو دم نہ لینے دیا اور ہندہ کو عم رسول حمزہ علیہ السلام کے جگر چبانے پر آمادہ کیا اور انہیں شہدائے بدر کو یاد کر کے خلیفہ ابن

۱۔ سورہ اعراف (۷) آیت ۳۳۔

۲۔ ازالہ الخلفاء شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ص ۱۰۱۔

خلیفہ یعنی جناب یزید اس بھرے دربار میں مرثیہ پڑھ رہے تھے۔ عین اس وقت جب سر امام حسینؑ طشت میں دھر اہوا سامنے تخت پر رکھا ہوا تھا یہ خلیفہ زادہ پکار پکار کر کہہ رہا تھا:

اے کاش آج کے روز ہمارے مقتول بزرگ جو بدر میں قتل ہوئے دیکھتے کہ
میں نے کس طرح سے بدلہ لیا ہے اور جئے ہوئے بنی ہاشم کے بزرگوں کو قتل کر کے
عوض پورا کر لیا۔^(۱)

۸) سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ رسول خدا ﷺ کی وفات ہوئی حضرت علیؑ کو یقین تھا کہ وہی وصی و خلیفہ و جانشین رسول ہوں گے اور سب ہی کو اس کا یقین تھا اس لیے کہ علیؑ برادر رسول ﷺ، دلاوا رسول ﷺ ہر لڑائی میں سردار لشکر رہ چکے تھے رسول کے قرضے آپ ہی نے ادا کیے آپ کے علم و حکمت شجاعت و زہد کی بار بار رسول خدا ﷺ تصدیق فرما چکے تھے متعدد موقعوں پر آپ کو اپنا وصی و جانشین بھی ظاہر کیا تھا اور تمام اصحاب اور عرب جانتے تھے کہ علیؑ کے سوا کوئی خلیفہ نہ ہو گا۔^(۲)

علی علیہ السلام خلاف توقع اجماع سقیفہ کی وجہ سے محروم رہ گئے لیکن ہمیشہ دربار خلافتی میں اپنا حق خلافت جتلاتے رہتے اور باوجود جبر و تشدد خلافت اولیٰ میں بھی بیعت نہ کی اور خلافت ثالثہ میں بھی احتجاج فرمایا اور بیعت نہ کی اور جنگ جمل و صفین میں بھی آپ کے اعزاء و رفیق اور خود آپ برابر فرماتے رہے کہ میں نے بیعت نہ کی تھی۔ حتیٰ کہ خلافت ثالثہ کے موقع پر جب آپ سے سیرت خلفاء کی پابندی کے لیے کہا گیا اس وقت بھی صاف انکار کر دیا اور بعد قتل عثمان جب آپ کے سامنے عہدہ خلافت کی پیشکش ہوئی تو آپ سے سیرت خلفاء کی پابندی کو کہا گیا اس وقت بھی آپ نے انکار کر دیا اور حضرت سیدہ بنت رسول ﷺ نے آخر دم تک بیعت نہ کی اور ایسی ناراض رہیں کہ جناب خلافت مآب (یعنی ابو بکر و عمر) سے بات تک نہ کی۔

۱۔ طبری۔

۲۔ رجوع کریں: فتح البلاء ابن ابی الحدید، صحیح ترمذی، پایاوی فارایندہ قرآن جان ڈیون پورٹ لکچر عثمان لاہیر علی صفحہ ۳۳۳ نوٹ ۲ فیصلہ مشورہ بمقتدرہ اہل مسٹر جسٹس آر لولڈ۔

المختصر جناب امیر اور ان کے بعد امام حسن اور امام حسینؑ کے بعد دیگرے اپنے کو خلیفہ رسول سمجھتے رہے اور ان کے تابعین اور اصحاب اور جملہ بنی ہاشم خلافت کے حقدار انہیں حضرات کو سمجھتے رہے اور اسی خیال و اعتماد پر شدید مصیبتیں بھی جھیلیں۔ یہ دشمنی ایسی شدید اور سخت ترین تھی جو آج تک فریقین کے طرفداروں میں موجود ہے جو اکثر نازک حالت پیدا کر لیتی ہے۔

جناب عثمان کا رویہ

خود ان کی ذات کے لیے بھی بدترین نتائج کا موجب ہوا۔ عہد خلافت میں انہوں نے خزانہ اپنے خاندانیوں میں لٹا دیا تھا۔ تمام صوبوں کی اعلیٰ افسری و عہدے اپنے خاندان کو دے دیے تھے جس سے عام شورش ہوئی اور آپ قتل کر دیے گئے۔ لیکن اسی پر اکتفا نہ ہوئی خاندان نبوت بھی بھینٹ چڑھ گیا بنی امیہ کافی اقتدار و دولت حاصل کر چکے تھے بھی ہاشم فلاح و مصیبت میں مبتلا تھے پچھلی عداوتیں اور دولت و حکومت کا چرکا اس بات کا سبب ہوا کہ اولاد رسول ﷺ کو دنیا سے مٹا دیں۔

فرزند رسول ﷺ کی کسی نے مدد کیوں نہ کی؟

دنیا میں اولاد رسول ﷺ کا کوئی حامی نہ تھا رسول کے پرستاروں نے سہولت سے اولاد رسول ﷺ کا خاتمہ کس طرح سے کر دیا اس تعجب خیز بات کا جواب تاریخ کے اوراق سے بخوبی مل جاتا ہے۔

۱۔ رسول خدا ﷺ کی آنکھ بند ہوتے ہی علی مرتضیٰ خلافت سے محروم کر دیے گئے اور خانہ نشین ہو گئے۔ خلافت دوسروں کے ہاتھ میں چلی گئی، ظاہر ہے کہ اسی وقت سے خلافتوں کا عام پروپیگنڈہ شروع ہو گیا اور ان کے اصول خلافتی کا رواج ہو گیا علی اور اولاد رسول ﷺ کے اصول اور شخصیتوں کا تعارف مفتوحہ ملکوں میں کون کرنے والا تھا عنان خلافت ان کے گرد ہوں میں آگئی جو اصولا بھی سیاست و دیانت علوی سے عظیم اختلاف رکھتے تھے جنہوں نے اسلام کی تلوار کا ندھب اور فتوحات و ملک گیری کا ندھب بنا دیا تھا۔ بدوی عرب جو سونا چاندی کی صورت سے بھی واقف نہ تھے تنگی تلواریں ہاتھ میں لیے کمزور غافل ملکوں کی لوٹ مار میں ٹوٹ پڑے تھے۔

علوی آئین کا یہ اقتضا تھا کہ نابینا بھائی عقیل فقیر و مصیبت سے جاں بلب ہو کر حصہ سے زائد تھوڑا گیہوں مانگتا ہے تو علی بیت المال کا چراغ جب بجھا دیے ہیں۔ اس وقت بھائی کی مصیبت سنتے ہیں اور عام حصہ سے زائد چند مشمت گیہوں مانگنے پر لوہا گرم کر کے بھائی کو داغ دیتے ہیں تمام بنی ہاشم فقر و گرسنگی میں مبتلا ہیں لیکن ان کا ہیر و امن و امان کا دیوتا تلوار اٹھانے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ اور ملک گیری و فتوحات کا اسلام کا غلط جامہ نہیں پہنانا چاہتا تھا۔

۲۔ دنیا مفلس کا کب ساتھ دیتی ہے۔ علی اور اولاد علیؑ کا قہر کشی میں مبتلا تھے اور خلافتی لیڈروں کے خزانے مال و زر سے بھرے پڑے تھے۔ جناب ابو بکر کی ماہواری تنخواہ بیت المال سے پانچ سو درہم تھی۔^(۱)

جناب عثمان کی وفات کے بعد ۱۵۰۰۰۰ اشرفی اور ۱۰۰۰۰۰۰ درہم نکلے تھے اور ۱۰۰۰۰۰۰ درہم کی زمینداری اس کے علاوہ اثاث البیت اسب، شتر، بھیڑ، بکری، لونڈیاں اور غلام تھے۔^(۲) بنی ہاشم کی بیت المال سے تنخواہ بارہ ہزار درہم سالانہ تھی۔^(۳)

حضرت زبیر جب مرے تو ان کے ترکہ کے ایک حصہ کی قیمت پچاس ہزار اشرفی تھی، ایک ہزار گھوڑا، ایک ہزار لونڈی۔ اس کے علاوہ تھیں آپ کی عالی شان کوٹھیاں بصرہ، یمن، مصر، کوفہ، سکندریہ میں موجود تھیں۔^(۴)

حضرت طلحہ کی آمدنی عراق سے تھی روزانہ ایک ہزار اشرفی اور ”مسرة“ سے جو آمدنی تھی وہ اس سے کہیں زائد تھی آپ کا عالی شان محل کوفہ میں اور مدینہ میں تھا جو سال کی لکڑی کا بنایا تھا۔^(۵)

۱۔ تاریخ الخلفاء۔

۲۔ مروج الذهب مسعودی۔

۳۔ مستدرک حاکم۔

۴۔ مروج الذهب مسعودی۔

۵۔ مروج الذهب۔

عبدالرحمن بن عوف (خلیفہ گر) کے اصطلیل میں ایک ہزار گھوڑا ہر وقت بندھا رہتا تھا ایک ہزار اونٹ دس ہزار بکریاں تھیں آپ کے ترکہ کا چہارم حصہ ۸۴۰۰۰ ہزار درہم قرار پائے تھے۔^(۱)

زید بن ثابت کی رہن دولت کا تخمینہ ایک لاکھ اشرفی کے علاوہ چاندی سونے کی اینٹیں تھیں جو بعد میں کاٹ کر ورشپر تقسیم ہوئیں۔^(۲)

حضرت سعد بن وقاص کا ”عقیق“ میں ایک عالی شان دو منزلہ محل تھا۔^(۳)

حضرت یعلیٰ بن مہبہ نے ترکہ میں نقد پچاس ہزار اشرفی چھوڑی اور تین لاکھ درہم کامل و متاع۔^(۴)

حضرت امیر معاویہ گورنر شام کی تنخواہ خلافت مآب حضرت عمر نے ایک لاکھ اشرفی سالانہ مقرر کی تھی پھر بحکم خلیفہ ثالث ذمیوں کی زمینیں اپنی خاص ملکیت میں داخل کر کے جاگیر داری کی بنیاد ڈالی^(۵) آپ کا قصر ”خضراء“ شام کا عالی شان محل جب ابوذر غفاری صحابی نے دیکھا تو نصیحت کی جس کے صلہ میں جناب عثمان نے اس گستاخی کی یہ سزا دی کہ شام سے بلا کر ”ربذہ“ کے اجڑے اور ویران مقام پر صحابی رسول اللہ ﷺ کو نظر بند کر دیا جہاں وہ غربت کی موت مرے۔^(۶)

جناب مروان نے اپنے سارے کو خلیفہ ثالث نے باغ فدک عطا کر دیا^(۷) اور آفریقہ کا کل خمس بخش دیا۔^(۸)

۱۔ مروج الذهب۔

۲۔ مروج الذهب۔

۳۔ مروج الذهب۔

۴۔ مروج الذهب۔

۵۔ ابن عساکر۔

۶۔ کامل ابن اثیر۔

۷۔ طبری۔

۸۔ واقعہ، استیعاب۔

جناب عثمان نے اپنے داماد حارث بن حکم کو ایک لاکھ درہم عطا کیا۔^(۱)

مہروز کا بازار مدینہ کا مروان کے بھائی کو بخش دیا۔^(۲)

جناب عثمان نے عبد اللہ بن خالد بن اسید کو چار ہزار درہم بیت المال سے عطا کر دیے۔^(۳)

غرض کہ تمام خزانہ جناب عثمان نے اپنے رشتہ داروں پر لٹا دیا تھا اور سب ہی اذیل و مالدار ہو گئے تھے۔^(۴)

نتیجہ اس کا یہ تھا کہ ایک طرف سرمایہ داری دوسری طرف فقر و مصیبت دولت مندوں کا مقابلہ ایک مسکین و فقیر گروہ کب کر سکتا تھا۔ ان سرمایہ داروں کی سرمایہ داری اور دولت کے نشہ سے مخمور، عیش پسند و جاہ طلب خلقت میں رسول کی اولاد کا کون سا تھ دیتا۔

سہ تمام اسلامی ممالک کے گورنر اور اعلیٰ آفیسر یہی حضرات تھے جو پشتینی دشمن خاندان رسالت تھے۔ جناب خالد بن ولید گورنر مصر تھے جناب عمر عاص وزیر اعظم امیر معاویہ تھے جناب مروان وزیر اعظم حضرت عثمان تھے جناب ولید حاکم کوفہ تھے جناب معاویہ خلافت عمریہ کے وقت سے گورنر شام تھے جناب مروان کو امیر معاویہ نے قاضی دین مقرر کیا تھا۔ جناب ابو ہریرہ حاکم بحرین اور کبھی حاکم مدینہ مقرر ہوئے۔ ابن زیاد حاکم بصرہ و کوفہ مقرر ہوئے۔

ظاہر ہے کہ ملک ارباب حکومت کو چھوڑ کر ان لاوارثوں، بے کسوں اور غریبوں کا ساتھ کب دے سکتا ہے آہنی گھونسہ اور زر و جواہر کی بارش میں ایک ولی خدا کا مددگار کون ہو۔ کیا خوب سمجھا تھا فرزدق شاعر جب امام حسینؑ نے کوفہ کا حال ان سے پوچھا تو عرض کی ”مولادہل آپ کے ساتھ اور تلواریں یزید کے ساتھ ہیں۔“

۱۔ طبری۔

۲۔ معاصرات، راغب اصفہانی۔

۳۔ معارف ابن قتیبہ۔

۴۔ صواعق محرقہ، تاریخ الخلفاء۔

۳۔ بصرہ، کوفہ، مصر کی آبادی و تعمیر انہیں ہاتھوں سے ہوئی تھی اور انہیں لوگوں کی آبادی تھی جو فوجی اور خلافتی نوکر تھے۔ ۱۶ھ میں بصرہ بحکم جناب عمر عتبہ بن بن غزوہ ان نے آباد کیا تھا اور خلافتی فوج کا کیمپ تھا چند ماہ بعد سعد بن وقاص فاتح عراق نے بحکم جناب عمر کوفہ آباد کیا ملک مصر میں "قسطنط" سنہ ۱۸ھ میں عمر عاص نے آباد کیا لہذا خوب سمجھ لو ولایت بصرہ و کوفہ و مصر کی آبادی ان اقوام عرب سے ہوئی جو اولاد رسول اللہ ﷺ کی زمین منت نہ تھی ان کے دیوتا خلافتی لیڈر تھے ان کو اصول و آئین علوم و کمالات علیؑ و اولاد علیؑ کی کیا خبر تھی اور کیا ہمدردی ہو سکتی تھی وہ اقوام اپنے گورنروں کے زیر اثر و ضمنی اہلیت رسول اللہ ﷺ کو فریضہ دینی سمجھتے تھے ملک شام کی تو یہ حالت تھی کہ آل رسول اللہ ﷺ و علیؑ بٹول کا نام بھی نہ سنا تھا بجز اپنے فاتحوں اور خلیفہ وقت کے کسی کو بھی نہ جانتے تھے وہ معاویہ کے سوا کسی کو رسول اللہ ﷺ کا قریبی رشتہ دار نہ جانتے تھے۔

لطیفہ:

ایک شامی گروہ بیٹھا علیؑ کی بابت گفتگو کر رہا تھا اپنے اپنے خیالات کا اظہار ہو رہا تھا سامنے سے ایک بوڑھا شامی نمودار ہوا سب نے اس کو بلایا کہ یہ زندہ تاریخ اور بوڑھا آدمی ہے اس سے پوچھیں بوڑھا بولا ہاں میں خوب علیؑ سے واقف ہوں علیؑ، فاطمہؑ کا باپ عائشہؑ کا جیٹا تھا مکہ کے اونٹ چرا کر مدینہ میں بیچتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ احد میں مارا گیا۔^(۱)

جواب شبہ:

مانا کہ بصرہ اور کوفہ میں جناب امیر کی فتوحات اور خلافت میں قوم ان سے اور ان کی اولاد سے روشناس ہو گئی تھی لیکن چند روز کے لیے جمل و نہروان و صفین کی لڑائیوں سے علیؑ و اولاد علیؑ کے کمالات کا اظہار کیوں کر ہوتا اور کون سا وقت تھا اور جو چند ہستیاں تعلیمات علوی و آئین حیدری سے بہرور ہوئی تھیں وہ سب کی سب صلح امام حسنؑ کے بعد معاویہ کے فولادی شکنجے میں آکر قید خانوں کو آباد کیے ہوئے تھیں۔

۵۔ فضائل صحابہ اور مدہت المہیت رسول اللہ ﷺ میں جناب معاویہ نے لاکھوں روپیہ صرف کر کے ہزاروں جھوٹی روایتیں گڑھوائی تھیں جو تمام اسلامی ممالک میں ممبروں، مسجدوں میں خطیب و امام مسجد کو عام اشاعت کا حکم تھا سمرہ کو صرف ایک حدیث مدہت جناب امیر میں بنانے پر چار لاکھ درہم خزانہ سے عطا ہوئے تھے۔^(۱) اور ابو ہریرہ کو مذمت امیر المومنین میں ایک حدیث گڑھنے پر دو لاکھ درہم کا عطیہ ملا تھا۔^(۲) برسوں ہر منبر پر علی کو گالیاں دینا خطیب اپنا فرض سمجھتے تھے جب منظم اموی پروپیگنڈا علیؑ کے خلاف میں ہوا تو جاہل عربوں کی ذہنیت کی کیا حالت ہوگی۔

۶۔ قتل جناب عثمان کا سازشی مجرم جناب امیر کو بنا کر تمام بلاد اسلام میں قاتل خلیفہ رسول اللہ ﷺ و دلاء رسول اللہ ﷺ قرار دے کر پبلک کو مشتعل کر دیا گیا تھا ”بی بی نائلہ“ زوجہ جناب عمر عثمان کی کٹی ہوئی انگلیاں اور پیراہن خون آلودہ جناب عثمان منبر پر رکھا جاتا اور دس ہزار شامی روزانہ کھڑے ہو کر سینہ زنی اور ماتم کرتے تھے جنگ صفین و جمل کی لڑائیوں میں تمام عرب کو باور کرا دیا گیا تھا کہ علیؑ اور اس کے ساتھی نعوذ باللہ اسلام کے باغی اور قاتلان جناب عثمان ہیں یہاں تک کہ کربلا کے میدان میں سپاہ شام پکار پکار کر کہتی تھی کہ ہم شیعیاں عثمان ہیں ان کے خون کا بدلہ لیتے ہیں۔

ابن زیاد کا خط عمر سعد کو کربلا میں اس مضمون کو واضح کرتا ہے کہ حسینؑ اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کر دینا جس طرح سے جناب عثمان کو پیاسا شہید کیا گیا اور سرہائے شہداء و اسراء اہل بیتؑ راہ کوفہ و شام میں خلیفہ وقت کے باغی کہہ کر پکارے جاتے تھے مذکورہ وجوہ کی بنا پر خون امام حسینؑ کی پبلک میں کیا قدر و قیمت رہ جاتی ہے اور کس کو ہمدردی ہو سکتی ہے رسول خدا ﷺ کے صحابی تک نصرت امام سے منہ چرائے بیٹھے رہے جس کا خمیازہ تاریخی مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے وقت مل گیا۔

۱۔ مروج الذهب مسعودی۔

۲۔ شرح نفع البلاغ ابن ابی الحدید۔

ہماری سمجھ اس سے قاصر ہے قتل جناب عثمان کا الزام اگر سچا تھا تو جناب امیر کے ہاتھ پر بیعت کیوں کر صحیح ہوئی اور اگر الزام جھوٹا تھا تو مسلمانوں کی خونریزی اور اصحاب رسول ﷺ کی قتل و غارتی پر قرآن مجید کا صریح کیا فتویٰ ہے اگر بیعت علی مرتضیٰ کے دھوکے سے ہو گئی تو ان کی وفات پر حضرت امام حسنؑ پر چھ ماہ کے لیے اجماع کیوں کر ہو گیا اور کس لیے خلیفہ بنائے گئے اور جب بعد امیر المومنین خلافت امام حسنؑ برحق تھی تو بیعت کنندوں نے فرزند رسول ﷺ کا ساتھ کیوں نہ دیا اور صلح معاویہ پر کیوں مجبور ہو گئے اور صلح کے بعد امام حسنؑ کو زہر سے شہید کرنے والے کو سزا کسی نے کیوں نہ دی۔

خلیفہ رسول ﷺ حضرت عثمان بن عفان کے قاتلوں کے مطالبہ کے لیے کوفہ و شام و بصرہ ایک کر دیا اور فرزند رسول ﷺ خلیفہ اسلام امام حسنؑ کے قاتل کی تلاش میں ایک نہ نکلا خود مدینہ کی جب یہ حالت ہو تو امام حسینؑ کو مدینے میں بیٹھنے کا مشورہ دینے والے کیا سمجھ کر مشورہ دیتے تھے ایک تاریخ دان ایسے اہم واقعہ سے کب چشم پوشی کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

جنگ کربلا کے ظاہری اسباب

ہوا کیا بنی امیہ کا دست و بازو اور قوی ہو گیا معاویہ شامی نے عرب کی ذہنیاتوں اور روحوں کو تسخیر کر لیا بلا روک ٹوک ایک بھی مذاحم و مانع نہ رہا بس ایک مظلوم، بے یار و مددگار، غریب و محتاج بے بس و بے کس رسول ﷺ کا پیرا حسینؑ ہی باقی رہ گیا تھا۔

اموی دولت و ثروت کے خزانے اڑا رہے تھے عرب کا بچہ بچہ عیش و راحت میں خود فراموش تھا شریعت الہی اور احکام خداوندی پس پشت ڈال دیے گئے تھے شراب کا ساغر ہر وقت گردش میں تھا نماز تک شراب پی کر پرھائی جاتی تھی لونڈی تک امامت کے لیے مسجد میں بھیجی جاتی تھی زدہ شطرنج ہر وقت کا مشغلہ تھا ماں، بہن، بیٹی، کوئی بھی ان شہوت پرستوں سے چھوٹی ہوئی نہ تھی نہ حلال تھا نہ حرام ولید گوزر مدینہ کو حکم پہنچتا ہے کہ حسینؑ سے بیعت لو یا سر بھیج دو۔^(۱)

سفر امام حسین علیہ السلام

ایک خانہ نشین مظلوم و تنہا کے بس کی کیا بات تھی اس غیور و بہادر خود دار حق کو حق پسند حافظ شریعت و امین امت حسینؑ کے لیے یہی ایک بات رہ گئی تھی کہ اپنی جان دے دیں اور دین الہی کو بچالیں۔

امام حسینؑ نے صاف صاف کہہ دیا:

ان کان دین محمد لم یستقر الا بقتلی یا سیوف خذینی

اگر محمد ﷺ کا دین میرے قتل بغیر درست نہ ہو گا تو اے تلواروں تم مجھے لے لو

اور کربلا کے آخری حملے کے وقت حسینؑ نعرہ یہ تھا۔

الموت اولی من رکوب العار والعار اولی من دخول النار

موت ہر گز ننگ و عار سے ہزار مرتبہ بہتر ہے (بیعت یزید شرا بخوار اور ظالم و سنگار کی یقیناً ننگ و عار ہے) اور ہر ننگ و عار و ذلت و رسوائی کا (جو کربلا میں وحشی و رندوں کے ہاتھوں ہوئیں گوارا کر لینا حسینؑ ایسے باہمت و مستقل مزاج و حافظ دین الہی کے لیے سہل و آسان ہے بجائے اس کے کہ جہنم مول لے بس حسینؑ کی شہادت کا یہی فلسفہ تھا۔

اپنے عزیز و اقارب بال بچوں کو مدینہ سے لے کر نکل پڑے اس طرح سے کہ پہلے اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا جناب مسلم کے خط کا بھی انتظار نہ کیا اور قید یا قتل ہو جانے کے خوف سے قبر رسول ﷺ کو چھوڑ کر مکہ معظمہ پہنچے وہاں بھی یزیدی جاسوس پہنچ چکے تھے خونریزی کا خوف اور حرمت خانہ کعبہ کی حفاظت سے مجبور ہوئے اور حج کو عمرہ سے بدل کر ۸ ذی الحجہ یوم ترویہ سے ۶۰ھ کو کوفہ روانہ ہو گئے۔

تاریخ سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر امام حسین علیہ السلام کا ان راستوں سے نہ تھا جدھر سے قافلوں کی آمد و رفت رہتی ہے لیکن ٹھیک پتہ نہیں لگتا کہ کن راستوں سے گزرا ہوا تھا اس لیے کہ چند مقامات کے سوا کسی منزل کا پتہ تاریخ سے نہیں ملتا اور اور کیوں کر صحیح راستہ سفر کا معلوم ہو سکتا ہے جبکہ عمداً پوشیدہ کیا گیا لہذا

نقشہ

بحساب اہل تبخیم تہاژ کا طالع عقرب ہے اور بائبل کا طالع حمل ہے مکہ معظمہ پر زحل مستولی ہے اور کوفہ پر مشتری عرض بلد کا ۳۲ درجہ اور طول بلد ۱/۲۴۲ درجہ ہے اور کربلائے معلیٰ کا عرض بلد ۳/۲۳۳ اور طول بلد ۴۴ درجہ ہے اور کربلا بغداد سے ۵۹ میل اور کوفہ سے ۳۳ میل کی مسافت پر ہے۔

عراق عرب کا طول عبادان سے موصل تک ہے اور عرض قادسیہ سے حلوان تک ہے جو فرات اور دجلہ سے محصور ہے فرات کا طول ۱۸۰۰ میل ہے اور دجلہ کا طول ۱۲۰۰ میل ہے (ترکی کی جغرافیہ کی بنا پر) فرات آرمینیا کے پہاڑ سے نکل کر خلیج فارس میں گرتا اور دجلہ بھی جبال آرمینیا سے نکل کر نہر فرات میں گرتا ہے واضح رہے کی طول عراق کا قدیم جغرافیہ سے ہم نے لکھا ہے اور اس طول و عرض حدود میں مملکتوں کے ہمیشہ اختلاف ہوتا رہتا ہے۔

شہادت حضرت مسلمؑ

جناب مسلم خاص اسی تاریخ ابن زیاد گورز کوفہ کے حکم سے شاہی محل کی چھت سے ڈھکیل کر شہید کر دیے گئے جناب ہانی حسینؑ کے ناصر کی بھی یہی گت کی گئی سرکاٹ کر یزید کو شام میں بھیج دیے گئے۔

حالات تاریخ ہائے محرم اور ورد امامؑ

امام حسینؑ اپنے ننھے ننھے بچوں اور عورتوں کے لیے عرب کی ریگستانی تپتی ہوئی زمین کو طے کرتے ہوئے ۲ محرم ۶۱ھ کو کربلائے معلیٰ پہنچ گئے اور تیسری محرم کو عمر سعد یزیدی فوج کا کمانیر چار ہزار سواروں کے ساتھ کربلا کوفہ سے آگیا اور اپنا خیمہ فرات کے اس پار مشرقی سمت میں نصب کیا۔^(۱)

اور ابن زیاد جو تھی محرم کو افواج کوفہ سے بھیج کر خود بھی کوفہ سے کربلا کی سمت روانہ ہوا اور ہر مقام نخیلہ جو کربلا سے نو کوس تخمیناً واقع شام کی سمت خیمہ زن ہوا۔^(۲)

۱۔ مقتل ابو جعفر۔

۲۔ لالی شیخ صدوق۔

اور خیام حسینی فرات سے اکھاڑ کر دور نصب کرائے گئے ساتویں تاریخ سے حسین اور ان کے اطفال پر پانی بند کر دیا نویں تاریخ تک یزیدی سپاہ برادرت ابی مخنف ایک لاکھ بیس ہزار سوار و پیادہ جمع ہو گئے اور فرزند رسول اللہ ﷺ کی فوج میں کل نفوس ایک ہزار سوار اور ایک سو پیادہ تھے شب شہادت آپ نے سب کو رخصت کر دیا لیکن جن صفدر وصف شکن جان نثاروں نے ساتھ چھوڑنے سے انکار کیا تھا اور آخر وقت تک امام علیہ السلام کے ساتھ رہے وہ ایک سو پچاس نفوس تک کہے گئے ہیں۔

افسران فوج یزید مع تعداد و انواع باختلاف روایات

ردیف	نام و نسب	تعداد	نوع	تعداد
۱۔	عمران بن سعد بن وقاص	۳۰۰۰ سوار	۱۲۔	یزیدی
۲۔	ابن نوفل	۱۰۰۰ سوار	۱۳۔	حکمر بن عظیم
۳۔	ابن قدار بن ابی	۹۰۰۰ سوار	۱۴۔	طارق بن ابی عقیب
۴۔	اموراسلی	۴۰۰۰ فرات روکنے کے لیے	۱۵۔	زہیر بن قیس
۵۔	درید غلام عمر سعد	عبد الوہاب	۱۶۔	بشران مالک
۶۔	شر بن ذی الجوش ملیح	میسرہ لشکر کا کماندار	۱۷۔	ابو دھیان حوف ازدی
۷۔	شیث ابن ربیع	۲۰۰۰ سوار	۱۸۔	خولی بن یزید ابی
۸۔	عامر بن صریرہ بنی	۶۰۰۰ سوار	۱۹۔	حزین یزید ریاحی
۹۔	عبد الرحمن بن بکرہ بنی	جاسوس	۲۰۔	خزیم بن دعر
۱۰۔	عروہ بن قیس اصمعی	آخر سوار	۲۱۔	اصحاق بن مشومہ
۱۱۔	عمر بن حجاج	میسرہ لشکر کا کماندار	۲۲۔	ازرق شامی

شہداء کربلا کی تعداد میں اور ان کے اسما میں بھی سخت ترین اختلاف ہے مشہور بہتر ہیں لیکن ہم نے صرف ۸۴ شہیدوں کے نام لکھے ہیں جن پر مورخین کا اتفاق ہے۔ واللہ اعلم

دسویں رات فرزند رسول اللہ ﷺ نے عبادت الہی میں بسر کی بعد فراغ نماز صبح جنگ شروع ہوئی اور چھ مہینہ کا شیر خوار بچہ تک حسین کا شہید ہو گیا بوقت عصر شمر نے چراغ ہدایت گل کر دیا اور سر اقدس تن

سے جدا کر کے نوک نیزہ پر بلند ہوا خیم فلک احتشام لوٹ لیے گئے اور آگ لگادی گئی اس طرح نبی کی اولاد کا خاتمہ کر دیا گیا۔ یہ خلاصہ شہادت امام مظلوم تھا شہیدوں کی فہرست و نقشہ جنگ ملاحظہ ہو۔

شہداء راہ خدا (روحی لم القدام) باختلاف روایات

۱۔	عبد الشہد	علی مرتضیٰ	شرعی بن ذکی ابو شریانی	۷۔	علی اکبرؑ	امام حسینؑ	مرحوم شہداء عبیدی حسینؑ
۲۔	علی اصغرؑ	امام حسینؑ	حارث بن کمال امدی	۸۔	مہدضؑ	علی مرتضیٰ	ہاشمی بن حشمتؑ
۳۔	وہ افضل ماہیں	علی مرتضیٰ	زید بن داود جہوق حکیم بن طلحہ بن	۹۔	جعفرؑ	علی مرتضیٰ	ہاشمی بن حشمتؑ
۴۔	حسنؑ	علی مرتضیٰ	خولہ بن زید ابی یادہ المداری	۱۰۔	میرؑ	علی مرتضیٰ	یادہ المداری
۵۔	ابو یزیدؑ	امام حسنؑ	عبد اللہ بن قہر طبری	۱۱۔	مہدضؑ	امام حسنؑ	حارث بن کمالؑ
۶۔	کاسمؑ	امام حسنؑ	مریم بن سعد بن عروہ بن نفیل امدی	۱۲۔	حسنؑ	مہدضؑ	مہدض بن حشمتؑ
۷۔	حسنؑ	مہدض بن جعفر طبر	عبد اللہ بن قہر بن علی	۱۳۔	میرؑ	مہدض بن جعفر طبر	عامر بن سلمؑ
۸۔	عبد الرحمنؑ	حشمتی	حارث بن سمیع سید ہادی	۱۴۔	علی عیسیٰؑ	مسلم بن حشمت	مریم بن سمیعؑ
۹۔	محمدؑ	ابو سعید بن حشمت	نقیبان ہاشمی	۱۵۔	سلیمانؑ	امام امام حسینؑ	عبد اللہ بن علیؑ
۱۰۔	جعفرؑ			۱۶۔	مسلمؑ	ابن عمر بن امی	عبد اللہ بن علیؑ
۱۱۔	سہؑ	مہدض بن علی		۱۷۔	بشرؑ	مریم بن عتقی	
۱۲۔	علی زیدؑ	حسین بن علی		۱۸۔	مر	کعب بن سعدی	
۱۳۔	نہیمؑ	محمد بن ابی ہادی		۱۹۔	زبیرؑ	تہن نکی	کعب بن عبد اللہؑ
۱۴۔	مرؑ	قرطہ بن ہادی		۲۰۔	حسینؑ	مظاہر اسدی	
۱۵۔	مرؑ	زید بن ہادی		۲۱۔	عبد اللہؑ	مرکبہ	سالم بن امامؑ
۱۶۔	یادہؑ	ناصح بن علی مروی		۲۲۔	اسؑ	کمال اسدی	
۱۷۔	قہرؑ	سید سعید ہادی	حسین بن حشمت	۲۳۔	عبد اللہؑ	مریم بن حشمت فہادی	

ردیف	نام	لقب	تاریخ	محل تولد	محل وفات	تاریخ وفات	تاریخ تدفین
۱	عبدالرحمن	عروہ بن حراق قفاری	۳۶	حون	قلام ابوذر قفاری		
۲	عسب	عبدالله بن علی	۳۸	حواج	زید سعدی		
۳	کراوس	زبیر شعلی	۴۰	قاسم	زبیر شعلی		
۴	کنانہ	عقیق	۴۲	حزقہ	مالک		
۵	عمر	ضبیہ بنی	۴۴	یزید	عمیت قلیسی		
۶	عبدالله	یزید بن عمیت قلیسی	۴۶	عبدالله	یزید بن عمیت قلیسی		
۷	عامر	ابن مسلم	۴۸	تحتب	عمرو ابتری		
۸	مولی عامر	مسلم	۵۰	سیف	مالک		
۹	زبیر	بشر حکمی	۵۲	زید	مقتل جعفری		
۱۰	حجاج	مسود بن جعفری	۵۴	مسود	حجاج		
۱۱	میر	مسود بن حجاج	۵۶	مجمع	عبدالله عامری		
۱۲	عماد	حصان بن عروج طائی	۵۸	حیان	عارث سلیمان اودی		
۱۳	جندب	جبر خولانی	۶۰	عمیر	خالد صید اوی		
۱۴	سعید	قلام عمر بن خالد	۶۲	یزید	زید بن مظاہر کنندی		
۱۵	حوی	مالک شعلی	۶۴	زبیر	قلام مومین حقی خوی		
۱۶	جناد	علی بن عیسیٰ	۶۶	سالم	قلام بن مدینه کعبی		
۱۷	اسلم	کثیر اودی اعرج	۶۸	زبیر	علیم اودی		
۱۸	قاسم	حبیب اودی	۷۰	حر	جندب صغری		
۱۹	ابی قتادہ	عمر بن عبدالله صید اوی	۷۲	قطر	اسعد یبانی		
۲۰	عبدالرحمن	عبدالله بن کوراذ جنی	۷۴	عماد	ابی سلامہ ہدانی		
۲۱	عالمس	ابی شیبہ شاکری	۷۶	شوزب	قلام شاکر		
۲۲	شیبہ	عادت بن سرلج	۷۸	مالک	عبدالله بن سرلج		
۲۳	سوار	ابی حمیر نخعی ہدانی	۸۰	عمر	عبدالله جندی		
۲۴	چار	عروہ قفاری	۸۲	دوب کلبی	عبدالله بن عمیر		
۲۵	بر	خضر ہدانی	۸۴	مروپ	زوج عبدالله بن عمیر		در ستم قلام

مربیان اوس
علیمی کعب
بن حیار اودی

شہادت کے بعد اہم تاریخی واقعات

سب سے پہلا زائر

قبر حسینیؑ کا صحابی رسول ﷺ جابر بن عبد اللہ انصاری ہیں جنہوں نے روزِ اربعین نبی زادے کی قبر کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔

پہلی صدی:

پہلی ہی صدی میں جناب محمد بن ابراہیم بن مالک اشتر نے ایک مختصر حجرہ قبر اطہر پر تعمیر فرمایا لیکن وہ حجرہ اور نشان قبر اطہر تھوڑے ہی عرصہ بعد مٹا دیا گیا مومنین نے ایک بیری کا درخت قریب قبر اطہر لگا کر اس امام مظلوم کی قبر کا نشان قائم کیا۔

دوسری صدی:

خلیفہ عباسی ہارون رشید نے وہ بیری کا درخت کٹوا کر قبر حسینیؑ پر ہل چلوادیے اور یہی زمانہ شروع آبادی کر بلا معلیٰ کا ہے اس وقت بھی مومنین نے مخفی قبر مطہر کا نشان بنادیا تھا۔

تیسری صدی:

۲۳۶ھ میں متوکل شاہ عباسی نے ”دیرج“ یہودی کو بربادی قبر حسینیؑ پر مامور کیا زمین پر ہل چلائے نہر فرات کاٹ کر قبر حسینیؑ کو غرق کر دینا چاہا لیکن معجزات قبر مطہر کے ظہور سے یہودی نہ کرنے بے ادبی سے گریز کی اسی زمانے میں زائرین کے سخت سزائیں اور بندشیں کی گئیں اور بار بار قبر اقدس کے مٹانے کی کوششیں ہوئیں۔ ۲۴۷ھ میں منقر باللہ نے اپنے باپ متوکل کو قتل کر دیا اور تجدیدِ روضہ اقدس کی گئی۔

چوتھی صدی:

سنہ ۳۵۲ھ میں معز الدولہ نے عزائے امام مظلوم مین عام اجازت ہی نہیں دی بلکہ خود نوحہ و ماتم و سوگواری کو ترقی دی ایام محرم میں بازار بند کرائے حکومت آل ایوب تک نے روز بروز عزائے امام میں ترقی ہوئی لیکن آل ایوب نے مردان کی پیروی سے پھر بندشیں عائد کیں لیکن معز الدولہ، رکن الدولہ، عضد الدولہ نے روضہ مقدسہ کی از سر نو تعمیر کی اور شہدائے کربلا کے مزاروں کی تزئین ہوئی اور امام علیہ

السلام کے نام سے ایک خزانہ قائم کیا گیا اسی صدی میں کثرت سے لوگوں نے کربلا معلیٰ کی مجاورت اختیار کی اور شہر کی آبادی بڑھ گئی بنی ہاشم میں سب سے پہلے اولاد جناب عباس اور اولاد امام موسیٰ بن جعفر اور اولاد جناب جعفر طیار نے کربلا کی مجاورت اختیار کی۔

پانچویں صدی:

عربوں نے کربلا معلیٰ میں مباحث کی لیکن سیف الدولہ نے حملہ سے فوج بھیج کر مفسدوں کو قتل کیا۔

چھٹی صدی:

سنہ ۵۴۸ھ میں مسترشد خلیفہ عباسی نے خزانہ حضرت کالوٹ لیا اور اپنے لشکر میں تقسیم کر دیا لیکن اس لوٹ کے بعد مسترشد مع اپنے پسر کے راستے میں قتل ہو گیا۔

آٹھویں صدی:

سلطان محمد خدا بندانے خداموں کو روضہ اقدس کے دفاع مقرر کیے سنہ ۷۹۵ھ میں سلطان احمد والی عراق نے عراق کو لوٹ لیا لیکن امیر تیمور نے اپنی فوج لے کر مقابلہ کیا اور شکست دی اور مال عراق کا واپس لیا۔

دسویں صدی:

سنہ ۹۱۴ھ میں شاہ اسماعیل صفوی نے روضہ مقدسہ امام حسینؑ اور روضہ عباس کی تعمیر کی اور قندیلہائے طلائی آویزاں کیں ضریمیں بنوائیں اور سنہ ۹۵۷ھ میں نہر کربلائے معلیٰ کی تعمیر کی۔

گیارہویں صدی:

شاہ عباس صفوی نے کاشی کی اینٹیں ضرتج اقدس میں لگائیں۔

تیرہویں صدی:

میں عبد الوہاب شہیدی نے کربلائے معلیٰ پر حملہ کیا ضرتج اقدس توڑ ڈالی اور قتل عام کیا سلطان روم و خدیو مصر نے اپنے افواج بھیج کر اس سرکش کو شکست فاش دی۔

سنہ ۱۲۶۳ھ میں حضرت جد علام سید العلماء علیین مکان جناب سید حسین طاب ثراہ نے ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ حجت الاسلام آقا شیخ محمد حسن نجفی مصنف جواہر الکلام کو بھیج کر نہر آصفی تعمیر کرائی اور دیوار شہر نجف اشرف دوبارہ پندرہ ہزار روپیہ بھیج کر روضہ حضرت مسلم و حضرت ہانی کی تعمیر کرائی اور نجف اشرف میں قتائی کنویں بنوائے اور مبلغ تیس ہزار روپیہ حجت الاسلام آقا سید ابراہیم قزوینی کو بھیجا تعمیر ابوان طلائع حضرت عباس کے لیے اور ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ واسطے تعمیر شہر حسین کے سنہ ۱۲۸۲ھ میں ناصر الدین شاہ قاجار مرحوم نے روضہ اقدس امام کی مزید تزئین کی اور سنہ ۱۲۹۵ھ میں در قبلہ امام حسین پر سونا چڑھایا گیا اور روضہ کی جہ بجا سے مرمت ہوئی آئینہ بندی کی گئی اور کاشی کی اینٹیں لگیں۔

چودھویں صدی:

روضہ امام علیہ السلام اور روضہ حضرت ابوالفضل العباس کے پھاٹکوں پر دو گھڑیاں نصب ہوئیں اور روضہ حضرت عباس کی توسیع ہوئی اور چھوٹی چھوٹی برجیاں بنائی گئیں۔

احمد التقوی

مورخہ ۵ مئی ۱۹۳۵ھ



شہید انسانیت

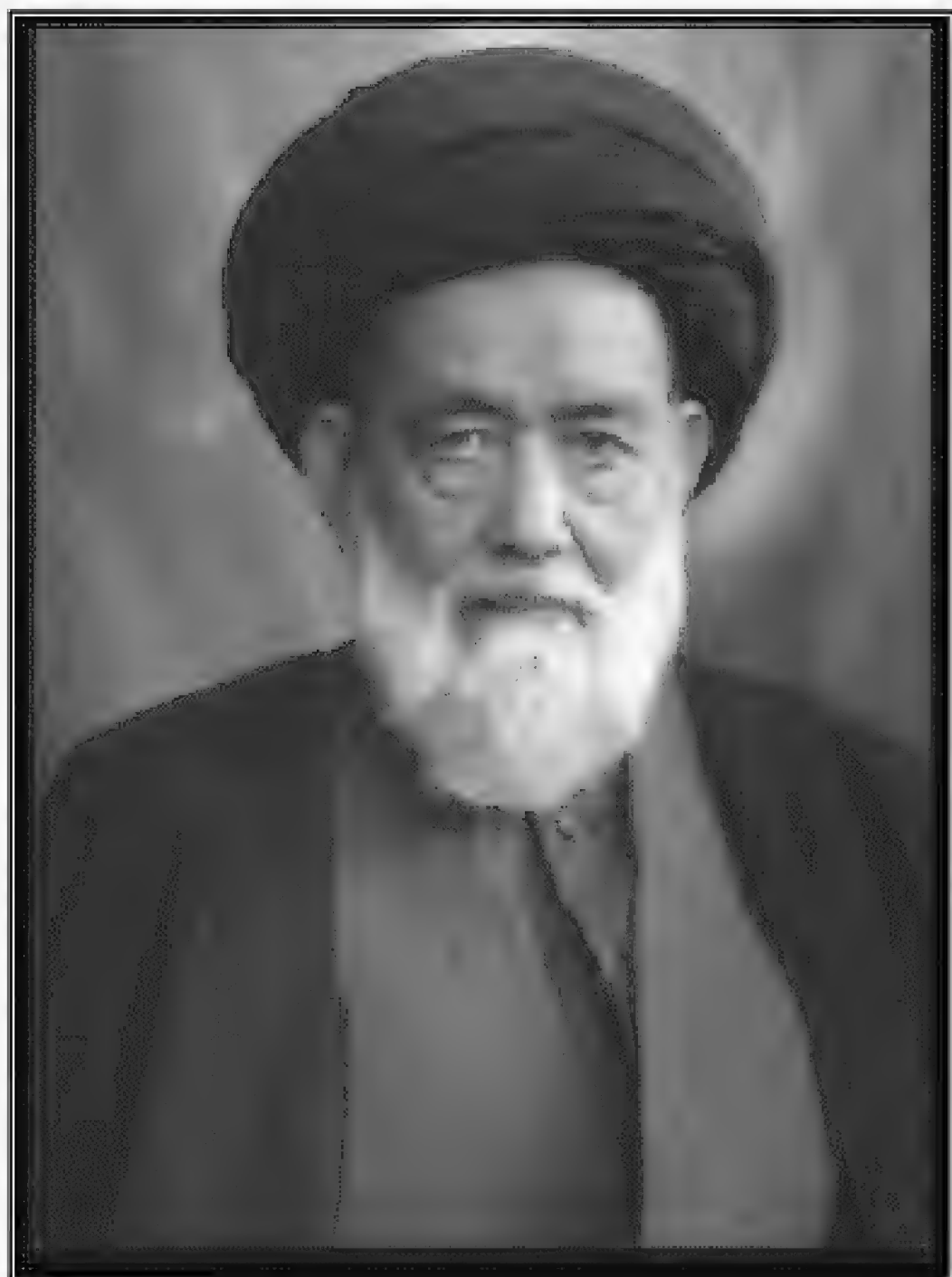
تالیف: آیت اللہ سید علی نقی نقوی المعروف نقی صاحب

﴿تمثال مبارک مؤلف کتاب "شہید انسانیت"﴾

﴿مؤلف کے بارے میں﴾

﴿کتاب کے بارے میں﴾

﴿متن کتاب﴾



تمثال مبارک مؤلف کتاب "شہید انسانیت"

کھڑا قلم: علامہ سعید اختر رضوی گوپال پوری مرحوم

مولف کے بارے میں

سید العلماء سید علی نقی جناب ممتاز العلماء ابوالحسن (من صاحب) کے فرزند تھے۔^(۱) جو شمس العلماء سید ابراہیم بن جنت مآب سید تقی بن سید العلماء سید حسین علیم مکان ابن غفران مآب دلدار علی کے فرزند تھے۔ مولانا سید علی نقی ۲۶ / رجب ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء کو لکھنؤ میں متولد ہوئے۔ ابھی آپ کی عمر ۳ سال کے درمیان تھی کہ آپ کے والد ماجد ۱۳۲۷ھ میں مع متعلقین تکمیل علوم کے لئے نجف اشرف تشریف لے گئے۔ آپ کی عمر ۹ برس کی تھی جب ۱۳۲۳ھ میں آپ کے والد گرامی ہندوستان واپس آئے۔

اس وقت تک آپ کی صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں ختم ہو چکی تھیں۔ لکھنؤ واپس آکر آپ کے والد صاحب طاب ثراہ نے آپ کی تعلیم اپنے ذمے رکھی۔ والد کی علالت کے زمانے میں آپ کے برادر معظم مولانا سید محمد عرف میرن صاحب آپ کو پڑھاتے تھے۔ سرکار سید العلماء نے مدرسہ ناظمیہ اور سلطان المدارس دونوں جگہ داخلہ لیا۔ مدرسہ ناظمیہ کے فاضل اور سلطان المدارس کے سند الافاضل کا ایک ہی ساتھ امتحان دیا۔

پھر دوسرے سال دونوں درجوں کے ضمیموں کا اور تیسرے سال ممتاز الافاضل اور صدر الافاضل کا ایک ہی ساتھ امتحان دیا اور اس ذیل میں نجم الملہ اور جناب باقر العلوم دونوں سے تلمذ حاصل ہوا۔ عربی ادب میں آپ کی مہارت اور فی الہدیہ قصائد و مرثیٰ لکھنے کے اسی دور میں بہت سے مظاہرے ہوئے اور عربی شعر و ادب میں آپ کے اقتدار کو شام و مصر و عراق کے علماء نے قبول کیا۔ علامہ امینی (صاحب

۱۔ سید العلماء کے مفصل حالات اور اجتہاد و روایت دیکھنے کے شائقین مجلہ میراث بر صغیر شمارہ ۱-۲ سید العلماء نہر کی طرف مراجع فرمائیں سر دست ہم جناب علامہ سعید اختر رضوی کی کتب خورشید خاورد سے یہ حالات لکھ رہے ہیں۔

الغدير) نے آپ کا ایک قصیدہ (الغدير) میں شامل کیا ہے۔ اور آغاے بزرگ تہرانی طاب ثراہ نے شیخ طوسی کے حالات کو آپ کے لکھے ہوئے مرثیے پر ختم کیا ہے۔ زمانہ طالب علمی میں ہی سرفراز لکھنؤ، الواعظ لکھنؤ اور شیعہ لاہور میں آپ کے علمی مضامین شائع ہونے لگے تھے۔ اور ۳-۴ کتابیں بھی عربی اور اردو میں اسی زمانے میں شائع ہوئیں۔ تدریس کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ کچھ عرصے تک بحیثیت مدرس ناظمیہ میں بھی معقولات کی تدریس کی اس دور کے شاگردوں میں مولانا محمد بشیر صاحب فاتح ٹیکسلا۔ علامہ سید مجتبیٰ حسن صاحب کاموں پوری اور جناب حیات اللہ انصاری شامل تھے۔

سفر عراق

سید العلماء ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں تکمیل علم کے لئے عراق تشریف لے گئے۔ قیام عراق کا پانچ سالہ دور مرحوم کا ایک زریں باب ہے۔ ان پانچ برسوں میں آپ نے فقہ و اصول میں وہ ملکہ پیدا کیا کہ اس دور کے ۳/ مجتہدین یعنی آیۃ اللہ اصفہانی آیۃ اللہ نائینی اور آیۃ اللہ سید ضیاء الدین عراقی نے آپ کو واضح الفاظ میں اجازت دے دی۔ علم کلام اور دفاع مذہب میں آپ کی مہارت کا لوہا سید محسن امین عالمی، شیخ جواد بلاغی محمد حسین کاشف الغطاء اور سید عبدالحسین شرف الدین موسوی نے مان لیا۔

نجف میں عربی تصانیف

نجف میں پہنچ کر سب سے پہلے جو کتاب آپ نے تصنیف کی وہ وہابیت کے خلاف تھی جو بعد میں کشف النقاب عن عقائد عبد الوہاب کے نام سے شائع ہوئی۔ عراق و ایران کے مشہور اہل علم نے اس کتاب کو ایک شاہکار قرار دیا۔ دوسری کتاب (اقالۃ العاشری اقامۃ الشعائر) ماتم وغیرہ کے جواز میں۔ تیسری کتاب ”السيف الماضی علی عقائد الاباضی“ خوارج کی رد میں چار سو صفحہ کی کتاب ہے۔

پانچ سال بعد رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ میں جب سید العلماء ہندوستان واپس آئے تو مندرجہ بالا تین مراجع تقلید کے علاوہ دوسرے مجتہدین کبار نے بھی آپ کو اجازت دے دی تھی۔ مثلاً آیۃ اللہ شیخ عبدالکریم یزدی حائری (مؤسس حوزہ علمیہ قم) آیۃ اللہ محمد حسین اصفہانی، آیۃ اللہ ابراہیم معروف بہ مرزا

آقائے شیرازی، آیت شیخ ہادی کاشف الغطاء، آیت اللہ میرزا علی یزدانی، آیت اللہ شیخ محمد حسین تهرانی، آیت اللہ شیخ کاظم شیرازی، آیت اللہ میرزا ابوالحسن مشکینی، اور آیت اللہ سید سبط حسن مجتہد۔

سید العلماء نے علم تفسیر اور علوم قرآن نیز عقائد اور علم کلام سے متعلق جو تحقیقی تصانیف اردو میں لکھے ہیں۔ ان کی فہرست بہت طویل ہے۔

وہابیت کے خلاف تحریک:

جب وہابیوں نے حجاز پر اپنا تسلط قائم کیا اور ۱۹۲۵ء میں اہل بیت اطہارؑ، ازواج نبیؑ، اور صحابہ کبار کے مزارات کو منہدم کر دیا۔ اس وقت ہندوستان کے تمام مسلمانوں خصوصاً شیعوں میں حلاطم برپا ہو گیا۔ فرنگی محل میں انجمن خدام الحرمین قائم ہوئی۔ شیعوں کی طرف سے سرکار عجم الملکی سرپرستی میں وہابیت کے خلاف جو تحریک شروع ہوئی اس میں سید العلماء اپنے استاد کے قوت بازو تھے۔ اس سلسلہ میں جو کتابیں ایٹلیس اور مضامین لکھے گئے۔ ان کا ذکر اس مضمون کو بہت طویل کر دے گا۔

امامیہ مشن

۱۳۵۰ھ میں آپ کی تشریف آوری کے بعد سید ابن حسین صاحب نقوی مرحوم نے امامیہ مشن کی بنیاد رکھی۔ جس کا خاص مقصد تھا سید العلماء کی اردو کتابوں اور تحریروں کی نشر و اشاعت۔ ابتدائی دور میں اس میں بہت ہی وقیع اور موثر کتابیں شائع ہوئیں۔ اگرچہ آخری دور میں یہ سلسلہ ۸-۸ اور ۱۶-۱۶ صفحات کے مختلف پمفلٹوں کی اشاعت تک محدود ہو گیا۔

یادگار حسینی (اور کتاب شہید انسانیت کی تالیف)

۱۳۶۱ھ میں امام حسینؑ کی شہادت کو ۱۳۰۰ سال پورے ہو رہے تھے۔ اس مناسبت سے دو، تین سال قبل سے آپ نے ہندوستان کے گوشے گوشے میں یہ تحریک پھیلانی کہ ۱۳۶۱ھ میں یادگار حسینی اس طرح منائی جائے کہ جس میں ہر قوم اور ہر مذہب کے لوگوں کو شریک کیا جائے۔ اور وہ لوگ امام حسینؑ سے اپنی عقیدت کا اظہار کریں۔ یادگار حسینی کا ایک سب سے بڑا منصوبہ واقعہ کربلا پر ایک مبسوط کتاب شائع کرنا

تھا۔ اس کتاب کی تدوین کے لئے ایک ایڈیٹوریل بورڈ کی تشکیل کی گئی۔ لیکن غیر منقسم ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ممبران بورڈ کا اجتماع عملاً غیر ممکن ثابت ہوا۔ آخر میں سید العلماء نے ایک میٹنگ میں جس میں صرف چند حضرات شریک تھے۔ یہ صورت تجویز کی کہ وہ کتاب لکھ کر بورڈ کی میٹنگ میں استصواب کے لئے پیش کر دیں۔

ربیع الاول ۱۳۶۲ھ (فروری، مارچ ۱۹۴۵ء) میں اس کتاب کا مسودہ طبع کرا کے بورڈ کے ممبران کے پاس بغرض استصواب بھیجا گیا۔ ادارہ یادگار حسینی لکھنؤ نے اس ضمن میں ایک فیصلہ یہ کیا کہ اس مسودہ شہید انسانیت کے بچے ہوئے نسخوں کو قیمتاً عام پبلک کو فروخت کیا جائے۔ مقصد چاہے نیک رہا ہو لیکن اس اقدام نے قوم میں انتشار اور افتراق پیدا کر دیا۔ مسودہ شہد انسانیت کی مخالفت ہوئی اور کھل کر ہوئی۔ قضیہ اس حد تک بڑھا کہ چالیس چالیس برس کے نکاح طلاق کا شکار ہو گئے۔ پیٹا باپ کا اور بھائی بھائی کا دشمن ہو گیا۔ یہ وہ ہنگامہ خیز دور تھا جب ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ اور آخر کار ۱۵ / اگست کا ہندوستان اور پاکستان تقسیم ہو گئے۔

لیکن قوم کی تمام تر توجہ شہید انسانیت کے حق یا باطل ہونے پر مرکوز رہی۔ علمی مسائل میں اختلافات خود شہر لکھنؤ میں پہلے بھی اٹھتے رہے تھے۔ لیکن وہ مناظرہ یار دو قدح تحریر ہوئی تھی اور وہ بھی اکثر فارسی زبان میں۔ اس لئے عوام الناس تک اس کا اثر بہت زیادہ نہیں پہنچتا تھا۔ شہید انسانیت کے سلسلے میں ایک قیامت یہ ہوئی کہ منبر کو میدان مناظرہ اور عوام الناس کو علمی مسائل کا قاضی بنا دیا گیا۔ اور اس طرح یہ آگ بیسوں برس تک بھڑکتی رہی۔ میرا مقصد اس تحریر سے شہید انسانیت کی تائید یا تردید نہیں ہے۔ میں صرف اس تکلیف دہ صورت حال کا تذکرہ کر رہا ہوں جو اس قضیے سے پیدا ہو گئی تھی۔

خطابت

سید العلماء کی خطابت کا ایک خاص رنگ تھا جو عبارت آرائی و سستی نکتہ آفرینی کے بجائے علم اور تحقیق پر مبنی تھا۔ اور ایک گھنٹہ کی مجلس میں حقائق کے کتنے دروازے وا ہو جاتے تھے ان کی تقریر اور تحریر میں بہت

کم فرق ہوتا تھا۔ دوسری خاص بات ان کی تقریروں میں یہ تھی کہ ہر مذہب و ملت کا ماننے والا اسے اطمینان قلب کے ساتھ سن سکتا تھا اور فیض یاب ہو سکتا تھا۔ کسی جملہ سے کسی کی دل آزاری کا خطرہ نہیں تھا۔

لکھنؤ یونیورسٹی

عراق سے واپسی کے کچھ عرصہ بعد ۱۹۳۲ء میں آپ لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبہ عربی سے وابستہ ہو گئے اور ستائیس برس تک طلباء کو فیض پہنچاتے رہے۔

علی گڑھ یونیورسٹی

۱۹۵۹ء میں علی گڑھ یونیورسٹی نے آپ کو شیعہ دینیات کے شعبے میں بحیثیت ریڈر مدعو کیا اور آپ علی گڑھ منتقل ہو گئے۔ پھر آپ شیعہ دینیات کے پروفیسر بنائے گئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد آپ نے علی گڑھ ہی میں سکونت اختیار کر لی۔ ۱۹۷۷ء میں لکھنؤ کے کچھ شری پسندوں نے آپ کے لکھنؤ کے مکان میں آگ لگا دی۔ جس میں ہزاروں قیمتی کتابیں جل کر راکھ ہو گئیں۔ اس میں آپ کے عربی تصانیف کے غیر مطبوعہ مسودات بھی تلف ہو گئے جن کا ان کو آخر عمر تک صدمہ رہا۔

وفات

آپ نے یکم شوال روز عید الفطر ۱۴۰۸ھ / ۱۸ مئی ۱۹۸۸ء کو لکھنؤ میں رحلت فرمائی۔ اور وہیں سپرد خاک کئے گئے۔

تصانیف

سید العلماء کی تصانیف ایک سو اکتالیس کتابوں اور کتابچوں پر مشتمل ہے۔ بخوف طول اسے نقل کرنے سے اجتناب کیا ہے۔ شائقین مزید وضاحت کے لیے ”مجلہ برصغیر کے شمارہ اول دوم سید العلماء نمبر“ کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔^(۱)

۱۔ خورشید خاور تذکرہ علماء ہند و پاک، ص ۲۶۳-۲۶۸۔ (سید العلماء کے حالات و آثار کے بارے میں مفصل معلومات حاصل کرنے کے لیے) مجلہ میراث برصغیر شمارہ ۲ سید العلماء نمبر) کی طرف مراجعہ فرمائیں۔

اور جب حیدر آباد وکن سے بحث مساوات چلی تو سالوں تک ملت اس میں مصروف رہی اور شیعہ دانشور ایک دوسرے کے خلاف لکھتے رہے آقائے غلام حسین صدر العلماء مرحوم قائل نظریہ مساوات اور علامہ لقاء علی حیدری مرحوم و علامہ اعجاز حسین صدیقی مرحوم وغیرہ نے اس نظریہ کی ڈٹ کر مخالفت کی۔

کتاب شہید انسانیت

۱۳۶۱ھ۔ ق۔ میں واقعہ کربلاء کو رونما ہوئے پورے ۱۳۰۰ سال گزر رہے تھے، سید العلماء و دیگر علماء نے ارادہ کیا کہ سیزدہ صد سالہ یادگار حسینی کی مناسبت سے ایک بین الاقوامی طرز تفکر کی ایسی کتاب تحریر کی جائے جس میں دنیا انسانیت کا ہر فرد اس کو پڑھ کر امام حسین کو انسانیت کا نجات دہندہ قبول کرنے پر مجبور ہو جائے، اس منصوبے کی پایہ تکمیل کے لیے کافی نشستوں کے بعد یہ طے ہوا کہ خود بانی تحریک یعنی سید العلماء سید علی نقی نقن صاحب ہی اولاً ایک جامع کتاب تحریر کریں، پھر اسے تصویب رائے کے لیے دیگر اعلام کے پاس بھیجی جائے، اور بزرگان کی حتمی نظر کے بعد اس کی عام طباعت کی جائے، اس حوالہ سے نقن صاحب مرحوم نے ۷۱۲ صفحات پر مشتمل وزیری سائز میں ایک کتاب تحریر فرمائی جو ایک دباچہ تین حصوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل تھی۔ جس کا اجمالی خاکہ یہ ہے

دباچہ: واقعہ کربلاء کا اجمالی خاکہ

حصہ اول: شہید کربلاء کا تعارف (۵ ابواب پر مشتمل)

حصہ دوم: واقعات کربلاء کے اسباب و تفصیلات (۷ ابواب پر مشتمل)

حصہ سوم: واقعہ کربلاء کے نتائج (۱۰ ابواب پر مشتمل)

خاتمہ کتاب: عالم اسلام کو اصلاح عمل اور اتباع اسوہ حسینی کی دعوت۔

اس کتاب کی محد و اشاعت کر کے اس اعلان کے ساتھ اسے اہل قلم تک پہنچا دیا گیا۔

اعلان (مخصوص ایڈیٹوریل بورڈ کے افراد اور منتخب اہل قلم کے لیے)

لیکن جو حالات شہید انسانیت کی طباعت کے بعد شیعوں میں رونما ہوئے۔ یہ تو ایک لمبی داستان ہے جسے ہم شہید انسانیت کی رد و اثبات میں لکھی جانیں والی تمام تحریرات کو یک جا پیش کرتے وقت تحریر

کریں گے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ کتاب ”شہید انسانیت“ کی پہلی محدود اشاعت کے بعد ایسے قیامت خیز منظر دیکھنے میں آئے کہ برصغیر کی تاریخ میں شیعوں کے ایسے داخلی نزاع آج تک چشم فلک نے نہ دیکھے ہوں گے۔

سر دست ان اختلافات کے خاتمہ کے لیے جو مختلف تدابیر بزرگان تشیع نے پیش کی تھیں۔ انہیں یہاں پیش کرنا چاہتے ہیں، اس سلسلہ میں ہم یہاں پر اپنی طرف سے کچھ لکھنے کے بجائے خود سید العلماء اور دیگر اعلام نے جو کچھ لکھا ہے وہی کافی و شافی ہے۔ سر دست اس جگہ پر جناب جعفر شیر ولی آف حیدرآباد کن کی مرتب کردہ کتاب اظہار حق سے چند بیانات جو خود سید العلماء اور علامہ سید کلاب حسین لکھنوی نے کی قلم سے تحریر ہوئے پیش کئے جاتے ہیں۔

لہذا قارئین ان مطالب کا وقت سے مطالعہ فرمائیں۔

۱۔ بیان بصیرت افروز

جناب عمدة العلماء مولانا مولوی سید کلب حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر لکھنؤ^(۱)
شیعہ کانفرس میں کیا ہوا

ایک لائبنی چوڑی داستان ہے جو میں زبان قلم سے انصاف پسند ناظرین کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ بڑے بڑے صاحبان دولت، ارکان حکومت، شیعہ کانفرس کے کرتادھر تا اور بعض علماء اور ان

۱۔ عمدة العلماء علامہ سید کلب حسین عرف کہن صاحب ولد قزوۃ العلماء سید آقا حسن شعبان ۱۳۱۱ھ بمطابق ۱۹۹۲ء لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد نجف اشرف روانہ ہوئے۔ وہاں سے واپس آکے تبلیغ دین اور اتحاد بین المسلمین کو اپنا شعار بنایا۔ لکھنؤ جیسے علمی و ادبی ماحول میں خطابت کے میدان میں انہوں اور بیگانوں سے علم و ادب کا لوہا منوایا۔ بالآخر ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۳ء بمطابق جمادی الاولیٰ ۱۳۸۳ھ دارقانی سے دار بقاء کی طرف سفر کیا۔ آپ کے جنازہ میں۔ لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ جنازہ کے ساتھ ماتمی دستے ماتم کرتے جا رہے تھے۔ تدفین کے بعد بعض لوگ آپ کی قبر کی مٹی کو بطور تبرک محفوظ کیا۔ (رجوع کریں: مطلع انوار، ص ۳۳۳-۳۳۶)

کے زر خرید اس مضمون کے شائع ہونے کے بعد میری بجد مخالفت کریں گے مجھ کو ہر قسم سے ضرر پہنچانے کی کوشش کریں گے، مجھ کو جھوٹا کہیں گے۔ اپنے اقوال سے پلٹیں گے۔ افعال سے مکریں گے۔ شیعہ کانفرس کے جلسے میں مجھ سے بعض اخبارات کے نمائندوں نے دریافت کیا تھا وہ کون سی سیاست ہے جس کے نہ جاننے کا تم نے اس جلسہ میں اقرار کیا تھا۔ تو میرا جواب ہے کہ وہ وہی سیاست ہے جو میں نہیں جانتا۔

میرے والد نے شیعہ کانفرس کی بنیاد رکھی۔ تمام علماء نے مدد کی پہلے صدارت علماء سے مخصوص تھی تو کانفرس دن ڈوئی رات چوگنی ترقی کرتی رہی بڑی شورش کے بعد صدارت میں تعین ہوئی پہلے تو یہ صورت ہوئی کہ صدارت کے واسطے انتخاب تو علماء ہی کا ہو مگر وہ جس کو چاہیں اپنی طرف سے نائب کر دیں چند دن یہ آڑ باقی رہی آخر میں یہ پردہ بھی اٹھ گیا اور دولت مند ڈیوڑھیاں ڈھونڈی گئیں۔ ہاں! ایک مرتبہ جناب صفی مرحوم کو بھی صدارت مل گئی۔

چند دن تو ان حالات میں بھی علماء اعلام مرحومین کانفرس کے ساتھ رہے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ تمام وہ علماء جو بائیان کانفرس میں تھے الگ ہو گئے۔ ارباب کانفرس جانتے تھے کہ علماء کی علیحدگی کے بعد کانفرس بے روح ہو جائے گی۔ لہذا مجلس نظارت شرعی کے نام سے دیگر علماء کی ایک جماعت قائم کی، مگر ارکان مجلس نظارت کو بہت جلد محسوس ہو گیا کہ یہ صرف ڈھونگ ہے حقیقت کچھ نہیں۔ لہذا یہ سب حضرات بھی کانفرس سے دست بردار ہو گئے کانفرس کی حالت بد سے بدتر ہو گئی۔ ڈھول تو بہت پیٹے جائیں مگر اس میں شک نہیں کہ شیعہ کانفرس وہ مردہ تھا جس کی ہر سال برسی ہوتی تھی۔ مگر بقدر واجب جنازہ اٹھانے والے بھی کہیں دستیاب نہ ہوتے تھے۔

صرف جناب ”خان بہادر سید کلب عباس“ صاحب جنرل سکرٹری شیعہ کانفرس بائین امید ہے کہ شاید کوئی خدا رس فقیر کسی جڑی بوٹی کے ذریعہ سے اس مردہ کو زندہ کر دے کانفرس کی لاش اپنے کاندھوں پر لادے لادے شہروں شہروں پھر رہے تھے۔ آخر آج سے دو ڈھائی سال قبل جانشہ کے جلسہ میں سر ”سلطان احمد“ صاحب بالقاءہ کی صدارت نے کچھ جان ڈالی، جن کے متعلق اب کی سال کے جلسے میں تاخیر

میرا کیا بنتا بگڑتا تھا۔ جلسہ ہوا میں نے تحریک کی اور حضرات نے تائید کی اور انتخاب ملتوی ہو گیا۔ چند دن کے بعد رزولوشن کی ترمیم کا مسودہ مجھے دیا گیا جو میں نے اپنے اور جناب مولانا میرن صاحب قبلہ کے دستخط سے سکریٹری صاحب سبجکٹ کمیٹی کے حوالے کر دیا اور دیکھ لیا کہ نمبر ۳۶ میں منسلک ہے۔

درمیان کی باتیں تو بہت کچھ ہیں مگر اس سلسلہ کو ختم کر دوں تو مناسب ہے ۱۵ اگست رات کے وقت جو سبجکٹ کمیٹی ہوئی اس کے درمیان ہی سے میں اٹھ کر باہر چلا آیا تھا۔ صبح کو مجھے معلوم ہوا کہ صدر محترم نے بعض علماء کی منظوری سے مجلس نظارت کی ترمیم کے رزولوشن کا سال آئندہ کے واسطے ملتوی کر دیا اور میں تو یہ جانتا ہوں کہ اب یہ ترمیم آخر عمر کا نفرس تک کبھی کسی اجلاس میں نہ آئے گی۔ کیونکہ جن علماء کا یہ مطالبہ تھا جب وہ مجلس نظارت شریعہ بننے سے پہلے ہی جلسوں میں شرکت کیسی بلکہ کانفرس کے لکھنؤ میں دعوت دینے والے اور جان و روح سے کوشان اور منہمک ہو چکے تو اب ارکان کانفرس کو کیا پڑی ہے کہ وہ مجلس نظارت کی ڈکٹیٹری قائم کریں ہم تو کہیں گے کہ یہ صرف صدر محترم کی عظمت بلکہ اقبال تھا کہ شرط شرکت سے دست برداری اختیار کر لی گئی یہ سیاست مجھ کو نہیں آتی۔

بہر حال دعوت کانفرس منظور ہوئی اور استقبالیہ کمیٹی ادھر ادھر جمع کر کے، سنگی استقبالیہ کمیٹی کے ارکان بھی چن لیے گئے، صورت انتخاب کیا تھی اس کی تصریح میرے قلم سے مناسب نہیں۔

”زور رازمی کشد“ اعلیٰ حضرت کے اثر کا موقعہ تھا کہ روپیہ سٹ کے آنے لگا اس مفلسی کے عالم میں جب کہ سیکڑوں بچے ہوائیں فاقوں مر رہے تھے۔ ہزاروں روپیہ محض پروپیگنڈہ اعلان اشتہار سجاوٹ میں صرف کر دیا گیا۔ ہر جگہ کے جلسہ میں قاعدہ یہ تھا کہ جس شہر میں دعوت دی جاتی تھی محض وہیں سے استقبالیہ کا چندہ جمع کیا جاتا تھا اور بیرون جات میں جو ٹکٹ بکتے تھے وہ رقم صدر دفتر کو جاتی تھی مگر اب کی سال بیرون جات سے استقبالیہ کا چندہ لے کر صدر دفتر کی رقم پر چھاپا مارا گیا۔ شاید اس امید پر کہ ان شاء اللہ رام پور کے خزانہ سے ہر رقم پوری ہو جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ ارکان مجلس استقبالیہ نے بڑی زحمت و مشقت اور بڑی جانفشانی سے چندہ جمع کیا تمام انتظامات کئے استقبالیہ کے ممبروں کی تعداد بڑھائی یہاں تک کہ بعض علماء نے وہ وہ کام کئے جس کی ان سے امید نہ تھی مگر ایک میں نا فہم تھا کہ جب مجلس انتظامیہ نے اپنی رکنیت میں منتخب کیا تو میں نے سکرٹری صاحب مجلس استقبالیہ کی خدمت میں استعفیٰ روانہ کر دیا کہ میں اپنے امراض و استقام و مصائب میں مبتلا ہوں کوئی خدمت نہیں کر سکتا لہذا مجھ کو انتظامیہ و استقبالیہ دونوں کی ممبری سے معاف فرمایا جائے۔

میں ممنون ہوں کہ جناب ”مولوی سید محمد سعید صاحب“ اور ”جناب راجہ صاحب مٹھوارہ“ اور ”جناب قیصر حسین صاحب ایڈوکیٹ“ نے فقیر خانہ تشریف لا کے استعفیٰ واپس لینے کی خواہش کی۔ میں نے غور مزید میں یہ بھی عرض کیا کہ میں سیاسیات میں دخل دینا مناسب نہیں جانتا اور قوم کی تباہی کا وہی دن ہو گا جب یہ سیاسیات میں قدم رکھے گی۔

مجھ کو یاد نہیں کہ اس کے بعد یا اسی دن ”مولوی سعید صاحب“ نے یہ ارشاد فرمایا کہ صدر منتخب نے وعدہ فرمایا ہے کہ خطبہ صدارت کے علاوہ اور کوئی سیاسی تحریک جلسہ میں نہ آئے گی اور پریس کانفرنس نے کچھ اسی سے ملتا جلتا مجلس استقبالیہ کے ارکان کا بیان بھی شائع کیا۔ اس بیان سے مطمئن ہو کر میں نے استقبالیہ کا کوئی کام لکھنؤ میں تو نہیں کیا مگر جبر و نجات میں جہاں گیا وہاں کے مومنین کو دعوت شرکت دیتا رہا۔

”نواب سید قیصر حسین صاحب ایڈوکیٹ“ نے مجھ سے ایک اپیل میں دستخط کرنے کی خواہش کی اور میں نے عرض کر کے عذر کیا کہ اور حضرات سے پہلے لکھو الیا جائے۔ چند دن کے بعد جب اکثر علماء کے دستخط اس اپیل پر موجود تھے مجھ سے دوبارہ دستخط کی خواہش کی گئی اور میں نے دستخط کر دئے مگر صرف اس اطمینان پر کہ کوئی سیاسی تحریک نہ آئے گی۔

صلح کی کوشش میں کیا ہوا؟

سب سے پہلے میں یہ بھی کہتا چلوں کہ قوم نے بالاتفاق اعلیٰ حضرت ہرمانیس آف رام پور اقبالہ العالی کو آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا صدر منتخب کیا اعلیٰ حضرت نے منظوری صدارت میں یہ شرط قرار دی کہ شیعوں

کی تمام جماعتیں متفق ہو کر شیعہ کانفرس میں شرکت کریں اس اعلان سے مومنین کی ہمت افزائی ہوئی اور اعلیٰ حضرت کو جلسوں اور اخبارات مموریوں اور ذاتی خطوط کے ذریعہ سے توجہ دلائی گئی کہ سب سے بڑی نزاع جس نے شہروں قصبوں دیہاتوں بلکہ ہر گھر میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔

”شہید انسانیت“ کی نزاع ہے۔ مولانا علی نقی صاحب (جن کے متعلق بعض حضرات کا یہ عہد ہے کہ جس مقام پر وہ ہوں گے یہ حضرت شرکت نہ کریں گے۔) ان کو بھی کانفرس کی طرف سے دعوت نامہ بھیجا جائے۔

۱۹ اگست کو کانفرس کی مرکزی کمیٹی کا جلسہ ہوا اور اس میں بھی یہ سوال اٹھایا گیا۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی روٹنگ صادر فرمائی کہ مجلس استقبالیہ کو اختیار ہے کہ وہ مولانا سید علی نقی صاحب کے نام دعوت نامہ جاری کرے یا نہ کرے لیکن اگر مولانا سید علی نقی صاحب نکٹ لے کر آل انڈیا شیعہ کانفرس کے جلسے میں آجائیں تو کسی بھی قانون سے ان کو روکا نہیں جاسکتا اور فرمایا کہ اس معاملے کو میرے سپرد کر دیا جائے میں طے کر دوں گا۔

مرکزی کمیٹی کا جلسہ برخاست ہونے کے بعد یہ بہ ایماء اعلیٰ حضرت دام اجلہ جنرل سکریٹری شیعہ کانفرس ”خان بہادر سید کلب عباس صاحب“ نے صلح کی کوشش شروع کی اور ”مولوی... صاحب“ وغیرہ کی طرف سے ایک مسودہ سکریٹری صاحب کو دیا گیا کہ اگر ”مولوی علی نقی صاحب“ اس مسودے پر دستخط کر دیں تو پھر کوئی نزاع باقی نہ رہے گی۔

مجھ کو نہ یہ خبر تھی کہ مرکزی کمیٹی میں کیا ہوا اور نہ یہ خبر تھی کہ صلح کی گفتگو شروع ہوئی ہے۔ ۱۹ اگست ۵ بجے پہر کو جناب ”سید علی ظہیر صاحب“ وزیر اتر پردیش کی کوٹھی پر عصرانہ تھا۔ جس میں مجھ کو بھی دعوت دی گئی تھی جب میں اس عصرانہ میں گیا تو اعلیٰ حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ تم فوراً واپس جاؤ۔

کیونکہ میں نے ”کلب عباس صاحب“ کو ایک صلح کا فارمولا دیکر تمہارے یہاں بھیجا ہے کہ تم کو لے کر مولوی علی نقی کے یہاں جائیں اور صلح کی کوشش کریں۔

جناب ”قیصر حسین صاحب“ ایڈوکیٹ نے اس فارمولے کی نقل بھی مجھ کو دکھائی۔ جناب ”مولوی... صاحب“، جناب، ”مولوی... صاحب“، ”جناب مولوی... صاحب“ وغیرہ بھی عصرانہ میں موجود تھے۔ میں نے وہ فارمولا دیکھ کر کہا کہ اس کو ”مولوی علی نقی صاحب“ منظور نہ کریں گے۔ مگر اعلیٰ حضرت کے حکم کے مطابق فوراً مکان آیا معلوم ہوا کہ جناب سکریٹری صاحب اور جناب ”صدر الاسلام صاحب“ اور ”جناب وصی الحسن صاحب زیدی“ اور ”جناب کلب مصطفیٰ صاحب“ بہت دیر ہوئی مجھ کو تلاش کرتے ہوئے آئے تھے مگر جب میں نہ ملا تو ”مولوی علی نقی صاحب“ کے یہاں چلے گئے چونکہ بہت دیر ہو چکی تھی، اس وجہ سے میں نے علی نقی صاحب کے یہاں جانا مناسب نہیں سمجھا مگر میں رات تک منتظر رہا کہ شاید سکریٹری صاحب واپس تشریف لائیں تو مجھ کو کچھ حال معلوم ہو (جناب عم محترم خان بہادر سید کلب عباس صاحب ہمیشہ فقیر خانے ہی پر قیام فرماتے ہیں) مگر جب موصوف تشریف نہ لائے تو میں سو رہا صبح کو معلوم ہوا کہ سکریٹری صاحب بچے صبح کی گاڑی سے رائے بریلی گئے مگر میرے نام تحریر چھوڑ گئے ہیں جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

میں ۳ بجے سہ پہر سے ساڑھے گیارہ بجے شب تک صلح کی کوشش کرتا رہا۔ پہلے مسودے ”مولوی علی نقی صاحب“ نے منظور نہ کیا اور کچھ الفاظ کا تغیر و تبدل کیا مگر اس کو ”مولوی... صاحب“ وغیرہ نے منظور نہ کیا اور بعض الفاظ کم کر کے ایک مسودہ بنایا اس کو ”مولوی نقی صاحب“ نے منظور نہ کیا۔ اب میں جارہا ہوں اور میں نے اعلیٰ حضرت سے آپ کے متعلق عرض کر دیا ہے کہ آپ اسی کام کے تکمیل میں کوشش کریں گے۔

لہذا دونوں مسودوں کو پیش رکھ کے کوئی فارمولا منظور کرانے کی کوشش کیجئے۔ ”مولوی... صاحب“ کی طرف سے دونوں فارمولے مذکورہ بالا تحریر کے ساتھ منسلک تھے۔ صبح کو خود ”مولوی علی نقی صاحب“

میرے پاس تشریف لائے اور تمام تذکروں کے بعد وہ مسودہ دیا جو موصوف نے اپنی طرف سے پیش کیا تھا۔

۱۲ بجے دن کو اعلیٰ حضرت کے طلب فرمانے پر سرکار کی خدمت میں گیا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا تم اس صلح میں کوشش کرو میں نے عرض کیا کہ ”جناب... صاحب“ قبلہ کی شرکت ضروری ہے چنانچہ اعلیٰ حضرت نے موٹر بھیج کر ”مولوی... صاحب“ اور ”... صاحب“ کو طلب فرمایا اور دونوں حضرات کے ساتھ جناب ”مولوی... صاحب“، ”جناب مولوی... صاحب“، ”جناب مولوی... صاحب“، ”جناب مولوی... صاحب“ تشریف لائے اور اعلیٰ حضرت اور راجہ صاحب پیرپور کی موجودگی میں تبادلہ خیالات شروع ہوا۔ ”خان بہادر نواب مہدی حسن“ قبلہ سے خواہش کی گئی کہ وہ ایک مسودہ تحریر کریں جو فریقین کے لیے قابل منظوری ہو سکے۔

تقریباً ۳ گھنٹے کے بحث و مباحثہ اور کئی وزیادتی کے بعد ”جناب خان بہادر صاحب“ کے تحریر کردہ دو مسودے منظور ہوئے۔ ایک وہ جس پر مذکورہ بالا تمام حضرات دستخط کر کے یہ اعلان کریں کہ جو تحریر ”مولوی علی نقی صاحب“ نے دیدی اس کے بعد کوئی نزاع ہم لوگوں کو ”مولوی علی نقی صاحب“ سے باقی نہ رہی جس کے بعد سب حضرات کی رائے ہوئی کہ میں اور ”خان بہادر نواب“ ”مولوی مہدی حسن صاحب“ قبلہ ان تحریروں کو لے کر ”مولوی علی نقی صاحب“ کے پاس جائیں اور ان سے منظوری حاصل کرنے کی کوشش فرمائیں خان بہادر صاحب نے ہر چند عذر کیا، لیکن اعلیٰ حضرت نے کوئی عذر مسوع نہیں فرمایا اور ارشاد کیا کہ پندرہ برس کے بعد آپ سے یہ دینی کام لے رہا ہوں اسے آپ کو منظور کرنا ہو گا جس کے بعد خان بہادر صاحب نے منظور کیا لیکن یہ شرط کر لی تھی کہ اگر ان تحریروں میں کوئی ایسی ترمیم از ”جناب علی نقی صاحب“ پیش کی گئی جسے قابل غور سمجھوں گا تو اسے آپ حضرات کی طرف سے منظور تو نہیں کروں گا لیکن آپ سب حضرات کی خدمت میں پیش ضرور کروں گا۔ میں اور جناب خان بہادر صاحب مسودہ لے کر ”مولوی علی نقی صاحب“ کے یہاں گئے۔

دیر تک گفتگو ہونے کے بعد ”مولوی علی نقی صاحب“ نے کل منظور کر کے محض ایک لفظ (بیان) کے اضافہ کی خان بہادر صاحب سے اجازت حاصل کی اور اس لفظ کے اضافہ کے ساتھ اپنے قلم سے پوری عبارت مسودے کی لکھ کر دستخط کر دے۔ ”مولوی علی نقی صاحب“ کی مذکورہ بالا تحریر لے کر میں اور ”خان بہادر صاحب“ ”مولوی... صاحب“ کے دولت کدہ پر گئے۔ ”مولوی... صاحب“ نے مع لفظ اضافہ شدہ تحریر کو منظور کر لیا مگر اور حضرات نے انکار کر دیا اور پھر مولوی... صاحب نے بھی انکار فرما دیا۔ ہم لوگ پھر ”مولوی علی نقی صاحب“ کے پاس آئے اور ”مولوی علی نقی صاحب“ نے ”خان بہادر صاحب“ کی ذاتی منظوری کی بناء پر لفظ (بیان کاٹ کر لفظ موافقت) کا اضافہ کیا اور جناب خان بہادر صاحب سے یہ فرمایا کہ میں نے آپ کی فرمائش کے مطابق اس مسودے پر دستخط کر دئے۔ اب مجھے امید ہے کہ اگر اس مسودے کو بھی ”مولوی... صاحب“ وغیرہ نے منظور نہ کیا تو آپ میری تائید کریں گے اضافہ شدہ لفظ نے میری نظر میں ”مولوی... صاحب“ وغیرہ کے مقصود کی مکمل ترجمانی کرنی تھی۔ لہذا جناب خان بہادر صاحب نے تو اس لفظ کو فوراً منظور کر لیا مگر میں نے ”مولوی علی نقی صاحب“ کو توجہ دلائی کہ یہ اضافہ شدہ لفظ وہ حضرات تو ممکن ہے منظور کر لیں اگر آپ خود اس لفظ پر غور کر لیں کہ آپ کے واسطے مناسب ہے یا نہیں۔

مولانا نے جواب دیا کہ جب میں مصالحت پر تیار ہی ہوں تو اس پر نظر ثانی کی ضرورت نہیں سمجھتا رات بہت زائد گزر چکی تھی لہذا میں اور ”خان بہادر صاحب“ مکان واپس آ گئے۔ صبح ۸ بجے میں خان بہادر صاحب کی خدمت میں گیا تو فرمایا کہ ”محسن نواب صاحب“ شب ہی کو تشریف لائے تھے اور مسودے کو مع اس اضافہ کے پسند فرمایا (لیکن مزید غور اور مشورے پر قطعی رائے کو محول کیا ہے۔) اب صبح کو میں اور حضرات سے بھی مل لوں گا۔

تقریباً ساڑھے گیارہ بجے خان بہادر صاحب فقیر خانہ پر تشریف لائے اور فرمایا کہ اس لفظ کا اضافہ ان حضرات کو منظور نہیں اس کے بعد میں اور خان بہادر صاحب تقریباً سب بجے پہر کو اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ”مولوی... صاحب“، ”مولوی... صاحب“ اور ”نواب... صاحب“ پہلے سے تشریف فرما

ولا أن تخرج من ذلك الجلس فأنكر بقلبك ما هم فيه وليكن قصدك
 الغفران لأن تظهر نفسك على غيرك ومن كلامه قدس سره في طرق الجاهل
 وتحصيل التقوى ما يترب هذا الضمير على اجراء الله لن اساس ^{في بعض الايام}
 التقوى الصادرة من الحزن الشديد والدم يكون في الملة في المراء حقيقة
 التقوى فلا بد من محصيل ذلك الحزن كما ان البناء لا يمكن تحقيقه
 اساس كذلك التقوى لا يمكن دخوله في القلب واستقرار فيه بدون
 ذلك الحزن الشديد والدم ولا معة ذلك ان لا تفعل حقيقة الضحك
 ابدأ ولا تفعلك بوجهك وتلك بل يكتفي بقلبك وتضحك بوجهك و
 يكون قلبك بحيث لا يصدر عنه الضحك بدأ وتكون غرضاً في جعل الحزن
 كما ورد في الخبر الذي يشاء في وجهه وحزنه في قلبه فيظهر من هذا الخبر
 الشريان التي من ليس له في قلبه شيء اصلاً ولا جوار هذا الضحك
 وان شئت الاطلاق عليها فراجع الخبط والمراعاة التي وردت في الخبر
 صلوات الله تعالى عليهم اجمعين التي وصفك فيها المتقون واعلم انك
 ان كنت حزينا في ساعة دون اخرى او يوم دون يوم او في اغلب
 اوقاتك وفي بعضها باللهو والضحك مشغولاً ومن الحزن خالياً
 من احد جلالة تعالى واصحابك تاسياً وبدياً في سرور وانك
 من مرة المتيقن واليعد لك من التقوى حظ ولا مضيق فلا بد من
 ان يجبر الحزن ملكة لا تسحق في نفسك في محصيل هذا الحزن بان تشكر
 في سوء حالك وكثرة ذنوبك وانك قاتل من هو بك وانك في

بحسب نفسك لتفعلت من محبوب غيرك ذلك لا تشك ولا شبه
 لك في ذلك قد عرفت ربك والحمد لله وعذرك واجتبت
 سيدك وملاكك وغالقت بين اليه شغليك ومشاك ولم يالك
 البشائر من عندك بالعز ان والجاه من الخسران ولا تدرى على من
 شيئا من اعمالك ما صدر منك ما تجوز به الخلاص من غير انك اذا
 تفكرت في هذه الامور تعلم ان اسباب الهلاك فيك من جوده التي امر الله
 برفع مقدره وكان يومئذ بقدره العاشرة وقد كمال الامتداد الحاجب والعترة
 وكان يقول بان العاشرة للطلبة سمى قائل وقال اياك وهذا الجواب
 في الصبي الشريف الان تكون مشغول بالانصاف لا ايسر من عليه
 اخضر صلوات المسلمين وكان عامر بابا الحب في علم الاخلاق ويقول
 ان الطلبة كان ما يتعاطونه من الكلام اذا قصدوا في الصبي الشريف
 واجتمع بعضهم مع بعض كانه في تهذيب الاخلاق وتربية النفس كذا
 يوم عنده وكما عشرين خسا اما على قتال اليها الجاهل ان لكل واحد منكم
 اسر الى خنايا الاصيل ان يطالع عليها غيره مما يجزي ويحكم اذا اطلع على
 منكم على خنايا غيره منكم انتم فكيف لكم في يوم تبلى فيه السريرة فكيف
 عن الظاهر ان بعض الذين يسمون السفة الى بلاد من طلب منه وعظما
 وادبهم اجمع امة بجنة النفس خسة الزينة وقد يقول المفسرون
 الذين حين وكان في ذلك العلم الامور التي قد تدرى استحال
 القول ان كان في هذا الورد ان كان حجة الحاجة الى العز وما
 يوزن

هذا السفة
 القليل
 في بعض
 من

يتقرب إليها من الخذل والهوان عندا المربان وادبهم الامام الله تعالى بهم
 يذل الجهد وقاية الاضلال بتكامل العلوم الشرعية لا م ملام سيما الكفا
 والمناظرات مع هذه الفرق الضالة المضلة من الكثرة الجردية
 من الطبيعيين وغيرهم وبذل الجهد وقاية الى سبع فروع بهم شهم على
 عن شفاء المؤمنين البتة بولا المظهرين بقدرنا على الله عليه وآله
 لان يوفق الله واحدا خيرا كمن جعل تها من ذهب الحديث وما التغير
 والحديث وما لا بد منه في العلم والرجال لا يشترطوا باضداد فخلط
 العلم فخرنا من هذين العليين الشريفين فقد كان السلطنة الصالحة
 في تكملها حتى اتي سمعان الحق الانصار مع ما كان عليه ذهب الراجحة
 واستجاز من السيد الامام العلامة حجة الاسلام السيد محمد باقر الشنقيري
 فاستحسنه نزل بحمد على ما يريد في العلم الرجال فلم يفرغ من ان الحجة الانصاري
 قد كان تصديق علم الرجال في ذكره الرواة التي الذين اختار العمل
 برؤايتهم ولعلمه ضعفه بعد ذلك وبخبر ان اكمل العلم الرجال هو من
 الذين غانوا الليل والنهار في ذكره السيد ما وافق قوله من باب فكونوا علماء
 تحبوا والارادة على الحديث في التفسير من امره كتب الاخبار سيما ما يتعلق بها
 سيما كتب الاربعين على هذا الامر فجميع الاصول الكثرة والفقهاء والتهذيب
 والاستبصار ونحو البلاغة وقد عدت في الحيل العلامة الامرية على ما
 عن والده سيدنا الامام الاعظم قدس سره انما وصاه بحفظ القرآن و
 نبه على البلاغة والعصفا الكاملة المجاهدة في غير من ظهر القلب وقد اريد
 في رتبة حفظ الحق الامانة فلا تستعجل في البلاغة واستقر في سنة الامام

ما يشق

آیت اللہ شیخ علی بن محمد رضا بن موسی بن شیخ جعفر کبیر کاشف الغطاء (۱۲۷۰-۱۳۵۰ھ-ق)

الاجازة السابعة

من الشيخ الاجل كير العلامة الحضرية المتبع المولف، المحبر الشيخ علي بن الشيخ محمد رضا بن خزين الله
الشيخ موسى بن الشيخ الاكبر كاشف الغطاء صاحب المحصول المبيحة في طبقات الشيعة في الامجد واجازته
هذه مجلد تحفه العلامة الكبر علم الشيعة الشيخ محمد الحسين صاحب الدين والاسلام والمراجعات الرجائية وغيرها
مستحبة بوفيع الشيخ المحيّر وظاهر الشفاء

بسم الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي جعل الحمد مجازاً إلى حقيقة رضوانه وإجازة إلى سبيل حصوله والحمد لله
على سيد أنبياء وخيرة من خلقه محمد وآله وبعد فإن السيد الجليلي والعالم
الفاضل السيد علي بن محمد بن العلامة السيد أبو الحسن الثقليني الكزوري أدام الله حواشي
قد رغب إلينا في أن نخبره برواية الأحاديث التي حث لنا روايتها بطرق الإجازة
عن أهل بيت العصمة ومعادن الوحي وأحكام صلوات الله عليهم فوجدناه من
دفع محلها لذلك قد اجتزأ أن يردي عن عن مشايخنا من العلماء الأعلام من
أعلام إجازة كشيخنا العلامة الفقيه الشيخ مهدي عن أبيه المحقق الوحيد
ابن جعفر عن أبيه بنبوع العلم والفقاهة جدنا الشيخ جعفر كما شفعنا
رضوان الله عليه عن استاده الوحيد الميرزا أبيه على أنه مقامه والشيخ
الغوثي رحمه الله بطرقهم المشهورة إلى المحدثين الثلاثة على الله درجاتهم
وعن شيخنا الميرزا العالم الرباني الشيخ جعفر الشوشري قد رآه مرة عن
الشيخ الفقيه صاحب أنوار الفقاهة الشيخ حسن بن الشيخ جعفر شامه
عن أخيه خريز القمي عن حسن بن جعفر عن أبيه كما شفعنا الغطاء
عن مشايخنا الأعلام رضوان الله عليهم وعن استادنا العالم الورع البركاتي
الشيخ محمد باقر عن أبيه العلامة الشيخ محمد باقر صاحب هداية المسترش
قد اجتزأ أن يردي عن روايته وما صح لي إجازته عنهم إلى أئمة الهدى وما
أحسن سلام الله وأوصيه أن لا ينسأني من صالح دعواته وإن لا يحجبنا
الورع والاحتياط ومن الله سبحانه تسهلاً لنا وله المنة والتوفيق والسلام عليه

عزق
علي الجعفر
شيع الغطاء

عزق
علي الجعفر

آیت اللہ محمد علی بن محمد قاسم اردوبادیؒ (۱۳۱۲-۱۳۸۰ھ-ق)

الاجازة الثامنة

من العلامة المفضل باقعة الفضل وناصرة الكمال اخفى الله المبرزات على الاقران
دام علاه وهو ايضا عيسى عني فالاجازة بينا مدحجته وكانت اجازة مستفاهل
في سوال مستند وهو يردى عن مشايخ كثيرين منها استادنا العلامة
محبة الاسلام مولانا السيد محمد باقر الكهنوي طاب ثراه بطريق المذكور في اخر سنده

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى وبعد فهذا ما توخاه
سيدنا الاخ الفضال العلامة المحي سید العلماء الادباء
وسيد الفقهاء الكرام العلم المصنوع والسير الممددة بمحقق الشريعة
تلقين فخر وعلامة مضر السبق على سبيل التقوى الكهنه الهندى
واست برکاته من املاء طريقه واسايد الى علماء الاداء علماء
وكبرهم ومنهم المصابط الوحى ومعادى العلم ائمة الهدى صلوات
الله عليهم اجمعين والادب جازاه له برواى الا، خادى الشفيع
والكتب الموقوفة لادس ملكى الدتخ من الامامة عنى بها و
بوجودهم فضل وانك لا له اجازات كثر اللزما لكم على الوقوف
على الغاية القصوى من كل قضية وحرصه بان لا يغتر اى
لمدره وحسن ظن يا حبيب في العتق وعين الرضا منه حدة المحي
بهذه القاية ولم يكن لي مستدع من اجابة خلم فبادرت
الى سرد هذه البیان عسى ان يكون طلبه وان كان هوذا المرد
فهو اولى من سیر جانب احب وبيد دلالة ومع الا
استمد المعونة واليه استعمل ان يوفقا جميعا لما يحسن برضى
والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته

مؤلفه

۲۔ یہ روایت صحیح ہے یا نہیں کہ ساتویں آٹھویں شب کو خیام حسین علیہ السلام میں پانی پہنچ گیا تھا؟ اس کو جواب مرحمت نہیں ہوا۔

۳۔ صبح عاشور عبد الرحمن بن عبد ربیعہ اور بریر کے مزاج المؤمنین کی روایت تو بعض جگہ مل جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ غسل امام کا کہیں تذکرہ نہیں لہذا یہ تصریح ارشاد ہو کہ وہ کون سی کتابیں ہیں جن میں اس روایت کا ایک جزو غسل امام بھی ہے۔

۴۔ کیا یہ جائز ہے کہ سب بچے بھوک سے تڑپ رہے ہوں اور پانی غسل میں صرف کر دیا جائے۔ اس کا جواب جناب نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ امام علیہ السلام کے بارے میں فتویٰ صادر نہیں کیا جاسکتا۔ مجھے اس موقع پر عرض کرنا ہے کہ میرا مقصد معاذ اللہ ہر گز یہ نہیں کہ امام علیہ السلام کے بارے میں حضور فتویٰ صادر فرمائیں بلکہ یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا یہ امر کسی عالم دین نے خصوصیات امام علیہ السلام میں لکھا ہے کہ بچوں کے پیاس سے جاں بلب ہونے کی حالت میں امام پانی کو غسل مستحب میں خرچ کر سکتے ہیں۔ اگر شریعت محمدی ﷺ کے احکام میں امام علیہ السلام کے لیے ایسا استثناء الیا ہو تو براہ کرم کتاب کا حوالہ مرحمت ہو۔

مجھے امید ہے کہ میرے سوال کے جو پہلو تشنہ جواب رہ گئے ہیں حضور والا ان کا جواب عنایت کر کے رہنمائی فرمائیں گے۔ فقط (بندہ علی)

(نواب) احسان علی خان (آف مالیر کوئٹہ صدر صوبہ پنجاب شیعہ کانفرس)

عالیجناب نواب احسان علی خان صاحب آف مالیر کوئٹہ کے سوالات کا جواب

(سرفراز مورخہ ۵ مارچ ۱۹۴۵ء) دام مجد کم السامی۔ سلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ حسب فرمائش سامی جواب مطابق ترتیب سوالات درج ذیل ہے:

۱۔ اصحاب امام علیہ السلام کی وفاداری کا تقاضہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی تشنگی میں وہ شریک رہے ہوں اور اطفال امام علیہ السلام کا بھی تین دن شدائد تشنگی اٹھانا مسلم ہے۔

۲۔ سند کے اعتبار سے یہ مثل دیگر روایات واقعہ کربلا کے ہے جن کے اعتبار کا دار و مدار صرف ان علماء کی جلالت قدر پر ہے جنہوں نے ان روایات کو درج کیا ہے۔

س۔ عبد الرحمن ابن عبد ربیعہ اور ربیعہ کے مزاج المؤمنین کی روایت کے ملنے کا جن مقامات پر جناب نے تذکرہ فرمایا ہے۔ ان ہی میں آداب طہارت بجالانے کا تذکرہ ہے اور غسل کا تذکرہ اس سے علیحدہ متعدد کتب میں ہے۔ جیسے خصائص حسینیہ۔ بناء الاسلام اور مواظب حسنہ وغیرہ لیکن اس کے ساتھ تفنگی امام علیہ السلام برابر مسلم رہی ہے۔

۴۔ جی ہاں۔ جناب فقیہ اجل شیخ جعفر تستری اعلیٰ اللہ مقامہ (المتوفی ۱۳۰۳ء) نے اس کو خصوصیات امام علیہ السلام میں ذکر فرمایا ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب الخصائص مطبوعہ بمبئی کتاب العبادات البدنیہ، باب طہارت)

والسلام

علی نقی النقیوی عفی عنہ (۱۳۶۴ھ)

کتاب میں تبدیلیاں میں خود پیش کروں گا

سرفراز کی حالیہ اشاعت میں آپ نے شہید انسانیت کی مخالفت کے سلسلہ میں جو نام تحریر فرمائے ہیں۔ ان کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تمام افراد اس فہرست میں آسکتے ہیں جو نظر ثانی کے موقع پر کتاب میں تبدیلیاں ہونے کے طر فدار ہوں۔ اس صورت میں میرا نام بھی اس فہرست میں درج کیا جاسکتا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے جیسا کہ بار بار اعلان ہو چکا ہے کتاب کا یہ خاکہ بغرض مشورہ واستصواب ہی شائع ہوا تھا۔ اس کا بھی اعلان کیا جا چکا ہے کہ تمام اعتراضات ایڈیٹوریل بورڈ میں پیش کر دئے جائیں گے اور بورڈ کو ہر طرح کی ترمیم کا کامل اختیار ہو گا مگر بعض لوگ شاید اس سے یہ مطلب نکال رہے ہیں کہ میں صرف دوسروں کے اعتراضات رسمی طور پر پیش کر کے اپنی طرف سے کتاب کے ہر جز کو باقی رکھنے پر اصرار کروں گا اور اس بارے میں ضد و کد سے کام لوں گا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اعتراضات، انتقادات اور مشورے سے طلب کرنے کا مقصد یہی تھا کہ میں خود ان تمام انتقادات اور مشوروں کی روشنی میں اس امر پر غور کروں کہ کتاب کے کون اجزاء باقی رکھے جائیں کون حذف کر دئے جائیں اور کن میں مناسب ترمیم کر دی جائے۔

اس غرض سے اعتراضات طلب کئے گئے تھے اور اب بھی میری یہی خواہش ہے کہ مزید اعتراضات جو کچھ ہوں وہ ادارہ کو بھیج دئے جائیں۔ میں ہر گز ایڈیٹوریل بورڈ میں اس امر کی حمایت صحیح نہیں سمجھتا کہ

پوری کتاب بصورت موجودہ قائم رہے اور یقیناً ایسی تبدیلیاں ہیں جنہیں میں خود ضروری سمجھتا ہوں اور انہیں ایڈیٹوریل بورڈ میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔

کتاب ”شہید انسانیت“ سے قوم کو اختلاف ہونے کی وجہ سے جناب سید العلماءؒ نے اس کتاب کو واپس لے لیا۔ موصوف کا ایک اہم بیان

(سرفراز مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۴۵ء) عالی جناب مہاراجکمار محمد امیر حیدر خان صاحب صدر یادگار حسینی نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۵ء کو محمود آباد ہاؤس قیصر باغ سے حسب ذیل تحریر ایڈیٹر سرفراز کے پاس روانہ فرمائی ہے۔

مکرمی تسلیم۔ جناب مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ ناظم شعبہ تصنیف یادگار حسینی نے حسب ذیل تحریر کے ذریعہ سے کتاب ”شہید انسانیت“ کا مسودہ واپس لے لیا ہے۔ لہذا براہ مہربانی تحریر مذکور کو اخبار میں فوراً شائع فرمادیجئے۔

مخلص (دستخط مہاراجکمار) محمد امیر حیدر خان صدر یادگار حسینی (مورخہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۵ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تسلیم۔ ادارہ یادگار حسینی کے بنیادی تجاویز میں سے ایک تجویز کی تکمیل میں میں نے ایک کتاب کا مسودہ شہید انسانیت کے نام سے مرتب کیا جو بغرض استصواب و دریافت آراء طبع کیا گیا۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد سے جو صورت حال پیدا ہو گئی ہے اس کی وجہ سے اس کتاب کی اشاعت رائے عامہ کے مطابق نہیں معلوم ہوتی اس لیے بہ نظر رفع اختلافات اس کتاب کو واپس لیتا ہوں۔

دستخط (سید العلماء علی نقی صاحب قبلہ مجتہد ناظم شعبہ تصنیف یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ)

جناب سید العلماء سے سوالات اور ان کے جوابات (اخبار حقیقت مورخہ ۲۲ فروری ۱۹۴۵ء) مسئلہ آپ کے متعلق مثل دیگر امور کے مرتب کتاب شہید انسانیت سے درحقیقت اسی وقت تبادلہ خیالات کیا جا چکا تھا جبکہ یہ مسودہ کتاب تھوڑا تھوڑا کر کے نکل رہا تھا اور یہی وجہ ہے کہ جس طبقہ نے افہام

سوال نمبر ۴:- اگر سوال نمبر ۲ کے ماتحت آپ صبح عاشور غسل امام حسین علیہ السلام کی روایت کو معتبر نہیں سمجھتے ہیں تو پھر ارشاد ہو کہ استصواب رائے کے موقع پر اس روایت کے درج کرنے سے آپ کا کیا مقصود تھا؟

الجواب:- چونکہ متعدد کتب میں یہ روایت موجود ہے اور بعض علماء نے بہ نظریہ ظاہر فرمایا ہے کہ وہ منافی تفسلی نہیں ہے بلکہ امام علیہ السلام کی نظر میں عبادت کی اہمیت اس سے ثابت ہوتی ہے اس لیے بہ مواقع استصواب اسے درج کیا گیا تا کہ تبادلہ خیالات کے بعد اگر طے پا جائے کہ وہ روایت خارج کردی جائے تو یہ اس روایت کے متعلق ایک طرح سے یکسوئی ہو جانے کا ذریعہ ہو۔

سوال نمبر ۵:- کتب سابقہ میں کہیں بھی اگر شب عاشور یا صبح عاشور حضرت امام حسین علیہ السلام یا اصحاب امام علیہ السلام کے غسل کی روایتیں موجود ہیں تو کیا ان کتابوں میں ان حضرات کی سہ روزہ تفسلی سے انکار کیا گیا ہے یا سہ روزہ تفسلی کو تسلیم کرتے ہوئے بھی غسل کی روایت درج کی گئی ہے؟

الجواب:- سہ روزہ تفسلی سے انکار کسی کتاب میں نہیں ہے۔ بلکہ سہ روزہ تفسلی کو تسلیم کرتے ہوئے اس روایت کو درج کیا گیا ہے۔

سوال نمبر ۶:- کیا آپ شہدائے کربلا اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کی سہ روزہ تفسلی کے منکر ہیں؟

الجواب:- ہرگز ایسا نہیں ہے۔

سوال نمبر ۷:- کیا یہ صحیح ہے کہ مختلف رسائل اور پمفلٹ اور بینڈ بل آپ کی جماعت میں اس قسم کے شائع کئے گئے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام اور ان کے اعزاء اور احباب تین روز کے پیاسے نہ تھے اور اگر ان رسائل پمفلٹ اور بینڈ بلوں سے یہ ثابت نہ ہوتا ہو تو پھر ان کا مفہوم کیا ہے؟

الجواب:- جہاں تک مجھے علم ہے ایسا کوئی رسالہ یا پمفلٹ شائع نہیں ہوا ہے جس کا مقصد سہ روزہ تفسلی کا انکار ہو بلکہ جہاں تک میں نے دیکھا ہے ان کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ روایت غسل خود ساختہ نہیں ہے بلکہ اس کے پہلے بھی اس قسم کی روایات کتب میں موجود ہیں۔

سوال نمبر ۸:- کیا یہ ضروری ہے کہ شہیدان کربلا اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کی سہ روزہ تہنیتی کا تہنیت رکھتے ہوئے یہ بھی مانا جائے کہ شب عاشور یا صبح عاشور امام اور اصحاب امام علیہ السلام نے غسل فرمایا؟
الجواب:- ایسا ماننا ضروری نہیں ہے۔

سوال نمبر ۹:- کیا آپ کربلا میں خیام حسینی اور لشکر حسینی میں سہ روزہ قحط آب کے منکر ہیں؟
الجواب:- ایسا نہیں ہے۔

سوال نمبر ۱۰:- طہارت بدن وغیرہ کے لیے میدان کربلا میں کیا صورت اختیار کی گئی تھی۔ جناب کی تحقیق اس میں کیا ہے؟

الجواب:- روایات اس بارے میں خاموش ہیں صرف ظن و احتمال کی بناء پر اس بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

سوال نمبر ۱۱:- صبح عاشور اگر غسل کی روایت کو تھوڑی دیر کے لیے صحیح بھی مان لیا جائے تو کیا اس موقع کے بعد پھر دن بھر میں کسی وقت کے لیے کسی ایک کتاب میں یہ لکھا ہے کہ حسین علیہ السلام یا ان کے اعزاء و انصار و اہل بیت علیہم السلام کے پاس ایک قطرہ آب موجود تھا؟

الجواب:- کسی روایت سے ایک قطرہ آب کا بھی وجود ثابت نہیں ہوتا۔

سوال نمبر ۱۲:- اگر شہید انسانیت کا آئندہ کوئی ایڈیشن آپ اپنی تالیف یا تصنیف کے طور پر بھی نکالیں گے تو کیا آپ اس روایت غسل صبح عاشور کو کتاب میں باقی رکھیں گے یا نہیں؟
الجواب:- اس روایت کے درج کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

دستخط علی نقی النقی عفی عنہ

مرسلہ اظہار حیدر سیتا پوری

حضرت سید العلماء دام ظلہ کے واضح اور صریح جوابات (اختر فیض آباد، ۴ جولائی ۱۹۴۵ء)
بمقتور اقدس والا سرکار شریعت مدار حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید العلماء مولانا سید علی نقی
صاحب قبلہ مجتہد العصر والزمان دام ظلہم العالی۔

سوال نمبر ۱:- کیا سرکار والا نے وجود آب شب عاشور یا صبح عاشور کو کہیں موثق و معتبر ہے لکھا؟
جواب نمبر ۱:- بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نہیں میں نے کہیں موثق و معتبر نہیں لکھا ہے۔ اسے بعض علماء
نے اپنے کتب میں درج فرمایا ہے پس اس کے سوا کوئی وثوق و اعتبار اس کا نہیں ہے۔
سوال نمبر ۲:- کیا سرکار والا امام حسین علیہ السلام اور اصحاب کی سہ روزہ تشنگی کے قائل نہیں ہیں یا
حضور والا کو اس میں کوئی شک ہے؟

جواب نمبر ۲:- بلا شک و شبہ سہ روزہ تشنگی کا قائل ہوں۔
سوال نمبر ۳:- کیا سرکار والا اس پر مصر ہیں کہ خواہ مخواہ وجود آب کی روایت مان ہی لی جائے؟
جواب نمبر ۳:- ہرگز ایسا نہیں ہے۔

سوال نمبر ۴:- کیا جناب والا کا یہ خیال تھا یا ہے کہ مسودہ شہید انسانیت بالکل صحیح اور ناقابل ترمیم ہے؟
جواب نمبر ۴:- نہیں میں نے ایسا کبھی خیال نہیں کیا ہے۔
سوال نمبر ۵:- کیا سرکار والا اس کے مقرر نہیں ہیں کہ مسودہ شہید انسانیت میں بعض امور قابل اصلاح
و ترمیم تھے اور ہیں؟

جواب نمبر ۵:- بے شک اس میں بعض امور قابل ترمیم ہیں۔
سوال نمبر ۶:- کیا حضور والا زیر بحث مسودہ شہید انسانیت کو دوبارہ بعینہ چھپوانے کا ارادہ رکھتے ہیں یا اس
کا کبھی ارادہ ظاہر کیا ہے؟

جواب نمبر ۶:- نہیں ایسا میرا ارادہ نہیں ہے۔ نہ اس کا کبھی ارادہ ظاہر کیا ہے۔
سوال نمبر ۷:- کیا سرکار والا کے علم میں مسودہ شہید انسانیت دوبارہ طبع ہوا ہے یا صرف ایک بار؟
جواب نمبر ۷:- یقیناً وہ صرف ایک بار طبع ہوا ہے۔

شہید انسانیت کے متعلق جناب مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ کا بیان (رضاکار، لاہور، مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۳۵ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدیر محترم تسلیم۔ شہید انسانیت کے بارے میں کچھ عرصہ سے قوم شیعہ کے ایک طبقہ میں جو اضطراب رونما ہو گیا ہے۔ اس کو دیکھتے ہوئے میں نے ابتداء ہی میں چند بیانات اخبار ”سرفراز“ لکھنو میں شائع کئے۔ جن کا مقصد اصلاح حال اور قوم میں سکون پیدا کرنا تھا۔ مگر میرے ان بیانات سے بعض حضرات کو اختصار کی شکایت ہے اور ایک زیادہ واضح بیان کی ضرورت بتائی جا رہی ہے۔ اس لیے حسب ذیل بیان بغرض اشاعت روانہ کیا جاتا ہے:

”شہید انسانیت“ کتاب کسی خاص شخص کی طرف سے نہیں پیش کی جا رہی تھی بلکہ وہ ایک ایسے ادارے کی طرف سے پیش کرنے کے لیے مرتب کی گئی تھی جس کے ارکان اور مجلس مصنفین ہر شعبہ میں غیر شیعہ اور غیر مسلم افراد بھی موجود ہیں۔

ذاتی طور پر اور عہدہ کی حیثیت سے اب مجھ پر دو ذمہ داریاں تھیں۔ ایک اپنے ضمیر اور عقیدہ کی بناء پر یہ کہ عقائد شیعہ اور مفاد ملت حقہ کا تحفظ لازمی ہے۔ دوسری اس حیثیت کے لحاظ سے کہ مجھے ایک ایسے ادارے کی طرف سے کتاب مرتب کرنا ہے جس میں غیر شیعہ افراد بھی موجود ہیں اور کتاب ایسی ہونا چاہئے جسے وہ بھی اپنی جانب منسوب کر سکیں۔

میں نے حتی الامکان ان دونوں پہلوؤں کی حفاظت کی یعنی ایک طرف دوسرے پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ شیعہ معتقدات جن کا تذکرہ اہل سنت گوارا نہیں کر سکتے کہ اگر اس کتاب میں اس طرح نہیں لکھے گئے جس طرح خود میں نے اپنی دوسری کتابوں میں لکھے ہیں یا اب جو ذاتی کتاب لکھی جائے اس میں لکھے جاسکتے ہیں۔ تو دوسری طرف واقعات کے تسلسل میں اجمال کے پردوں میں، ابہام کے طریقوں سے ملت

حقہ کے صحیح عقائد کی حفاظت بھی کر دی جائے۔ اس طرح کہ ملت شیعہ کے خلاف کتاب سے کوئی فائدہ بھی نہ اٹھایا جاسکے اور غیر شیعہ افراد سے اپنی طرف منسوب بھی کر سکیں۔

مجھے احساس تھا کہ یہ کام مشکل ضرور ہے اور میں چاہتا تھا کہ اس بارے میں ہر طبقہ اور خیال کے لوگوں کی رائے اور ان کے جذبات کا اندازہ کیا جائے۔ اسی لیے میں نے چاہا کہ اس کا پہلا ایڈیشن بہ طور استصواب شائع ہو جائے اور قبل مختتم اور قطعی حیثیت میں شائع ہونے کے وہ لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچ جائے۔ اس اعلان کے ساتھ کہ جس کو کوئی اعتراض ہو، جس کی کوئی رائے ہو۔ جس کو کوئی مشورہ دینا ہو وہ ادارے کو مطلع کر دے تاکہ انہی اعتراضات، انتقادات اور مشوروں کی روشنی میں اس کتاب کی دوسری مرتبہ تالیف و تدوین ہو اور وسیع اشاعت کی جائے۔ میں سمجھتا تھا کہ نیک نیتی کے ساتھ اس بارے میں جو اعتراضات ہوں گے جو مشورے دے جائیں گے جو نکتہ چینیوں کی جائیں گی۔

وہ ہمارے مقصد کی تکمیل کا ذریعہ ہوں گی۔ اسی لیے میں نے اعتراضات سے کوئی ناگواری محسوس نہیں کی نہ ان کو جواب دینے کی کوشش کی۔ اس لیے کہ وہ اعتراضات تو میری خواہش کے مطابق اور میرے مقصد کے لیے معین و مددگار تھے۔ مگر ایک طبقہ نے بجائے علمی حیثیت سے اعتراض و انتقاد کے ہنگامہ آرائی اور شور و شغب مناسب سمجھی۔

چونکہ میرا مقصد ہر گز خدا نخواستہ اپنی جماعت کے کسی مفاد کو نقصان پہنچانا یا جذبات کو مجروح کرنا نہیں تھا بلکہ نیک نیتی کے ساتھ ایک کوشش تھی۔ اس بات کی کہ مختلف اقوام کو حسینیت کے نقطہ پر جمع کیا جائے۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے کارنامہ جاوید کی عظمت کو سب کی طرف سے متفقہ طور پر ظاہر کیا جائے اور اس لیے مجھے خود اپنی قوم کے مفاد اور جذبات کی قدر تھی اور ان کے ساتھ ہمدردی تھی اور یہ بھی امکان محسوس ہوتا تھا کہ کسی مقام پر تعبیر مطلب میں فرد گدازت ہو گئی ہو۔ جس کی وجہ سے کسی کو میری مراد کے خلاف توہم پیدا ہوتا ہو۔

اسی لیے میں نے ایک لمحہ بھی ضد اور کد سے کام نہیں لیا۔ بلکہ یہ اعلان کر دیا کہ مجھے ایک لفظ کے بھی باقی رکھے جانے پر اصرار نہیں ہے۔ بلکہ ایڈیٹوریل بورڈ میں تمام اعتراضات پر غور کیا جائے گا اور مناسب تبدیلیاں کی جائیں گی۔ اس کے بعد جب یہ خیال کیا گیا کہ میں صرف دوسروں کے اعتراضات کو رسمی طور پر پیش کروں گا۔ لیکن خود اس کے خلاف بحث کروں گا اور ہر جزو کے باقی رکھنے پر اصرار کروں گا تو اس غلط فہمی کے دور کرنے کے لیے میں نے یہ اعلان کیا کہ یہ خیال درست نہیں ہے۔

بلکہ تمام اعتراضات پر غور کر کے میں خود تبدیلیاں تجویز کروں گا اور ایڈیٹوریل بورڈ میں پیش کروں گا۔ میرے خیال میں نیک نیتی کے ساتھ تحفظ مفاہد شیعیت کا مقصد حاصل ہونے کے لیے یہ صورت مناسب تھی کہ ایڈیٹوریل بورڈ میں ان تمام چیزوں کو پیش کر دیا جاتا اور وہاں سے ہر اعتراض پر غور کر کے مناسب تبدیلیاں ہو جاتیں مگر اس کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ رفع نزاعات کے لیے تمام وکمال اس کتاب کا ادارہ سے واپس لینا مناسب ہو گا۔ اس وقت یہی معلوم ہوتا تھا کہ اس واپسی کے بعد تمام نزاع ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ میں نے کتاب واپس لے لی اور اس اعلان واپسی کی بناء پر ادارہ کی مجلس عاملہ کی طرف سے بھی اس کو کالعدم کر دیا گیا۔ اس کے بعد چند دن ایسا محسوس ہوا کہ ہنگامہ فرد ہو گیا۔

مگر پھر ایسا معلوم ہوا کہ ہنوز روز اول ہے۔ اعتراضات جو اس سلسلہ میں کئے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ تعبیر مطلب میں کسی کوتاہی کا نتیجہ ہیں جیسے ڈاکٹر وحید مرزا صاحب کی انگریزی عبارت کے ترجمہ مشرکین کے خیالات بیان کرتے ہوئے انہیں یہ محسوس ہوا کہ یہ نرا پاگل نہ تھا اور بعض مقامات پر بغاوت یا باغی کی لفظ کا اطلاق۔

حالانکہ مراد وہاں وہ نہیں ہے جو معترضین الفاظ سے پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ مگر زیادہ تر ایسے ہیں جو غلط بیانی پر مشتمل ہیں یا ان میں تحریف سے کام لیا گیا ہے۔ یا نوعیت تحریر پر غور نہیں کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ اس کتاب میں قاتلان حسین علیہ السلام کو شیعہ کہا گیا ہے بالکل غلط الزام ہے۔ بلکہ اس میں شیعیان کوفہ سے قتل امام حسین علیہ السلام کے الزام کو رفع کیا گیا ہے۔ یہ کہنا کہ اس کتاب میں خلفائے ثلاثہ کی مدح

ہے یا ان کی خلافت کی حقیقت کو ظاہر کیا گیا ہے بالکل غلط ہے۔ بلکہ اس میں ایسی چیزیں موجود ہیں جن سے شیعہ نقطہ نظر سے ان کی خلافت کا بطلان ثابت ہو جاتا ہے۔

یہ اور بات ہے کہ وہ ایسے طریقہ سے ہیں جن کو سنی جماعت بھی مسترد نہ کر سکے اور ناگواری محسوس نہ کرے۔ ان کی خلافت کی کامیابی دنیاوی طریقہ پر مذکور ہے جو شیعہ نقطہ نظر سے معیار حقانیت نہیں ہے اور مسلم الثبوت خلیفہ ان کے خود ساختہ اصول کی بناء پر ہے جس اصول ہی کو شیعہ نہیں تسلیم کرتے۔ اور اسی اعتبار سے ان کے مخالف گروہ کی کوششوں پر بغاوت کا اطلاق کیا گیا ہے۔ جیسا کہ عام طور پر غیر مسلم سلطنتوں تک کی مخالفت کرنے والوں کو باغی کہا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ سلطنتیں کوئی شرعی حیثیت نہیں رکھتیں نہ ان کے مخالف شرعی حیثیت سے باغی کی تعریف میں داخل ہیں۔

جب کہ کتاب کے اندر وہ چیزیں موجود ہیں جن سے شیعہ نقطہ نظر سے اس حکومت کا حکومت جو رہونا ثابت ہوتا ہے اور اس لیے ہر گز یہ کتاب شیعوں کے خلاف حربہ نہیں بن سکتی سب سے زیادہ وہ چیز جس پر عوام میں ہيجان بیدار کیا جاتا ہے۔ امام حسین علیہ السلام کا ایک خیمہ میں غسل اور آداب طہارت ادا کرنے تشریف لے جانا ہے۔ اس بارے میں بالکل غلط طور پر یہ چیز پھیلانی گئی ہے کہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی تفنگی کا معاذ اللہ منکر ہوں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ تفنگی امام علیہ السلام ایک مسلم اور متواتر حقیقت ہے ساتویں سے پانی بند ہونا بھی یقینی ہے تین دن تک امام علیہ السلام، اصحاب امام علیہ السلام اور اطفال امام علیہ السلام کا شدید تشنگی اٹھانا بھی مسلم ہے۔ خود شہید انسانیت میں ۲۲ جگہ امام علیہ السلام کی پیاس اور سہ روزہ تشنگی کا ذکر ہے۔

لیکن اس کے ساتھ کتابوں میں مختلف اوقات میں بعض اصحاب یا اعزاء مثلاً حضرت عباس علیہ السلام یا حضرت علی اکبر علیہ السلام کا اٹھویں یا نویں کو پانی لانے کا ذکر ملتا ہے اور اسی کے ساتھ بعض کتابوں میں شب عاشور یا صبح عاشور غسل کا تذکرہ بھی ہے۔ کبھی علماء نے اس کے پہلے ان روایات پر نقد و تبصرہ نہیں کیا۔ اور نہ ان کے خلاف اس سے پہلے آواز بلند کی گئی۔ اس بناء پر میں نے بھی دو جگہ اس کا تذکرہ شہید انسانیت میں کر دیا۔ جس کے ساتھ میرے زاویہ خیال میں ہر گز یہ تصور نہ تھا کہ اس کو امام علیہ السلام کی تشنگی کی نفی کے مرادف سمجھا جائے گا۔

نہ اس پر اس حیثیت سے کوئی ناقدانہ نگاہ ڈالی گئی۔ حقیقت امر یہ ہے کہ جس طرح سے احکام فقہیہ کے استنباط میں احادیث کی جانچ کی جاتی ہے کہ روایت کی جانچ پر تامل ہو اور صحیح یا حسن روایت قبول کی جائے اس طرح واقعات تاریخی کے تفصیلی حالات میں جانچ کی ہی نہیں جاسکتی۔

اس لیے کہ اس طرح سے روایات کی سند موجود نہیں ہے یا موجود ہے تو اس امر پر منطبق نہیں ہے اور جب تک کہ اس طرح کی روایات نہ موجود پہوں بحیثیت واقعہ کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ واقعاً ایسا ہوا۔ یہی صورت اس روایت کے بارے میں ہے کہ نہ وہ متواتر ہے نہ صحیح السند ہے۔ اس لیے ہر گز یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ واقعاً ایسا ہوا۔ ہاں تحقیقی لام اور ساتویں سے قحط آب مسلم اور قطعی ہے اور اس کے خلاف جو روایت ہو وہ یقیناً رد کرنے کے قابل ہے۔

والسلام
علی نقی النقی (۱)

عکس کتاب "شہید انسانیت"

دو صد سالہ یادگار خیمہ ۱۳۶۱

شہید انسانیت

——————

صادق حسین خندان لکھنؤ پرنٹر

سرفراز قومی پریس لکھنؤ میں طبع ہوئی

شہداءِ نساہت

۲

بیان حال

— ❦ —

یادگار حسینیؑ سلسلہ ہجری کے سلسلہ میں واقعہ کربلا کے اسباب، حالات، اور نتائج کے متعلق جس کتاب کا اعلان ہوا ہے اس کی ترتیب تدوین کیلئے ایک ایڈیٹوریل بورڈ کی تشکیل ہماری حق مندرجی صورت سے یہ صورت غیر ممکن ثابت ہوئی کہ تمام ارکان مجتمع ہو کر اس کی ترتیب میں حصہ لیں اس لیے تمام مضامین اور عناوین کو پیش نظر رکھتے ہوئے ادارہ کی جانب سے اس کتاب کو مرتب کیا گیا ہے۔ ادب اس کو طبع کر کر تمام ایڈیٹوریل بورڈ کے ارکان اور منتخب اہل قلم کے پاس بھیجا جاتا ہے۔ ان حضرات سے گزارش ہے کہ اس کتاب کے تمام اجزاء کا نظر غائر سے مطالعہ فرمائیں۔ اور جس مقام پر اضافہ کی ضرورت ہو یا کمی لازم ہو یا ترتیب کا بدنام مناسب معلوم ہو۔ وہاں اپنا نوٹ تحریر فرمادیں اور اس کتاب کے ان کے پاس پہنچنے کے بعد ایک ماہ کے اندر اپنی ترتیب سامنے سے ادارہ کو مستفید فرمائیں تاکہ ان کے آراء اور قیمتی مشوروں کی روشنی میں اس کتاب کی آخری تدوین و ترتیب کا کام انجام پائے اور پھر اس کتاب کی وسیع اشاعت کی جائے۔ والسلام

ماہنامہ شعبہ تصنیف یادگار حسینیؑ

۲۲ رجب ۱۴۲۶ھ ہجری

— ❦ —

شہید انسانیت

وہ فراوان قلم جو کہ نتائج قلمی اور دماغی کاوشوں کی کتاب کی تالیف میں شریک ہیں
 (ہر ایک نام کے مقابل میں وہ مقدار انسانی یا سطور کی درج ہے جو کسی ایک صاحب قلم کے اس کتاب میں
 ایک جابجا یا تفریق طور پر درج ہیں)

شمارہ	نام	تعداد سطور	تعداد صفحات
۱	گیمبرہ مصنفہ نروال سلطنت روم	۲	۰
۲	مشر جان پڑگ	۲	۰
۳	سوامی شنکر اچاریہ	۲	۰
۴	ریورینڈ فادر بیلا شمس ایس جے پ، ایچ ڈی ڈی سابق پرنسپل سینٹ ایکسٹریس کالج بمبئی	۲	۰
۵	ہزبانس ناصر الملک آف پترال	۲	۰
۶	کارلائل	۳	۰
۷	ہزبانس فواب صاحب خجرو	۳	۰
۸	قادر اعظم مشر محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ (بمبئی)	۳	۰
۹	خواجہ محمد لطیف صاحب انصاری (موگا کالج)	۳	۰
۱۰	سر ہرام جی جی جی بھائی (بمبئی)	۴	۰
۱۱	بابو راجندر پرشاد ایم اے ایم ایل ایل ایل ڈی سابق صدر آل انڈیا نیشنل کانگریس (پٹنہ)	۴	۰
۱۲	دستور کیسٹریو میاں رکتور چٹوڑا اے اعظم فرقہ پارسی (بمبئی)	۴	۰
۱۳	مولانا اختر علی صاحب تلمری (شاہجہانپور)	۴	۰
۱۴	ہزبانس ایڈیٹر ہانس محمد عثمان علی خاں نظام حیدر آباد دکن	۵	۰
۱۵	مصور فطرت خواجہ حسن نظامی (دہلی)	۵	۰
۱۶	ہزبانس ہمارا جہانگر آف انور	۵	۰
۱۷	ہمانا گاندھی (دارودھا)	۶	۰
۱۸	مشر براؤن (مصنف تاریخ ادبیات ایران)	۶	۰
۱۹	سر دادا کرشن داس چاندر چندریو غودیشی بنارس	۶	۰

(سی)

عزیز بنام

شمار	نام	تعداد	نوع
۲۰	سرفردک جیس گود	۶	۰
۲۱	سرفا شیل خانی (مصنف میرزا بنی)	۶	۰
۲۲	ڈاکٹر رادھا کر جی صدر شعبہ تاجک نکتہ یونیورسٹی	۶	۰
۲۳	بشیر بی جی کھیر سابق وزیر اعظم (بہی)	۷	۰
۲۴	سرفا محمد عبدالحماد صاحب برابری	۷	۰
۲۵	سرفا سید آغا محمدی صاحب رضوی زکھنی	۷	۰
۲۶	کیشن این ایچ نٹ بے بی	۸	۰
۲۷	جیشن مرشا محمد سلطان	۸	۰
۲۸	ماتاشانی پرکاش صدر شری رام تیرہ پبلیکیشن گیک نکتہ	۸	۰
۲۹	ہزارا من ملراجی جی راؤ سیندھیا آف گوالیار	۹	۰
۳۰	سکرٹری سید داؤد جینی یادگار کیٹی لکرام (مصنف جین مینی)	۱۱	۰
۳۱	سید ارشد حسین صاحب ادھر بی ایس ایل ایل بی - رائے بریلی	۱۱	۰
۳۲	پروفیسر رگھو جی مہاسے فرائی گورکھ پوری (الہ آباد یونیورسٹی)	۱۲	۰
۳۳	ڈاکٹر راجندر ناتھ ٹیگور (رشتائی نگیش)	۱۴	۰
۳۴	ڈاکٹر حسین صاحب فاضل بی ایس (بہی)	۱۴	۰
۳۵	سید مہدی حسین صاحب کھوئی ایڈیٹر مسلم ریویو نکتہ (سیوان)	۱۴	۰
۳۶	سید ذاب علی صاحب صغیر منڈلوی	۱۴	۰
۳۷	آرتھل ڈاکٹر سر سید سلطان احمد (پٹنہ)	۱۵	۰
۳۸	منشی پریم چند ودا	۱۵	۰
۳۹	مشرک ایل ریلا رام (لاہور)	۱۵	۰
۴۰	ذاب محمد ظہیر الدین خان بادر امیر پاکہ حیدر آباد دکن	۱۶	۰
۴۱	ڈاکٹر سوکدہ ہرجی (نکتہ یونیورسٹی)	۱۶	۰
۴۲	سید محمود حسین صاحب نجم امروہوی	۱۷	۰
۴۳	پٹنہ جملہ رال نمو سابق صدر آل انڈیا نیشنل کانگریس	۱۸	۰

(۱۹)

شہیدانیت

شماره	نام	تعداد صفحہ	تعداد ورق
۴۴	آغا طاہر صاحب میرزا آزاد دہلوی	۱۹	۰
۴۵	مولانا میرزا محمد رفیع صاحب بزرگی پوری پرنسپل برادریہ کالج بنارس	۱۹	۰
۴۶	سید آل رضا صاحب رضا الیم و کیٹ لکھنؤ	۱۹	۰
۴۷	علامہ کبیر چریا کوٹلی (سلم پور شیعی علی گڑھ)	۲۰	۰
۴۸	سید سبط محمد صاحب نقوی	۰	۱
۴۹	میرزا سرد جینی نائیڈو (حیدر آباد دکن)	۳	۱
۵۰	ہزار کلفی مہاراجہ سرکشی پرشاد صاحب دستور عظیم حیدر آباد دکن	۶	۱
۵۱	مشرقی ایس رنگا ایر صاحب ایم، ایل، اے مشعل عداس	۷	۱
۵۲	مولانا سید مبارک علی صاحب عالم (آگرہ)	۸	۱
۵۳	پڑت برج ناتھ صاحب شرعائے دکیٹ (لکھنؤ)	۱۳	۱
۵۴	مولانا سید ابرار حسن صاحب رضوی جارجی ایم، اے۔ ایم، اے ایل لکھنؤ	۱۵	۱
۵۵	مولانا ابراہیم کلام آزاد صدر آل انڈیا نیشنل کانگریس	۱۶	۱
۵۶	سید نور شید حسین صاحب نقوی (کاپنور)	۶	۲
۵۷	سید احتشام حسین صاحب رضوی ناہلی ایم، اے (لکھنؤ پور شیعی)	۱۰	۲
۵۸	علامہ سید محسن امین عالمی (مفت اعیان الشیعہ) (دمشق)	۱۷	۲
۵۹	محبوبت بودھانندہ ماسنخور (لکھنؤ)	۱۸	۳
۶۰	سید غضنفر علی صاحب زیدی (مفت دور استبداد)	۲۰	۳
۶۱	سید ریاض علی صاحب ریاض بناری (مفت شہید اعظم)	۲۲	۲
۶۲	شاعر انقلاب شبیر حسن خاں جوش ملیح آبادی	۱	۳
۶۳	مولانا سید ظفر حسن صاحب امرہ پوری (مراد آباد)	۲	۴
۶۴	مولانا عینی شاہ صاحب نظامی (حیدر آباد دکن)	۸	۳
۶۵	سید سعید حسن صاحب رضوی ادیب ایم، اے (صدر شعبہ فارسی و اردو لکھنؤ یونیورسٹی)	۱۷	۳
۶۶	مرزا محمد عسکری صاحب بی، اے (لکھنؤ)	۱۸	۲
۶۷	علامہ سید بہشتی الدینی شہرستانی (مفت حضرت الحنین) بغداد	۱۸	۳

(1)

سوائے ناظم ادارہ کے ہر ایک شخص کا متول یا مضمون جہاں سے شروع ہوا ہے نشان عہدہ بنا کر فٹ نوٹ میں یا عبارت کے قبل اصل کتاب ہی میں اس شخص کا نام درج ہے اور جتنی عبارت "طرفہ داوین" (۱۰) کے درمیان ہے وہ اسی شخص کی ہے جو اجزاء اس طرح کے نشان اور داوین کے باہر ہیں انہیں ناظم ادارہ کے قلم کا سمجھنا چاہیے۔ والسلام

على نفق السوي

تاظم مرکزی و تاظم شعب تصنیف یا اواخر سنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَبِهِ تَعِیْنِ

دِیَاسِیہ

دنیا میں کوئی ایسا نہ ہوگا جس نے "عرب" کا نام نہ سنا ہو۔ "عرب" ایک بڑا ساحری ملک ہے جو ایشیا کی مغربی سرحد پر واقع ہے اور جس کے ساحل پر دریائے آفریقہ بہا رہا ہے۔ "عرب" میں قریش کا قبیلہ نسبِ شرافت کے اعتبار سے نہایت ممتاز تھا جس شخص نے اس خاندان کو قریش کے لقب سے ممتاز کیا وہ نصر بن کنانہ تھے۔ نصر کے جد فہر اور فہر کے بعد قصی بن کلاب نے بڑی عزت اور بلندیِ حاصل کی قصی کے فرزندوں میں عبد مناف کو کعبہ کی تولیت اور قریش کی ریاست حاصل ہوئی۔ وہی کعبہ جس کے پاس آج تمام دنیا کے مسلمان حج کے لیے جاتے ہیں۔ یہ سلام سے مدتوں پہلے بھی عرب کا سب سے بڑا عبادت خانہ اور مذہبیت اور تقدس کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اس کی تولیت اور مجاہدی ایک بہت بڑا منصب تھا جس میں خاندان سے مخصوص تھا۔ اس کے علاوہ سفالت، کرم، خدشت خلق اور انسانیت کے تمام اچھے اخلاق و اوصاف میں یہ لوگ نمایاں درجہ رکھتے تھے۔

عبد مناف کے فرزندوں میں ہاشم بڑے صاحبِ صولت اور با اثر تھے اگرچہ ان کے بھائیوں میں عبد شمس کا بھی شمار تھا مگر اپنے باپ کے اوصاف و مراتب کی پوری شان ہاشم ہی میں نظر آتی تھی اس لیے وہ تمام امتیازات جو عبد مناف کو حاصل تھے وہ ان کے بعد ہاشم کے لیے تسلیم کئے گئے۔ امتیہ جو اپنے کو عبد شمس کا بیٹا کہتا تھا اُس نے ہاشم کا مقابلہ کرنا چاہا اور کوشش کی کہ عزت اور سرداری کا تاج حضرت ہاشم کے سر سے اتارے مگر نتیجہ میں ناکامی اور رسولی آمدنی

۳

تہذیب انسانیت

محافل کی جگہ کے شعبے حسرت اور بے چارگی کے ساتھ قحطی طور پر پیش کیے گئے مگر دل میں حسد اور عداوت کی چمک ریاں ٹٹکنے کے لیے وگین۔ بنی ہاشم اور بنی امیہ کے اختلافات کی ابتداء یہیں سے ہے۔ ہاشم کے بعد ان کے بیٹے عبدالمطلب خاندان کعبہ کے مجاور ہوئے اور اس خدمت سے عظمت حاصل کرنے کے علاوہ اپنے بلند انسانی اوصاف کی بدولت عام ہر و عنز نبوی حاصل کی۔

عبدالمطلب کے وٹس بیٹے تھے جن میں سے ایک عبد اللہ اور ایک ابوطالب تھے۔

عبد اللہ کے فرزند حضرت محمدؐ وہ عظیم المرتبت انسان ہوئے جس نے کلمہ کو حید اور دین کو سلام کا پیغام پورے دنیا اور اپنی پیغمبری کا اعلان کر کے ثبتِ حقیقی کی مخالفت کی۔

ابوطالب کے فرزند علیؑ تھے جنہوں نے اس کو انداز پر لبیک کہی اور دست و بازو میں کربلا کی اشاعت میں حضرت محمدؐ کا ساتھ دیا۔

دس مروج پر بنی امیہ کو اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر کہیں لوگوں نے حضرت محمدؐ کو خدا کا رسول اور ان کے دین کو مذہب حق تسلیم کر لیا تو بنی ہاشم کے مذہبی اقتدار کے سامنے ہمارا چراغ ہمیشہ کے لیے گلی ہو جائے گا اگرچہ حضرت محمدؐ کی تعلیم براہِ راست کسی خاندان کی بلندی اور کسی خاندان کی پستی کی حمایت نہیں کرتی تھی مگر آپؐ کی تعلیم میں بلندی اور عزت کا جو معیار قرار دیا گیا تھا وہ صرف کربلا کی خوبی اور فرائض انسانی کی بجا آوری تھی۔ اس معیار پر بنی امیہ کے اکثر افراد پورے نہ اترتے تھے اور اس طرح ان کے اقتدار کو سخت صدمہ پہنچتا تھا چنانچہ امیہ کے پوتے ابوسفیانؑ نے محمدؐ کی تعلیم کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ عرب کے تاریخِ عقیدہ بت پرست اس علم کے نیچے جمع ہو گئے اور حضرت محمدؐ کو سنے اور تبلیغِ اسلام میں روڑے لگانے لگے۔ پہلے تو آپؐ میں اور سختیاں جھپٹتے رہے مگر جب ان لوگوں نے ایسا کر کے آپؐ کو قتل کر دینے کا فیصلہ کر لیا تو مجبوراً آپؐ اپنے وطن مکہ کو چھوڑ کر مدینہ میں جا رہے جہاں کے لوگوں نے آپؐ کی تعلیم کو قبول کیا تھا اور آپؐ کی امداد کا اقرار کیا تھا اسی واقعہ کو ”حجرت“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اسی ہجرت کے واقعہ سے مسلمانوں کا سینہ ہجری کا مطلب کیا جاتا ہے جن کو اب کی اپریل ۶۱۰ء میں تیسرا سو اسیٹھ برس ہوئے ہیں۔

مذہب نے ہجرت کے بعد بھی آپؐ کو حین سے ٹھینے نہ دیا اور کئی مرتبہ چڑھائی کر کے آپؐ کو قتل کرنے آئے۔ مجبوراً آپؐ کو کئی لڑائیاں لڑنا پڑی جن میں بعددِ احد اور ہزآب

شہید انسانیت

۵

ان کے ان اہل خانہ میں ان میں مخالف جماعت کا سرگروہ وہی ابوالحسن فیاض تھا جو حزب بن امیہ کا بڑا مخالف تھا ان تمام لڑائیوں میں ابوالحسن فیاض کو ہر مرتبہ شکست ہوئی اور مہلت نمبر کے پیروں کی تعداد اور ان کی طاقت برابر بڑھتی رہی۔ آخر غریب امیہ کی قوت باطل ٹوٹ گئی اب اپنی کمزوری کو چھپانے کے لیے انھوں نے بھی قبولِ اسلام کی نقاب ڈال لی اسلئے موقع کے منتظر رہنے لگے کہ کب اسلام کی طاقت ذرا کمزور ہو اور کب انھیں اپنے گئے ہوئے اقتدار کو واپس لانے کا موقع ملے۔

حضرت محمدؐ کی زندگی میں ان کی اس آرزو کے پورا ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا مگر اس کے محسوس ہونے ہی عرصہ کے بعد حضرت کی وفات ہو گئی۔ اس بڑے حادثے نے مسلمانوں کے نظام میں بہت تبدیلی پیدا کی۔ بہت سے لوگ مختلف اطراف میں جو ہیں برقع کے منتظر تھے انھوں نے سراوٹا کیا اور کھڑا ہو کر خلافتِ نبوات کا علم بلند کیا کچھ آدمیوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینا بند کر دی مسلمان ان شور و شغب کے دبانے میں لگ گئے اور بہت خشکیوں سے اس میں کامیاب ہوئے۔ اسی زمانہ میں آدم اور فارس کے بڑے ممالک کے مسلمانوں کو ججگن پیش ہو گئی۔ یہی پڑا شریعت اور فقہی و درود تھا جس کے سیاسی حالات سے فائدہ اٹھا کر بنی امیہ کو دمشق میں اپنی حکومت قائم کرا لینے کا موقع مل گیا۔ یہ حکومت شروع میں صرف ایک موبعدہ یا گورنری حیثیت پر مبنی گورنرہ وقتوں کے اقتدار اور قدرت میں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ آخر میں اس نے خود مختار حکومت کی حیثیت حاصل کی ان لوگوں نے شام کے ملک میں اپنا قبضہ جاتے ہی حضرت محمدؐ کے رائج کئے ہوئے طریقوں کو اور اسلام کی پھیلائی ہوئی مساوات کو ٹٹا شروع کر دیا اور آخر میں تو یہ حالت ہوئی کہ احکام اسلام کی مخالفت مخالفت ہوئے لگی اور تختِ حکومت کا ورثہ دار ابو سفیان کا پوتا یزید بن معاویہ قرار پایا جو بڑا ہی شرکوار اور بدکردار اور ایسے اخلاقی جرائم کا منکب تھا جن کا ذکر وہی متذہب ہوشیار انسان کے خلاف ہے۔

حضرت محمدؐ کے نجسین اور ان کی اولاد اس کو بدداشت نہیں کر سکتے تھے چنانچہ حضرت علیؑ کا آخری زمانہ ہی گروہ سے مقابلہ میں صرف ہوا اتحادِ عصوت علیؑ کے بعد ان کے بڑے بیٹے حضرت حسنؑ نے کچھ شرائط کے ساتھ ان لوگوں سے صلح کی مگر ان شرائط کی پابندی نہیں کی گئی اور خفیہ طور پر زہر دیا۔ ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اب پیغمبر کے خاندان میں ہمدردی اور جانگاہی

غیر اسلامیت

۶

پرتگی جو حضرت محمدؐ کے دوسرے نواسے اور علیؑ کے چھوٹے بیٹے تھے۔

یہ یزید نے حکومت کے فرائض میں اپنی خواہشوں کے پورا کرنے کے لیے اسلام کے اصولوں کی مخالفت کی۔ خدائے شریعہ کو ہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یزید کے من بھائے رسولؐ و اسلام کے اصول کچھ جانے لگے اور لوگوں کے دلوں میں خدا کے خوف کے بدلے یزید کا ڈر سا گیا، دنیا یزید کی طرف جھک پڑی۔ اتنی بڑی حکومت کے بعد یزید کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اس دنیا میں مجھے کوئی ٹوکنے والا نہ ہو۔ پھر کیا تھا یزید کی نگاہ بغیر کسی خیال کے حسینؑ کی طرف اٹھ گئی اور یہ مشورے ہونے لگے کہ ہمیں طرح مکن جو حسینؑ یزید کی بیعت کر لیں۔ یزید طاقتور تھا اور خوب جانتا تھا کہ اسلام کے وہ اصول جو رسولؐ اسلام نے دین اور دنیا کی کامیابی کے لیے مقرر کئے تھے ان کا حقیقی محافظ رسولؐ کے نواسے کے سوا کوئی نہیں ہے۔ ایک نہ ایک دن ایسا ہونا ممکن ہے کہ سچائی کی آواز پر دنیا سمٹ آئے اور اپنا بنایا ہوا گھر و نوازین پر آکر ہے۔ اس لیے یزید کو ضرورت ہوئی کہ حسینؑ کو اپنا فرماں بردار بنالیا جائے تاکہ دنیا یہ سمجھ سکے کہ جب رسولؐ کے نواسے نے یزید کو قابل بیعت سمجھ لیا ہے تو یزید سچائی پر ہے۔ اس طرح وہ نتج جو حضرت محمدؐ یا ان کے دین (اسلام) کو نبی امیہ کے خلاف حاصل ہوئی تھی آئینی طور پر شکست میں تبدیل ہو جاتی اور یزید کے بزرگوں کی شکست کا بدلہ لے لیا جاتا۔

حسینؑ ایسے بے نفس انسان تھے کہ اگر صرف شخصی اقتدار کا معاملہ ہوتا تو وہ اس پر تیار ہو جاتے کہ یزید کی سلطنت کو منظور کر لیں مگر وہ یزید کے افعال و اوصاف کو دیکھ رہے تھے جو صاف صاف انہیں اسلام سے اعلان جنگ کے مرادف تھے حسینؑ نے صاف الفاظ میں انکار کر دیا کہ میں بیعت نہیں کروں گا۔

یزید حسینؑ کے عزم و ارادہ کی پوری طاقت سے واقف نہ تھا اس لئے اس نے تشدد کے احکام جاری کئے۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس طرح حسینؑ کا سر جھکا لیا جائے گا مگر جتنا جتنا یزید کی حکومت کا تشدد بڑھا گیا اتنا حسینؑ کے مسکرتہ قلال میں اضافہ ہوتا گیا اور وہ ہر مصیبت کے بردبار

شہید السانیت

۸

یا بعض دیگر مقامات سے آپ کے پورے بچے کی خبر سن کر کسی طرح آپ تک پہنچ گئے تھے اُن کی انفراد و قسوس سے بھی کم تھی۔

آپ اپنے وظیفہ منصبی اور فرض انسانی کی بنا پر امن و امان کے محافظ تھے اس لیے آپ نے یزیدی فوج کے انصار عمر بن سعد کے سامنے ایسی صورتیں پیش کیں کہ معاملات رو بہ ہولان ہو جائیں اور جنگ کی نوبت نہ آئے۔ آپ کا طریقہ کار اتنا سنبھلا ہوا تھا کہ عمر بن سعد اسٹاپ کاؤٹل لگ گیا کہ حسین صلح کے راستے پر گامزن ہیں عمر سعد نے کوفہ کے حاکم ابن زیاد کو اس ضمن میں کاغذ بھی بھیجا مگر ابن زیاد کو حکومت کا غرور اور سلطنت کا نشہ تھا اُس نے حسینؑ کو پہچانا بھی نہ تھا کہ وہ شہید نکلا کو کہاں تک بروقت کر سکتے ہیں۔ اُس نے آپ کی صلح پسندی کو کمزوری کا نتیجہ خیال کیا اس لیے اس نے کہا کہ حسینؑ کو یزید کی بیعت کر لینا چاہیے تب اُن کی جان بچ سکتی ہے یہ وہ بات تھی جسے حسینؑ نے کر چکے تھے کہ ممکن ہے۔ انھیں بیعت کرنا ہوتی تو پہلے ہی دن کیوں نہ کرتے۔ اب خطرہ کو سامنے دیکھ کر وہ اس بیعت پر تیار ہو جاتے تو وہ ایک کمزور نفس اور ضمیر کے انسان ثابت ہوتے اور وہ حسینؑ نہ ہوتے کوئی اور شخص ہوسکتا تھا۔

آپ کے سامنے فوجوں کا سمندر لہریں مار رہا تھا۔ آپ کے گرد و پیش ویرانی اور بربادی کے سوا کچھ اور نظر نہ آتا تھا۔ آپ کے عزیزوں، بھائیوں، بھتیجوں اور اولاد کے خوبصورت چہرے آپ کے سامنے تھے اور آپ کے ساتھ پردہ دار عورتیں تھیں اور چھوٹے بچے بھی موجود تھے۔ دریا پر فوج کا پہرہ بٹھایا گیا تھا اور ایک قطرہ پانی کا حسینؑ اور اُن کے ساتھیوں تک پہنچنا ممکن نہ تھا۔ چھوٹے بچے پیاس کی شدت سے بیابان و مضطرب نظر آ رہے تھے مگر طاقت کی تمام نشانیں اور اذیت رسانی کی تمام صورتیں امام حسینؑ کو مجبور نہ کر سکیں کہ ایک فاسق و فاجر بادشاہ کو اپنا دینی پیشوا تسلیم کر لیں۔

آپ کا ارادہ پہلے ہی سے مضبوط تھا مگر عملی طور پر جتنے شکلات بڑھتے جاتے تھے آپ کی تہمت میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ آپ نے آخری بار پھر قطعی طور پر جواب دیدیا کہ میں بیعت نہیں کروں گا۔ فوجیں محرم کی شام تھی جہاں بڑے لشکر نے آپ پر حملہ بھی کروا دیا مگر آپ نے ایک شب کی مہلت لے لی آپ چاہتے تھے کہ اپنے ساتھیوں کو آخری بار سونچے کا موقع دیدیں کہ وہ اگر آپ کا ساتھ چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں تو چلے جائیں۔ آپ نے اُن ساتھیوں کو جمع کر کے صاف طور پر بتلادیا کہ کل آپ کا

۹

شہید انسانیت

زندگی کا آخری دھماکا ہے۔ میں تم سے اپنا جیوت کی ذمہ داری چٹا کر دیتا ہوں تم میری زندگی کے
پروے میں جدوجہد جو پہلے جاؤ گراؤں کا نوازوں کے اس سوچے سے قائم نہیں تھا چاہا پہلے
کے ایک زبان ہو کر آکر تم آپ کا ساتھ لگے گی نہ چھوڑے گی ان لوگوں کے جو کہ تمہاری کردہ کیا۔

۵۔ ان میں چند ضعیف ثابت۔ کچھ دوسرے کے اور چند معقول ہونگے بھی شامل تھے مگر اس
مکتب جماعت میں ایک غریبی اسی شے تھی جس کے سبب کارناموں کے عینی قربانی کی عظمت اور قرب
وصال نہ کیا جو سب حالت کی غلبہ کو گرائی اور امام حسینؑ اپنے ارادہ پر قائم رہے تو غریبی
شکر میں کی تعداد کم سے کم عین شہر قربانی چلتی جو سیدان کریم صفت آرا ہو گیا کہ ایک سب سے
کے پیار کو ظلم و جبر کی آندھیلوں سے مشر لڑاں روئے بلبل جنگ دہکتے لگے امام حسینؑ کا سر لپٹے
کی تیار رہیں ہونے لگیں۔ اتنے بڑے لشکر کا سامنا ہے جو کہ پیاس کی شدت سے کسی کے دم میں نہیں
اپنی اور دیرین ہمتیوں کی موت۔ گھر کی تباہی۔ تاجوں کی سپر کے مسخر آکھوں کے سامنے
ہیں۔ مگر امام حسینؑ کی فرض کشائی، اہول پروری، ایسا اور جرات کا کیا کہاں کی پکی جبین استقلال
پر اب بھی شکر نہیں؟

۶۔ شہید عمر کو صحیح سے دوسرے جنگ میں کے جاں باز ساتھی جو اپنے غاندیائی حقوق نہ رکھتے تھے
براہ راست جاتیں حسینؑ اور ان کے اہل کی خاطر قربان کر کے رہے۔ جب مددگاروں میں کوئی بقی
نہ رہا تو حسینؑ اور ان کے عزیزوں کی ذہنی تھی۔ اب بہت آسان تھا کہ آپ خود آگے بڑھ کر
اپنا سر پیش کر دیں مگر آپ کو اپنی قوت برداشت کا چہرہ امتحان دینا تھا اب غریب کا آپ سے
جہاد ہونے لگا۔ ان میں سے کس کو آپ پہلے موت کے منہ میں جانے کی اجازت دیتے۔ ہاں سب
سے پہلے آپ اپنے اپنے جوان بے علی گبر کر جو شبیہ پیڑ بھی تھا سونے کے لیے مجید یا مان خمیر میں
نہیں اور آپ خمیر کے درد دوسے پر اور ان کا چاند قرع دشمن کی گستاخی چپا تھا آپ نے دیکھا
اور ان کے من بگاڑ علی گبر لڑاؤں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے مگر صبر و سکون میں فرق نہیں آیا
اور اس قربانی کے لیے پہلے سے تیار تھے۔ یہ کچھ اور نہیں تھے کہ انکی اسکیم کا ایک بڑا حصہ

۷۔ سب سے پہلے جو صاحب زندگی اور حب الہی، اسے لکھ کر دیکھو

پانچھیل کو پہنچ گیا۔ اس کے بعد دوسرے عزیز بھی ایک ایک کر کے رخصت ہوئے اور موت کی
 نیند سو گئے۔ بے آخر میں آپ کے جانناز بھائی عباس آپ رخصت ہوئے۔ یہ فوج کے علمدار
 تھے جن کے قتل ہونے سے حسینؑ کی کمر ٹوٹ گئی مگر آپ کی ہمت شکستہ نہیں ہوئی آپ کے پاس
 اب کوئی سرمایہ بچائی کی بارگاہ میں نذر دینے کے لیے نہ تھا مگر سب آخر میں آپ نے ایک وہ
 صندوق یہ پیش کر دیا جس پر کسی شریعت اور قانون کی رو سے مجرم ہونے کا الزام نہ آسکتا تھا
 وہ شیر خوار بچہ جو اپنی ماں کی گود میں پیاس سے سسکیاں لے رہا تھا حسینؑ نے اس کی
 حالت دیکھی اور اپنے ہاتھوں پر بلند کیا۔ یہ تھا حسینؑ کا سب سے آخری ذریعہ۔ انسانیت کے ہاتھ
 پیروں میں رزہ ڈھک گیا اور رحم و کرم کی دنیا میں اندھیرا بھا گیا جب شمن فوج کے ایک سپاہی
 نے شیر خوار بچہ کو ان کی گود میں ڈال دیا اور بچہ کی گردن کو نشانہ بنالیا حسینؑ کا یہ آخری تحفہ بھی قبول ہو گیا
 اب کیا تھا؟ حسینؑ کو حق کی حمایت میں جہاد کا فرض انجام دینا تھا اور اپنی جان کی قربانی پیش کرنا
 تھی۔ آپ نے اپنی شکستگی اور بے کسی کے عالم میں تلوار نیام سے نکالی اور جتنی کسی انسان میں طاقت ہوتی
 ہو اس جنگ انتہائی شدید مقابلہ کیا وہ مقابلہ جو تاریخ عالم میں یادگار ہے۔ مگر کہاں ایک انسانی
 جسم اور کہاں فولادی تلواروں کا سیلاب! جسم نہ خوں سے چور ہو گیا، گھوڑے سے زمین پر گرے
 اور وہ مرحلہ جو آپ کے لیے پہلے ہی آسان تھا آسان ہو گیا۔ آپ کا سر قلم کیا گیا اور نیرے پر بلند
 کیا گیا۔ شہیدوں کی لاشیں گھوڑوں سے پامال کی گئیں۔ مال و سبب لوٹا گیا۔ پر دہائیں عورتوں
 کے سروں سے چادریں ہٹ آتاں گئیں۔ بیروں میں آگ لگا دی گئی۔ مردوں میں ایک فرزند حسینؑ
 زین العابدین زندہ بچے تھے جو بیاری کے عالم میں تھے انھیں طوق و زنجیر بھائیایا گیا اور عرب
 کے شریف ترین خاندان کی غیرت مند بی بیوں میں بانہد کر قیدی بنائی گئیں اور انھیں
 مدینہ بھرا دیا گیا۔

یہ وہ نہایت تاریخی کام ہے بڑا حادثہ جو واقعہ کر ملا، اس کے نام سے مشہور ہے۔

یوں تو عالم کا ہر واقعہ اپنے کل وقوع کے اعتبار سے کسی خاص جگہ کسی خاص قوم کی خاص
 ملک سے تعلق جتنا ہو اور اس کا علاقہ جو علاقہ کی سرزمین، عرب کے ملک، اپنی اہم
 کی دلیل انسان کی جامعیت سے تعلق رکھتا ہو مگر واقعات میں ہمہ گیری اور دوست پیدا ہو جائے

دوسرا امر یہ ہے کہ حضرت امام حسین کی مظلومیت صرف ایک بے بسی کی طرح کی مظلومیت نہ تھی جس طرح کسی شخص پر اکیلے جمل میں ڈاکو سلا کر دیں اور اُس کے مال و اسباب کو لوٹ لیں یا اُسے قتل کر ڈالیں۔ مظلوم یہ بھی ہے اور پھر وہی اس کے ساتھ بھی ہوگی۔ مگر یہ مظلومیت غیر اختیار کی طور پر ہے اس کے ساتھ کوئی عمل ایسا شریک نہیں ہے جو اخلاق کے نقطہ نظر سے قابل مدح ہو۔ حضرت امام حسین کی مظلومیت اس نوع کی نہیں ہے۔ آپ نے ایک مسلک حق کی حمایت اور ایک صیغہ اہل کی حفاظت کے لیے اُن تمام مصائب کو برداشت کیا۔ اس کا نام قربانی ہے۔ یوں تو قربانی کے بہت سے اقسام ہو سکتے ہیں مگر سب میں بلند جان کی قربانی ہے اور اگر اس فرض کے عالم ہونے پر کوئی اس منزل میں ثابت قدم نظر آئے تو تمام افراد انسانی کی عزت و احترام کا مرکز ہوگا اور جس قدر مقصد عزت دار اور شریف ہوگا اتنی ہی قربانی اہم اور قابل عزت ہوگی۔ کر بلا کی سرزمین پر حضرت حسین بن علیؑ نے جو قربانی پیش کی وہ انسانیت کی تاریخ کا ایک بیشمار کا نامہ ہے۔ مساوات، مساوی اور حق پسندی کی بنیادیں منتر نزل ہو رہی تھیں اور طاقت و اقتدار انسانی آزادی کا سرکھل کر اپنی غلامی کا اقرار لے رہا تھا اُن وقت حسینؑ نے اپنے گواہوں پر عزیمت بلکہ یقین تک کو تلواردوں سے محو کر کے جبر و استبداد کو کاہی ضرب لگائی اور ثباتِ استقامت، ضبط و صبر، ایثار و قربانی، حق پسندی اور رست گردی کا بلند نمونہ پیش کیا۔ اس لحاظ سے حسینؑ کسی قوم اور مذہب کے مخصوص نہیں ہیں حسینؑ تمام دنیا کے انسانیت کے ہیں انھوں نے وہ کام کیا جس نے نئے ہوئے انسانیت کے نقوش کو ابھار دیا۔ جس نے دم توڑتی ہوئی انسانیت کو نئے سرے سے زندہ کر دیا۔ جس نے انسانیت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو ساحلِ مراد تک پہنچا دیا۔ انھوں نے اپنی جان دے کر دنیا کے انسانیت کو وہ پیغام دیا جو زندہ ہو اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ انھوں نے دنیا کو سچائی اور رست بازی کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ کرنا یا اور کس حدت کے سخی سمجھائے جس میں زندگی کی حقیقت مضمر ہے اس لیے تمام اقوام عالم جو قربانی کا عزت کرتے ہیں مجبور ہیں کہ حضرت امام حسینؑ کو انتہائی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھیں۔ تیسرا امر یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ کا مقصد اپنی قربانی سے کوئی ایسا امر نہ تھا جو مختلف غائب کے نقطہ نظر سے عمل اختلاف ہو۔ انسانی اوصاف و اخلاق کی منزل وہ ہے جہاں تمام

عمر ایسے تھے جو جانتے ہیں۔ تمام قضاہ آپ کی اہل اساس میں ہی ان کی عبادت کا تمام ہوا ہے
 اخلاق انسانی کو نقطہ ارتقا تک پہنچانے کے لئے جو کچھ کرنا ہے ان کے اخلاق سے کچھ کام میں نہیں
 ہوتا ہے اور ان کے لئے کہ بعض خدا کے رسول ہیں بعد کا آئے دانی خدایاں بھی سے کچھ نہایت
 یا کی ہو گئی ہو مگر اہل گور سب کا تہذیب اخلاق اور عبادت ہے۔ حضرت امام حسینؑ کے مقصد
 اسی وقت کا تھا۔ یقیناً حضرت امام حسینؑ کی شہادت سے اس آپ کا اقدام عالم انسانی و دوسرے
 مذہب کے افراد کے اخلاق پر ہوا ہوتا یعنی کوئی غیر مسلم عبادت آپ کے سامنے نہ تھی تو چاہے کتنی ہی عبادت
 آپ کے مشن کی تھی اور آپ کو کتنی ہی فطرت و عبادت کے ساتھ نہ تھی کیا گیا ہو تا مگر وہ مذہبی عبادت
 جس کے اخلاق آپ کا اقدام ہوا تھا اور جس کے باطن آپ کو یہ نظام ہدایت کراہتے
 کسی حد تک آپ کے نام اور آپ کے کام سے ہمارے خاصیت ضرور محسوس کرتی ہیں اس لیے وہ اہل گور کے
 ساتھ ہمدردی میں غوریت پیدا نہ تھی لیکن حضرت امام حسینؑ کی قربانی سے ہی عبادت کسی ایک
 مذہب کو مٹانے اور دوسرے مذہب کو قائم کرنے کے لیے نہیں تھی بلکہ ایک ہی مذہب کو مٹانے
 میں ہر ایک کو مٹانے اور اچھا نہیں کے قائم کرنے کے لیے تھی اور جو کچھ برائی اور اچھائی
 حدود مذہب و ملت سے بالاتر ہے۔ ہر مذہب والوں کے نزدیک برائیاں مٹانے کے قابل تھیں
 اچھا نہیں قائم کرنے کی تھی ہیں اس لیے ہر مذہب کے لوگوں کو حسینؑ کے مقصد سے اتفاق ہوگا
 اور وہ آپ کی قربانی کو قدر و منزلت کا حامل سمجھیں گے۔

عصہ "جہاں کہیں گروہ انسانی کے افعال کا محرک غیاثانہ خیالی اور شرفیاء جوش ہوگا
 جہاں کہیں وہ عظیم المرتبت اور پندہ افعال کی تحسین کریں گے جہاں کہیں وہ ایسی تحریکات کی
 سادہ نہ کریں گے جن کا مقصد انسانوں کو ظلم و جبر سے انصافی اور خود چوٹی کی زنجیروں سے آزاد
 کرنا ہوگا جہاں حسینؑ کو لوگ قائد عظیم تسلیم کریں گے کہ کچھ کی دوسرے سے ایسی وضاحت کے ساتھ
 اور اتنے تیرے خیر و برہم اس امر کو عمل کر کے نہیں کیا کہ انسان حقیقی عظمت اور انسانی حیات میں
 قابل کر لیتا ہو جیکہ وہ کسی اچھے اصول سے اپنی زندگی کو تقد کر لیتا ہو اور انسانی خدمت میں

۱۴

ضمیمہ مندرجہ

اپنی ذات کو محو کر دیتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے ناپسند ٹھکڑے ہو گا اگر وہ حسینؑ کو صرف اپنے لیے مخصوص کر لیں کیونکہ وہ ان اخلاقی اور روحانی قوتوں کے منظر ہیں جن کا تعلق اپنے اثر امد و مست کے لحاظ سے تمام اقوام و مذہب عالم سے ہے۔ دنیا کی مختلف اقوام میں مخالفت و مخالفت اثر کے بہت کثیر سبب موجود ہیں جن کا کم کرنا بلکہ دور کرنا صحیح سیاست کا اقتضا ہونا چاہئے۔ اس پسندیدہ کشمکش میں ان تمام کامیابیوں کو جو انسانوں کو کسی بڑے معیار تک پہنچنے میں مددگار کی ہو سکتی ہے جو یک و تہید سمجھنا چاہئے جس کے ذریعہ سے تمام گروہ انسان ایک خاندان کے آدمی معلوم ہوتے ہیں کیونکہ وہ ایک زبان ہو کر عظمت انسانی کے بلند جذبات کو متحرک کرتے ہیں اور اس معراج کمال کی طرف صریح اشارہ کرتے ہیں جہاں تک انسان رسائی کی قدرت رکھتا ہے ہر مذہب کے سبب مل کر بلا لحاظ اس امر کے کہ ہم کس قوم و قبیلہ و مذہب سے تعلق رکھتے ہیں حسینؑ کی قدر و قیمت سمجھیں اور ان کی عزت کریں۔ کیونکہ انھوں نے انسان کو خدا کا منظر علی ثابت کرنے میں ناقصانہ کامیابی حاصل کی۔

چوتھے حضرت امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے واقعہ کربلا کے آثار میں مختلف خلائق اور صفات کا ملکہ جو مثالیں پیش کی ہیں وہ عالمہ خلائق کے لیے ایک الٰہی درس مل رہی ہیں اس لیے تمام افراد بشر ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور ان سے سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ —

کارلائل نے لکھا ہے: "بہادورانہ کارنامے محض ایک قوم یا ایک ملک تک محدود نہیں رہتے بلکہ تمام انسانی برادری کی میراث اور ملکیت ہو جاتے ہیں۔ ان کی وجہ سے آنے والی نسلوں میں سلسلہ شجاعت و بہتقامت باقی رہتا ہے۔"

ان ہی تمام وجوہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا نے واقعہ کربلا کے ساتھ اپنے باہمی تفرقہ اور جدت کی شکست کے باوجود جدی محنت کا بڑا ڈھکیا اور اقوام عالم نے یکجا مل کر اس کی بہت کراہت کا اعتراف کیا اور صدیاں گزرنے کے ساتھ ان کی دلچسپی اس اہم حادثہ سے نہ صرف قائم رہی بلکہ مختلف اوقات میں اس میں اضافہ ہوتا رہا۔

اگر کوئی مسیحا مرقم کے زمانہ میں شرق اور غرب کی سیاحت کرے اور ہر مرتبہ مرقم کے پچھلے دن دن آگ آگ زمین کے حصوں پر گزارے تو وہ دیکھے گا کہ ہر جگہ اپنے اپنے

عسجد عنایت

۱۶

فطیم یاتہ طبقہ سے لیکر خانہ بدوش صحرائی اور پہاڑ کی رہنے والی غیر مستدن قوموں تک
 وہ جو حضرت امام حسینؑ کے بزرگوں کا نام نہیں جانتے حسینؑ کے نام سے واقف ہیں اور ان کے ساتھ عقیدت
 رکھتے ہیں۔ ۱۵ دودھ میں دیہات کی عورتیں ہندو مسلمان جن کو نہ جگہ و کیفیت ہے، نہ
 واقعات عالم سے باخبر ہیں۔ ان کی دنیا ان کے گناؤں ہیں، کھیت ہیں اور ان کے جانور ہیں
 لیکن شب عاشور کو نہایت دردناک لمحہ میں تھیں وہ دیہاتی زبان میں وہ ایسے جملے ادا کرتی ہیں
 جن کو وہ سمجھ سکتے ہیں جن کا مفہوم انتہائی دردناک ہوتا ہے مثلاً "اے فاطمہ بی بی کے
 بیٹے تمہارے ساتھ کیسی دعا کی گئی" تم کو مہمان بلایا اور پانی تک پیے کو نہ دیا۔ ظالموں نے بہن کے
 سامنے بھائی کو حلال کر دیا اور سرکٹ لیا۔ لے فاطمہ بی بی کے بیٹے۔ آپ تو اپنے بیٹے کو پانی پلانے
 لے گئے تھے، دشمنوں نے اُسے تیر مار دیا کیا جس بچہ کی ماں کا دودھ خشک ہو جائے اُس کی پیاس
 تیر سے بھرتی ہو" اس قسم کے بھرت دردناک بیانات ہیں جن کے متعلق یہ پتہ لگانا انتہائی دشوار ہے کہ
 ان کا رواج کب اور کیوں پھرا۔ اسی طرح پنجابی اور مقامی زبان میں بھی واقعات کر بلا ہنگامہ
 مؤثر اور دردناک الفاظ میں بیان کئے جاتے ہیں۔ یوں ہی پشتو۔ گنگو۔ کشمیری اور دوسری
 زبانوں میں۔

عرب کی مستدن دنیا کے مصنفین اور ایشیا کے اہل قلم اور بڑے آدمیوں نے متفقہ طور پر اپنی
 حدیث کا خزانہ حسینؑ کی بارگاہ میں پیش کیا ہے ان تصانیف میں جو تاریخ اسلام یا تاریخ عالم
 یا کسی ایسے موضوع پر لکھی ہیں جس کا کسی حیثیت سے واقعہ کر بلا کے ساتھ لگاؤ پیدا ہوتا ہو یا ان
 تقریروں میں جہاں حسینی کا نام کا تذکرہ آیا ہو یا ان سینا سول میں جو محرم کے موقع پر نشر کئے گئے ہیں
 بلکہ واکٹر سر سید سلطان احمد کی غفلتوں میں "اس حادثہ پر مؤرخین کا قلم خون کے آئینہ کا ہے"
 مشہور مصنف گین اپنی تاریخ "درد ال سلطنت روم" میں لکھتا ہے۔

وہ عبید ترین زمانوں اور عبید ترین اقلیموں میں حمی حسینؑ کی موت کے اندر ہواک مناظر
 ٹھنڈی سے ٹھنڈی طبیعت کے آدمی میں بھی ہمدردی کے شعلے پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

کس قصد ان کو طاقتور بنادے اور کتنی شرارت و تندیب ان میں پیدا کر رہا ہے، یہ حقیقت کہ لامتناہی اولیائے اس قربانی اور عظیم سامنے سے زبردست طریقہ پر اثر پذیر ہوتی آئی ہیں۔ خود یہ بات کا ثبوت ہو کہ یہ قربانی کس قدر لازوال قیمت رکھتی ہو؟

دوسرے پیغام میں جو آپ نے ہی ملت علیہم جن حسین ڈسے کیلئے پیش کر دیا ہے وہ اس شہادت میں ایک عالمگیر پیغام ہے۔ حضرت حسین علیہ السلام نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا مگر یہ عالم حکمران کے سامنے سر نہیں جھکا یا، انھوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ ہماری مدی قوت دشمنوں کی قوت کے مقابلہ میں کم ہو۔ ایمان کی قوت ان کے نزدیک سبک بھری قوت تھی جو ہر مادی قوت کو بیچ بکھیتی ہے۔ ہر فرقہ اور قوم کے لیے یہ قربانی فتح راہ ہدایت ہے۔

ہزائی نس مہاراجہ جیوا جی راؤ سندھیا اکٹ گوارا محمد علی علیہ السلام کے پیغام میں غلط نہیں۔ رسول اللہ کے پیارے نواسے حضرت امام حسینؑ نے ظالم کے مقابلہ کا پختہ ارادہ کر لیا تھا اور خود اللہ کے سامنے سر جھکانے پر تیار نہیں تھے۔ ان میں عقیدہ اور ضمیر کی جنگ تھی۔ اعلیٰ ترین مقاصد اور دنیا و آخرت کے نصب العین ان کے سامنے تھے اس لیے انھوں نے ایک بڑی اور طاقتور فوج کا وندناں شکن مقابلہ کیا وہ اندان کے ساتھی اس جنگ میں مارے گئے۔ دشمن کے ظلم و تعدی کا مقابلہ آپ نے خدا کے انصاف پر اعتماد رکھتے ہوئے اپنے آل و ارادہ، اپنی بندہ ہمت اور اس محکم عقیدہ سے کیا کہ چاہے اس وقت جو کچھ بھی ہو مگر آخر میں حق اور صداقت ہی کو فتح نصیب ہوگی۔ تاریخ اسلام کا یہ یادگار واقعہ عقائد کے ختم و اندلس رنگ اور مذہب کے تنگ نظریات سے بالاتر ہے اور اس قابل ہو کہ نسل انسانی اس کو اپنے دہل میں جاگزیں کر لے اور قربانیوں کی پرواہ کئے بغیر اسے غرض کی اہمیت کو سمجھ لے۔

ہزائی نس نواب صاحب خجڑہ اس مرتبہ پر اپنے پیغام میں لکھتے ہیں: "انسانی تاریخ کبھی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی جیسا کہ آج کے معائب کے مقابلہ میں حقانیت اور مذہب کی خاطر ہی خجڑوں قربانی پیش کی گئی ہو۔ بہت سے بلند پایہ مصنفین نے اس بے مثال قربانی کی عظمت اور اس کے فلسفہ پر بحثی ڈالی ہے مگر پھر بھی ابھی بہت کچھ باقی ہے۔"

ملت علیہم جن حسین کے عظیم الشان بین الاقوامی جلسہ میں سربراہ ام جی جی جی بھائی نے

بحیثیت صدرِ جماعتیں تقریر فرماتے ہوئے ارشاد کیا کہ "یہ ایک غیر معمولی واقعہ ہے کہ ایک طالبِ اسلامیہ کی صدارت ایک ہندو کے امداد کا سہہ قبول ایک پارسی کے سپرد کیا جائے کہ بحیثیت کوڑا چاہئے کیونکہ چیلڈرٹس مجتہد ایشیاءِ قرآنی کی یادگار بنائے سکے یہ مستعد کیا گیا ہو جس نے اپنی بے نظیر قرآنی اور ایشیاءِ قرآنی انسانیت پر زبردست جان کیا ہے؟

پیارے ہندو یونیورسٹی کے دانش پاشا سر اودھا کرشنن نے اس جلسہ کی صدارت فرماتے ہوئے اپنی تقریر میں ارشاد فرمایا کہ "اما حسین نے اپنی قربانیوں اور ایشیاءِ قرآنی سے دنیا پر یہ ثابت کر دیا میں حق و صداقت کو زندہ اور پائیدہ رکھنے کے لیے تمہارا دل اور قریبوں کے بجائے جانوں کی قربانی پیش کر کے کامیابی حاصل ہو سکتی ہو۔ انہوں نے دنیا کے سامنے ایک بے مثال نظیر پیش کی کہ آج ہم اس بہادر جان فدا کرنے والے اور انسانیت کو زندہ کرنے والے عظیم انسان انسان کی یادگار بناتے ہوئے اپنے دلوں میں فخر و مہابہات کا جذبہ محسوس کرتے ہیں۔ اما حسین نے ہمیں بتا دیا ہے کہ حق و صداقت کے لیے اپنا سب کچھ قربان کیا جاسکتا ہے؟

عینی کے سابق درویشِ عظیم میٹرینی جی کھیر نے تقریر فرماتے ہوئے کہا کہ اما حسین نے ہمیں جو سبق سکھایا ہے وہ ہماری زندگی کے لیے چراغِ کلام دیتا ہے۔ یہ آسان بات ہے کہ حق اور سچائی کے لیے اپنی جان و سعی جائے مگر یہ کام مشکل ہے کہ ہزاروں دشمنوں کے مقابلے میں ہندو گتے سچے ساتھیوں اور شہداءِ داروں کو ملے کر ان کا مقابلہ کیا جائے اور یکے بعد دیگرے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے دوستوں اور شہداءِ داروں کو قتل ہوتا ہوا اور گھروں کو تباہ ہوا اور بھوکا ہوا گھبراہٹوں میں تیرے۔ وہاں قبل جو سکھایا تھا وہ سچ ہے آج ہم اس کی تائید کر رہے ہیں۔ اما حسین صرف مسلمانوں ہی کے نہیں بلکہ ہندوؤں کے بھی ہیں اور ہندو مسلمان ان کا نقش قدم پر چل کر ظلم و ستم کے خلاف سینہ سپر ہو سکتے ہیں؟

بیل ہندو سرسوتی ٹائیڈ وٹے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "حضرت امام حسین نے آج سے تیرہ سو سال قبل دنیا کے سامنے جو پیغام اور اصول پیش کیا تھا وہ اتنا بے نظیر اور مکمل تھا کہ آج ہم اس کی یادگار بنا رہے ہیں۔ میرے پاس ایسے کوئی الفاظ نہیں اور نہ دنیا کی کوئی ایسی نصیحت دینے والی ہے کہ جس کے ذریعہ میں ان جذباتِ عقیدت کو بیان کر سکوں جو یہی شہداءِ عظیم

کینہ کا اور بے حد کھتے ہیں۔ اسی طرح دنیا نے اسلام اُس واقعہ کی یاد سنائی ہے جو نہایت ہی دردناک تھا اور تاریخ میں بے نظیر۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ جام شہادت پی کر اپنے اسلام کو صفحہ سب سے محو کر کے بچایا۔ (اس کے بعد اپنے مؤثر طور پر واقعہ کر بلا کا مختصر حال تحریر کیا ہے)

برسر کے ایل ریا رام ہندوستانی عیسائیوں کے بہت بڑے لیڈر ہیں۔ آپ نے ملتان جیل میں جیلر کے خطبہ صدارت میں فرمایا:۔ ”اس شخص کی زندگی پر میں کیا کہوں جو روئے زمین پر حق و صداقت کا علم بند کرنے والا پہلا فرد ہو، امام حسین کی شہادت کا واقعہ کسی ایک قوم سے متعلق نہیں ہے۔ امام اس وقت اپنی بلند سیرت کا اظہار فرما کر آنے والی قوموں کے سامنے ثبات و استیصال، صبر و سکون، اور حق پسندی کا ایک کامل نمونہ رکھ گئے ہیں تاکہ اُن کی قربانی کو سامنے رکھ کر ظالموں اور جفاکاروں کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں۔ کر بلا کے میدان میں امام حسین کی سٹیج کے وہ وہ جو ہر کھلے ہیں بن پر غور کر کے انسان سمجھتا بدشاہ رہ جاتا ہے۔ اس چودھویں صدی میں جبکہ دنیا انسانیت اور حق سے میکڑوں کوں وعدہ سب گئی ہے آپ کی بلند سیرت قوموں کیلئے مشعل ہدایت کا کام دے سکتی ہے۔

امام نے جو کچھ حق و صداقت کے ایک عام اصول کے لیے جان دی اس لیے ہر قوم و مذہب کے لوگ آپ کی مظلومیت و عذاب کا رسی بجا نہ بھاتے ہیں۔ دنیا سے سیکڑوں سلطنتیں مٹ گئیں۔ ہزاروں بڑے بڑے انسان پیند زین ہو گئے کہ آج کوئی ان کا نام بھی نہیں لیتا لیکن امام نے اپنی قربانی سے تاریخ پر ایسا نقش چھوڑا ہے جو اپنی پائنداری سے ہمیشہ عالم پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہو گیا ہے دنیا بدل جائے گی، عالم ظاہر کے آب و رنگ تبدیل ہو جائے گا لیکن ظالم اور مظلوم باقی رہیں گے اور جہاں بھی حق و صداقت حیرانہ ظلم سے برسرِ پیکار ہوگی وہاں حسین اور نیرید کو یاد کیا جائے گا ہر دوزخ پر پیدا ہوتے رہیں گے لیکن حسین جیسا صداقت پسند بلند سیرت کا انسان اب پیدا نہ ہو گا۔

امام حسین کے اصول کی ہمہ گھیری ایک۔ ایسا واقعہ جس پر تمام قوموں کے اتحاد کی بنیاد کی جاسکتی ہے؟ اندھ جی حسین قسے کا فرض ہوئی۔ ہزائی ش مہارا جہ ہلکا کر آت اندرونے پیغام

ہمیں فرماتے ہیں:۔ ”آج اس جلسہ کو تمام اقوام و مذاہب کے لوگ مشترکہ طریقہ سے کر رہے ہیں میں امام حسین کے اس کارنامہ سے سبق حاصل کر چکے ہیں اپنے آزادی کے لیے وحشیانہ طاقت کا مقابلہ کر کے جسے اپنی جان کی بازی ہلکا کر دے عظیم الشان قربانی دکھائی جس سے حق اور انصاف کو

۲۴

فیضانِ نبوت

بہتر معاشی تر مال دنیا میں نہیں پیش کی جاتی اس لیے کہ وہ عجز تھے محبت اور بہادری کا اور پیکر تھے قربانی اور ایثار کا۔ ہر مسلمان کو بالخصوص ان کی زندگی سے سبق لینا چاہئے اور ان کی پیروی کرنا چاہیئے ۱

مسلمانوں میں خصوصیت کے ساتھ شیعہ جماعت کے واقعہ کریمہ کی یاد قائم رکھنے میں نمایاں حصہ لیا اور اسے اپنی انفرادی اور جماعتی حیات کا ایک اہم عنصر قرار دے دیا۔ اس کا اندازہ آپ کے عزیز بل ڈاکٹر سر سید سلطان احمد اپنے روشن و دلغ شیعہ کے ان الفاظ سے ہو جائے گا جو انھوں نے شیعہ آل پارسیز کا نفرین کے اجلاس لکھنؤ منعقدہ ۱۳-۱۵ اپریل ۱۹۴۷ء کے خطبہ صدارت میں فرمائے تھے:۔ ”ہم واقعہ شہادت کی وہ سالانہ یادگار جو عزا داری کے مختلف مراحل کی شکل میں منائی جاتی ہے شیعوں کی حیات اجتماعی کی ایک ایسی کارفرما روح ہے جو ان کی زندگی کے ہر شعبہ پر حکمران ہے۔ اگر آپ اس میں مداخلت کریں گے تو گویا ان کے اُس عزیز حیثیت پر ڈاکہ ڈالیں گے جس کو وہ اپنی ہر چیز سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں اور جو ان کے لیے شہادۂ زندگی کا سوال ہے۔ یہ اہم یادگار کریمہ کے واقعہ کے بعد پہلی ہی صدی میں مسلمانوں نے قائم کر لی اور اس میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ ۱۷۰۰ء یہ وہ عزا داری ہے جو چودہ صدی تک برابر جاری ہے۔ یہ وہ ماتم ہے جو آج ۱۲۷۰ء تک چلے کا چلا جا رہا ہے۔ یہ وہ عزا داری ہے جو دہائے دہائے کی جو شائے میٹ ہو چکی۔ بادشاہتیں اس کے شانے کی مدد پہ ہوئیں مگر خود مت گئیں سلطنتیں ٹکی ہوئیں مگر اپنی طاقتیں صرف کرتی رہیں مگر ساری طاقتیں سلب ہو گئیں۔ بڑے بڑے بادشاہ ہنسکو پامال کرنے آئے مگر خود پامال ہو رہے۔ ہزاروں عزا داروں کو سولیاں دی گئیں۔ ہزاروں ماتموں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا مگر یہ ماتم بند نہ ہوا اور یہ عزا داری بند نہ ہوئی۔“

یہ موقع نہیں ہے کہ عزا داری کے ہر دور کی صورت اور اس کی رفتار پر تاریخی حقیقت کے کوئی مبیط تبصرو کیا جائے اس کے لیے کتاب کے آخر میں ایک مستقل منہجہ درج کیا جائے گا مگر اس قدر اتنا پتہ ہے گا کہ عینی شہادت کی یہ طولانی عمر رکھنے والی یاد ایک ایسی خصوصیت ہے جس کی نظیر تاریخِ عالم میں ناپید ہے۔

۵۔ انسان فطرثاً رست پسند ہی اور علم کو پسند نہیں کرتا اور حوادث زمانہ سے جو غم ہمیشہ آتے ہیں اُن کو جلد سے جلد بھول جانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں غم کی یادگار قائم نہیں ہوتی۔ جلد اقوام عالم کی یادگاریں سب خوشی کی یادگاریں ہیں پھر کیا یہ اپنی نوعیت میں عجیب بات نہیں ہے کہ دشتِ کربلا میں فرزندِ رسول کی مظلومانہ شہادت کی یادگار صد ہا سال کے مستقل طور پر قائم ہے۔

یہ بھی دیکھیے کہ ہیشہ حال کا نقش مٹی کو فراموش بنا دیتا ہی اور اثر کو ختم کر دیتا ہی۔ مٹی کی یادگار اس شدت کے ساتھ قائم رہنا کہ حال کا کوئی نقش اس نقش کو مٹا نہ سکے یہ ماننے پر مجبور کرتا ہے کہ تاریخِ عالم میں کوئی مثال اُس کے بعد اُس سے بڑھ کر تو کیا اُس کے قریب بھی نظر نہیں آئی۔

آپ کو معلوم ہو کہ واقعہ کربلا کے بعد کتنے انقلابات ہوئے۔ تمدن نے کتنی کروٹیں لیں۔ دنیا میں اخلاق کے معیار میں کس درجہ تغیرات ہوئے۔ بہت سی چیزیں جو کسی وقت میں عزت اور وقت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں بعد کو انسانوں کی نظروں سے گر گئیں۔ بہت سی وہ باتیں جو نہایت شرمناک اور ذلت آمیز سمجھی جاتی تھیں دوسرے وقت میں وہ باعثِ عزت و عظمت بن گئیں۔ ہر دسویں برس، پانچویں برس بلکہ ہر سال انسان کے مزاج میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، انسان کا اخلاقی معیار بے ثبات رہتا ہی جیکہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہلنی مٹنی میں یہ انقلابات ہوتے رہتے ہی تو کیا خیال کیا جاسکتا ہے اتنی طوفانی فتنہ کے متعلق جس میں بہت سی صدیاں آئیں اور چلی گئیں۔ بادشاہتیں قائم ہوئیں اور وراثتیں اور سلطنتیں میں ہزاروں قسم کے حالات میں تبدیلیاں ہوئیں لیکن وہ کون سی چیز تھی کہ جس طرح وہ اپنے وقت میں عزت کی نگاہ سے دیکھی گئی اُسی طرح عزت کی نگاہ سے کچھ تیرہ سو برس بعد بھی دیکھی جاتی ہی۔ انسان پڑے گا کہ وہ ایسے مشترک انسانی اصول کی حفاظت کے لیے قربانی کی گئی تھی کہ جب تک دنیا میں انسانیت قائم ہے اُس اصول کی بھی قدر و منزلت رہے۔ اور جس یادگار قربانی کی یاد بھی قائم ہے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ جتنا کوئی موضوع اہم ہوگا اور تاریخی حوادث میں جتنی کسی واقعہ کو ندرت اور اہمیت زیادہ ہوگی اسی قدر اُس پر اہل فکر و قلم طبیعت آزمائی زیادہ کر سکیں گے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں کربلا کے واقعہ سے بڑھ کر کسی واقعہ پر قلم و نثر لٹریچر کا ذخیرہ فراہم نہیں ہوا۔ اسلامی تاریخ کی تدوین سے پہلے خصوصیت سے اس واقعہ پر بقائیف شریع ہو گئے اور ابھی کربلا کی زمین پر خون شہیدان کی تری خشک نہ ہوئی ہوگی کہ شاعروں کی زبان سے اس واقعہ کی نظم کے اشعار تراش کر نکلے گئے۔

سب سے پہلے سے ”واقعات کربلا کے تاریخی عناصر کا تحفظ بہت کچھ سہران کربلا نے کیا۔ جو کچھ مواد اُن سے ملتا ہے وہ اگرچہ مقدار میں کم ہے لیکن اُس سے حسین کے فلسفہ شہادت اور بنی امتیہ کے مقصد زندگی کے کچھ میں حوصلہ کے مطابق مدد ملتی ہے۔ سہران کربلا کی وہ تقریریں جو کوفہ اور حاتم کے بازاروں اور دیاروں میں ہزاروں کے مجمع عام میں ہوئی ہیں اور مدینہ پہنچ کر محذرات عصمت اور امام دین العابدین نے جس طرح ان واقعات کی اشاعت کی ہے اُس کے نتیجہ میں اس واقعہ نے سارے عرب سے شناسائی حاصل کر لی۔ خود اموی نامہ نگاروں اور فوجیوں نے کسی نہ کسی رنگ میں واقعات کو (منسوخ کر کے سہی) بیان کیا۔ وہ بغیر شعور کے اکثر اس کے ایسے جزئیات بیان کر دیتے تھے جن کی مؤرخ کی نگاہ میں بڑی قیمت ہے۔ شعرا کے لیے اس واقعہ نے درد انگیز مواد مہیا کیا اور خطیب اس سے اپنے کلام میں زور پیدا کرنے لگے، علاوہ اُن اشعار کے جو طبیعت حسین کی طرف منسوب ہیں عام شعراء میں چند شعر مرثیہ کے جو پہلے پہل سن گئے وہ دیوان حاتمہ کے صفحات پر ابناک موجود ہیں مگر مستقل طور سے اس سلسلہ کی ابتداء کسیت امدی شاعر نے کی ہے۔ پھر سید اخیل میری نے اس میں ترقی کی اور عجل خراچی نے اس پر جلا کی اور یہ سلسلہ اس کے بعد جاری ہو گیا۔

نثر میں اُن مختلف خطبوں کو چھوڑتے ہوئے جو طبیعت کی زبان سے یا مختلف مقررین کے دہن سے جھکائی طوہر ہوئے ہیں خصوصاً اُن اقدمات کے ذیل میں جو امام حسین کے خون کا بدلا لینے کے لیے سلیمان بن صرد و خراچی اور پھر مختار کی جانب سے ہوئے ہیں جن کا مقصد

ہی یہ تھا کہ لوگوں کو واقعہ کر بلا کی اہمیت سے متاثر بنایا جائے۔ ان میں سے بہت کم شیعہ موجود ہیں اور میرے خیال میں اگر وہ سب جمع ہوتے تو ایک بہت بڑا ذخیرہ واقعہ کر بلا کے متعلق ہمارے ہاتھ میں ہوتا مستقل طور سے اس سلسلہ میں تصنیف کی ابتدا پہلی صدی کا ذخیرہ ہے ہوگئی اور ابوحنیفہ لوط بن یحییٰ ازدی کے متقل کا نام اس عہد کی یادگار ہے جس سے اس کے بعد کی تمام کتابوں میں واقعات لیے گئے ہیں۔ اس کے بعد برابر مستند مؤرخین واقعہ کر بلا پر ملاحظہ کرتے رہے اور تصانیف کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

اس کتاب میں دوسرا ضمیمہ مختلف زبانوں میں واقعہ کر بلا کے بارے میں کتابوں کی فہرست کے متعلق آئے گا جس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ دنیا کے کسی موضوع پر اتنا نہیں لکھا گیا اور نہیں کہا گیا ہے جتنا کہ واقعہ کر بلا کے بارے میں لکھا اور کہا گیا ہے۔ مگر حقیقی کتاب تصنیف ہوئی ہے سب سے پہلے نقطہ نظر کے ماتحت ان ہی لوگوں کے لیے جو اسلام اور پیغمبر اسلام کے معتقد ہیں۔ ان میں قرآن کی آیتیں ہیں۔ پیغمبر کی حدیثیں ہیں اور اس طرح کی روایتیں ہیں جو مسلمانوں کے طبقہ میں مقبول سمجھتی ہیں۔ کوئی غیر مسلم ہندو، عیسائی یا کسی دوسرے مذہب کا انسان اگر واقعہ کر بلا کو اس کے اسباب، نتائج اور ضروری تفصیلات کے ساتھ جاننا چاہے تو کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس کا پتہ دیا جاسکے۔ پھر یہ وہ لوگوں نے تاریخ نویسی کے فرض کو اپنے ہاتھ میں لیا وہ مؤرخ نہیں تھے اور نہ تاریخ نویسی کے قوانین سے واقف تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ واقعہ کر بلا کسی فلسفہ تاریخ کے ماتحت صحیح استنتاج سے آشنا نہیں ہوا۔

زیر نظر کتاب اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر لکھی جا رہی ہے اور اس موقع پر جبکہ دنیا نے انسانیت کے اس عظیم واقعہ کو پورے تیرہ سو برس ہو گئے ہیں اور ہر مذہب و ملت کے افراد متفق ہو کر حسین بن علی کی سیزدہ صد سالہ یادگار کی جانب پورے طور پر متوجہ ہیں تو یہ کتاب اس صدی کی یادگار کے طور پر حق و انصاف اور سچائی کی بارگاہ میں حریت، مساوات اور انصاف کی بارگاہ میں۔ انسانی دل، دماغ اور ضمیر کی بارگاہ میں۔ انسانی جذبات، احساسات اور شرفیاء خیالات کی بارگاہ میں۔ انسانی وقار و عزت



شہادت امام حسینؑ

تالیف: سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

مرتب: ترجمان القرآن لاہور

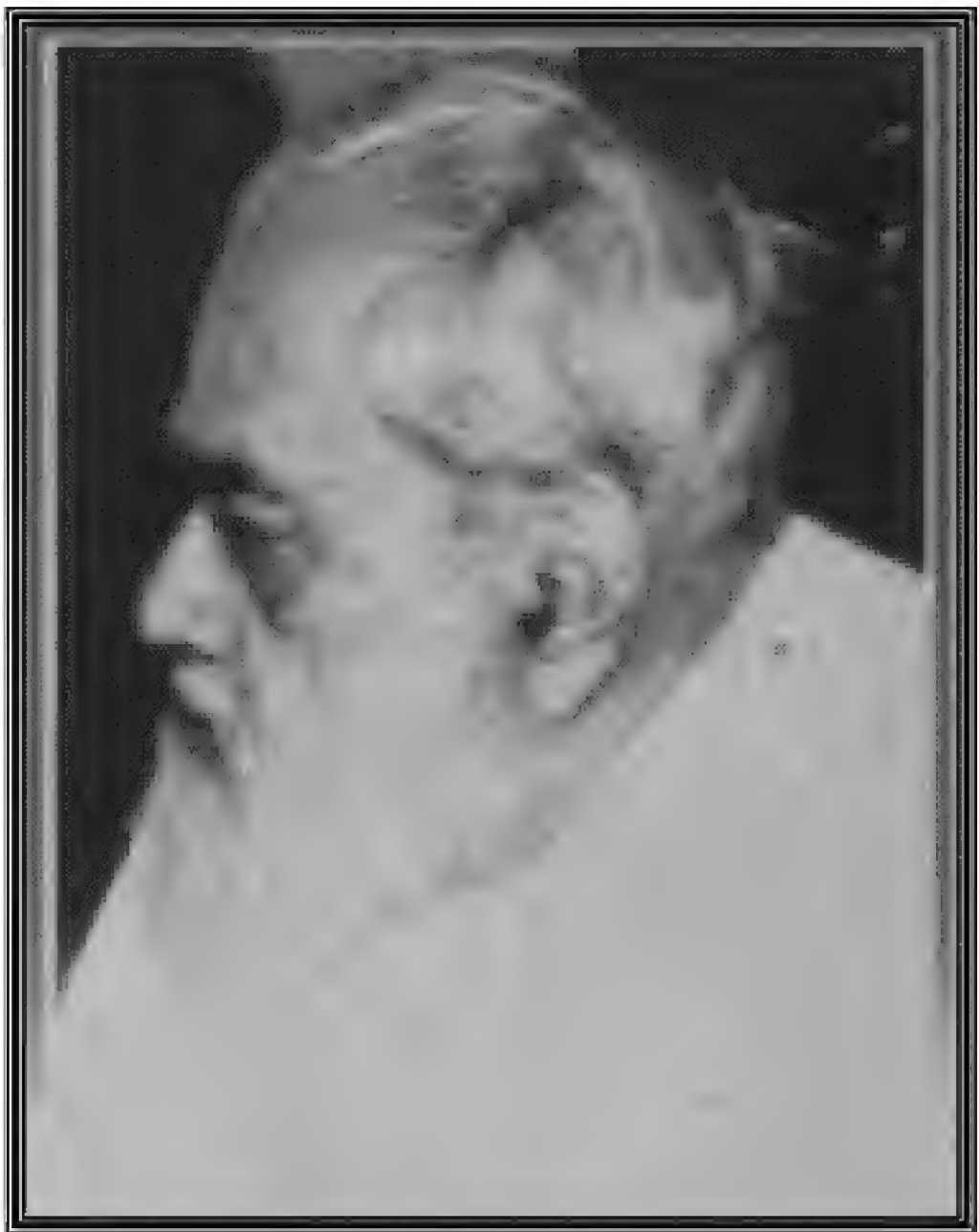
تاریخ: جولائی ۱۹۶۱ء

﴿تمثال مؤلف﴾

﴿مؤلف کے بارے میں﴾

﴿کتاب کے بارے میں﴾

﴿متن کتاب﴾



تمثال علامہ سید ابوالاعلیٰ مودودی مؤلف کتاب ”شہادت امام حسینؑ“

مولف کے بارے میں

علامہ سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء میں حیدر آباد دکن کے علاقے اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۵ سال کی عمر میں صحافت کا آغاز کیا۔ جب گاندھی نے یہ اعتراض کیا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا یا گیا ہے، مودودی صاحب نے اس اعتراض کے جواب ۱۹۲۸ء ۲۴ سال کی عمر میں قانون صلح و جنگ پر ”الجہاد فی الاسلام“ نامی کتاب لکھ کر اسلامی مفکرین و دانشوروں کو جہاد اسلامی کی طرف متوجہ کرایا۔ اور گاندھی کے اعتراضات کو رد کیا۔

۱۹۳۲ء یعنی ۲۹ سال کی عمر میں حیدر آباد دکن میں ماہنامہ ترجمان القرآن کا اجراء کیا جو بغیر وقفہ کے آج ٹھیک اسی ۸۰ سال گزر جانے کے بعد بھی اسی راہ و روش پر جاری ہے۔

علامہ اقبال نے مولانا مودودی کو لاہور آنے کی دعوت دی، مودودی صاحب نے علامہ کی دعوت قبول کی لیکن عملی جامہ پہنانے سے قبل علامہ اقبال وفات پا گئے۔

۲۶ اگست ۱۹۴۱ء ۳۸ سال کی عمر میں لاہور میں ۷۵ افراد کے اجتماع میں جماعت اسلامی کا سنگ بنیاد رکھا اور مودودی صاحب بحیثیت امیر جماعت منتخب ہوئے۔ مودودی صاحب مسلسل ۱۲ سال یعنی ۱۹۴۱ء تا ۱۹۵۳ء تک پاکستان میں اسلامی نفاذ کے لئے کوشاں رہے۔ اور پاکستان میں لیاقت علی خان اور دیگر حکمرانوں کے بعض غیر اسلامی دستورات کی مخالفت کے علاوہ قادیانیت کے خلاف کھل کر تقریریں کیں اور تحریریں لکھیں جس کے جرم میں انہیں چند مرتبہ جیل جانا پڑا۔

اس حق گوئی کی وجہ سے ۲۸ مارچ ۱۹۵۳ء رات کے وقت علامہ کو گرفتار کیا گیا۔ ۵ مئی کو فوجی عدالت نے دوا الزام کے تحت مقدمہ چلایا اول باغیانہ بیانات، دوم قادیانیت کے خلاف تحریر۔

۱۱ مئی ۱۹۵۳ء میں فوجی عدالت سے سزا موت سنائی گئی۔ لیکن دنیا بھر میں اس حکم کے خلاف مظاہرات و احتجاجات کی وجہ سے یہ سزا بعد میں عمر بھر قید با مشقت میں تبدیل ہوئی۔ لیکن ۲۵ ماہ بعد علامہ کو رہا کر دیا گیا۔

۲۹ اپریل ۱۹۵۵ء کو رہائی کے بعد جماعت اسلامی کا تیسرا کل پاکستان، کراچی میں اجتماع ہوا۔ ۱۹۶۳ء لاہور میں جماعت اسلامی کا پانچویں کل پاکستان اجتماع کے دوران مولانا پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ ۶ جنوری ۱۹۶۴ء میں مولانا کے ساتھ جماعت کے ۳۹ افراد کی گرفتاری عمل میں آئی اور اسی سال جماعت اسلامی کو کالعدم جماعت قرار دیا گیا۔

نومبر ۱۹۷۲ء کو مولانا نے مسلسل علالت کی وجہ سے جماعت اسلامی کی ادارت سے استعفیٰ دے دیا۔ جنوری ۱۹۷۹ء میں آیت اللہ العظمیٰ مجاہد کبیر رہبر عظیم امام خمینیؑ کے نمائندے جناب ڈاکٹر کمال اور انجینئر محمد نے مرکز جماعت اسلامی اچھرہ لاہور میں مولانا مودودی سے ملاقات کی اور مودودی صاحب کو امام خمینیؑ کا پیغام پہنچایا۔ مولانا مودودی نے اس ملاقات میں انگلش اور فارسی میں گفتگو کی تھی اس ملاقات میں صحافیوں اور دیگر افراد کے علاوہ جماعت کے مندرجہ ذیل افراد شریک تھے:

۱۔ مولانا نعیم صدیقی؛

۲۔ مولانا قاضی حسین احمد؛

۳۔ مولانا خلیل حامدی۔

۲۷ ستمبر ۱۹۷۹ء کو نعلیو (امریکہ) کے ہسپتال میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اس طرح نہ فقط مسلمانان پاکستان بلکہ پوری امت مسلمہ ایک راہنما سے محروم ہو گئی۔ اللہ وانا الیہ راجعون۔

تصانیف

مولانا مودودی کی ۶ زبانوں میں مختلف موضوعات پر لکھی جانے والی کتب کی تعداد ۱۰۰ سے زائد ۱۹۲۲ء سے ۱۹۷۷ء کے دوران شائع ہو چکی تھیں۔ مولانا ایک روشن فکر مفکر تھے اور ہر اس چیز جس کو غیر

اسلامی سمجھتے تھے بلا خوف لومۃ لائم ٹھکرا دیتے تھے اور ایسے افراد کو بھی تنقید کا نشانہ بناتے تھے جو غیر اسلامی افکار یا افعال کے حامل ہو اس میں فرق نہیں کہ وہ ملت مسلمہ کے عام افراد ہو یا خلفاء حتیٰ خلفاء راشدین۔

اس سلسلہ میں مولانا کی کتاب خلافت و ملوکیت ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہے یہی وجہ تھی کہ مولانا کی اپنی فکر کے بعض دانشوروں نے مولانا کی اس کتاب کے خلاف متعدد کتب تحریر کیں جن کے جواب میں ملک غلام علی نے خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ کے نام سے ایک مستدل کتاب تحریر فرمائی۔ اس سے قبل کے ہم غلام علی صاحب کی مذکورہ کتاب سے اس کی تحریر کی وجہ تالیف تحریر فرمائیں ان کتب کی فہرست پیش کی جاتی ہے جو علماء دیوبند کی طرف سے مولانا مودودی اور ان کی جماعت کے خلاف تحریر ہوئیں ہیں:

- ۱۔ فتنہ مودودیہ، شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا کاندھلوی؛
- ۲۔ مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی؛
- ۳۔ الاستاد المودودی، علامہ محمد یوسف بنوری؛
- ۴۔ کشف حقیقت، مولانا سعید احمد صاحب مظاہر علوم سہارنپور؛
- ۵۔ مودودی صاحب کا ایک غلط فتویٰ، مولانا سر قمر از خان صفدر صاحب؛
- ۶۔ تنقید اور حق تنقید، مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب؛
- ۷۔ مودودی مذہب، مولانا قاضی مظہر حسین صاحب چکوالی؛
- ۸۔ مودودی صاحب کا نصب العین، مولانا لال حسین اختر صاحب؛
- ۹۔ آئینہ تحریک مودودیہ، مولانا مفتی مہدی حسن شاہجہانپوری؛
- ۱۰۔ مکتوبات بسلسلہ مودودی جماعت، مولانا حسین احمد مدنی؛
- ۱۱۔ مکتوبات شیخ جلد سوم؛
- ۱۲۔ جماعت اسلامی سے مجلس مشورت تک، مولانا منظور نعمانی؛
- ۱۳۔ حق پرست علماء کی مودودی سے ناراضگی کے اسباب، مولانا احمد علی صاحب لاہوری؛
- ۱۴۔ اظہار حقیقت بجواب خلافت و ملوکیت، مولانا محمد اسحاق صدیقی؛

- ۱۵۔ تفصیلات تفہیم، مولانا مفتی عزیز الرحمن بجنوری صاحب؛
 - ۱۶۔ حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق، مولانا مفتی محمد تقی صاحب؛
 - ۱۷۔ تحریک مودودیّت کی ایک سرے رپورٹ، مولانا عبد القدوس رومی؛
 - ۱۸۔ مودودیّت بے نقاب، مولانا عبد القدوس رومی صاحب؛
 - ۱۹۔ عادلانہ دفاع، مولانا سید نور الحسن بخاری صاحب؛
 - ۲۰۔ مودودی صاحب کے غلط نظریات، جناب کریم الدین صاحب؛
 - ۲۱۔ تحریک جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ، ڈاکٹر اسرار احمد؛
 - ۲۲۔ اسلامی سیاسیات یا سیاسی اسلام، حکیم مولانا عبید اللہ سری نگر؛
 - ۲۳۔ تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات، مولانا محمد منظور نعمانی صاحب؛
 - ۲۴۔ مقام صحابہ کتاب و سنت کی روشنی میں اور مولانا مودودی صاحب، جناب محمد ابو بکر غازی پوری صاحب؛
 - ۲۵۔ مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا موقف، مولانا محمد منظور نعمانی صاحب؛
 - ۲۶۔ صحابہ کرام اور ان پر تنقید، جناب مولانا محمد عبد اللہ صاحب؛
 - ۲۷۔ ہفتوات، محمود احمد عباسی؛
 - ۲۸۔ حقیقت خلافت و ملوکیت، محمود احمد عباسی؛
 - ۲۹۔ مودودی صاحب اور ان کی تحریر کے متعلق چند اہم مضامین۔
- یاد رہے کہ مودودی صاحب کی مذکورہ کتاب کے خلاف علماء اہل سنت کے علاوہ بعض شیعہ علماء نے بھی قلم اٹھایا ہے جیسے کتاب لہامت و ملوکیت، علامہ حسین بخش جاڑا مرحوم۔
- مودودی صاحب کے خلاف علماء اہل تسنن نے یہ سب کتب صرف اس لئے تحریر کی تھیں کہ مولانا نے بعض صحابہ اور بالخصوص معاویہ کے زندگی کے سیاہ کارناموں کو نمایاں طور پر اپنی کتاب میں تحریر فرمایا تھا۔ اور پھر جب علماء اہل سنت خصوصاً محمد تقی عثمانی نے ان کے خلاف جب لکھا تو ملک غلام علی نے ان کے رو اور مودودی صاحب کے دفاع میں جلتی پر تیل کا کام کیا اور اس طرح معاویہ بن ابی سفیان اور اس کے نانا لائق

فاسق و فاجر بیٹے یزید جسے معاویہ نے اپنا جانشین و ولی عہد بنایا تھا اور اسی طرح مروان بن حکم، زیاد بن ابیہ جس کے متعلق چار افراد نے دعویٰ کیا تھا کہ یہ ہمارا نطفہ ہے، جن میں ایک ابی سفیان تھا، اسی وجہ سے معاویہ نے اس کو اپنا بھائی بنایا تھا جس پر بعض صحابہ نے اعتراضات بھی کیے تھے، ان سب کے متعلق وہ سب کچھ لکھ دیا جس کے وہ مستحق تھے۔

اس کتاب میں انہیں فاسق، فاجر، ظالم، قاتل، باغی، ملعون، مفسد، بے رحم وغیرہ ثابت کرنے والے تمام واقعات کتب معتبر اہل سنت سے محکم دلائل کے ساتھ تحریر کیے ہیں۔ ملک صاحب اپنی کتاب کے مقدمہ میں ناصبیت کی بڑھتی ہوئی تبلیغ اور اس کتاب کی وجہ تصنیف کے بارے میں تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

پاکستان میں اس فتنہ ناصبیت کے بانی اور سرخیل محمود احمد عباسی ہیں اور یہ ایک افسوس ناک اور تکلیف دہ حقیقت ہے کہ ہمارے بعض سنی حلقوں نے اس فتنے کی خوب پذیرائی و حوصلہ افزائی کی ہے اور چند ایک علمائے اہل سنت کو چھوڑ کر کسی کو اس کی تردید میں ایک لفظ تک کہنے یا لکھنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ ان مستثنیات میں سے ایک مولانا محمد عبدالرشید نعمانی، استاذ جامعہ اسلامیہ بہاولپور ہیں جن کے ایک ناقص سلسلہ مضمون کی چند قطعیں پینات میں شائع ہو سکیں اور پھر اسے بند کر دیا گیا، اس مضمون کا عنوان تھا۔ ناصبیت تحقیق کے بھیجیں میں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ماہنامہ پینات، رمضان ۱۹۸۲ء سے مولانا موصوف کی ایک عبارت نقل کر دوں، فرماتے ہیں:

یہ محمود احمد صاحب عباسی کی بدنام کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ پر تنقید ہے اس ملک میں رفض کا فتنہ قدیم سے تھا۔ باطنیہ و لامیہ سب پہلے سے موجود تھے البتہ خوارج و نواصب کا ڈھونڈنے سے بھی پتہ نہ تھا۔ لیکن عباسی صاحب نے یہ کتاب لکھ کر اہل سنت میں ناصبیت کا تازہ فتنہ کھڑا کر دیا ہے۔ اب بہت سے لوگ ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اور یزید کے مقابلے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو غلطی و غلط کار سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ

اس کتاب سے سوائے ضرر کے فائدہ کوئی مرتب نہ ہوا۔ روافض تو اپنی جگہ اور سخت ہو گئے، لیکن اہل سنت کے اعتدال میں بھی فرق آگیا بہت سے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت میں شک کرنے لگے۔

آج تک کسی ایک رافضی کے متعلق بھی یہ نہیں بتلایا جاسکتا کہ وہ عباسی صاحب کی کتاب پڑھ کر تائب ہو گیا ہو، لیکن اس کے برخلاف اس کتاب کے مطالعے کرنے والوں میں ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی نکلے گی جو اس جھوٹ کے پلندہ کو صحیح سمجھ کر حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے اپنے دلوں کو صاف نہ رکھ سکے۔ اس کتاب نے سادہ لوح عوام نہیں، بلکہ اچھے خاصے پڑھے لکھے طبقے کو متاثر کیا ہے جن میں عربی مدارس کے بھی بہت سے فارغ التحصیل شامل ہیں۔

جن لوگوں کی دسترس موضوع کتاب کے اصل مآخذ تک نہیں وہ اس کو تحقیق اور ریسرچ کا ایک نادر شاہکار سمجھتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ نتیجہ ہے اس بات کا کہ اب مسلمان من حیث القوم علوم اسلامیہ سے نابلدہ ہو گئے ہیں... اصل بات یہ ہے کہ روافض کے سب و شتم سے لوگ تنگ آئے ہوئے تھے ایسے میں یہ کتاب شائع ہوئی جس میں حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے موقف پر اس سے کہیں زیادہ سلجھے ہوئے اور سنجیدہ انداز میں جرح کی گئی جو روافض کی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے موقف کو مجروح کرنے میں عام روش ہے۔

اس لئے رد عمل کے طور پر بہت سے لوگ عباسی صاحب کے اس طرز عمل سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے حالانکہ تمام اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے اور جو لوگ ان سے برسر جنگ رہے وہ خطا پر تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت نہ کر کے غلطی کی اور وہ خلیفہ راشد نہ تھے۔ ان کا بیٹا یزید ظالم و جابر حکمران تھا اور حضرت حسینؑ حضرت عبد اللہ بن زبیر اور وہ تمام صحابہ کرام جو جنگ حرہ میں شہید ہوئے اور جنہوں نے یزید کے تسلط و اقتدار کو براہم کرنے کی کوشش کی وہ سب حق کے داعی اور خیر کے علمبردار تھے مگر اس کتاب ”کتاب معاویہ و یزید“ کی

مذموم جسارت کر رہے ہیں اور اس کے بالمقابل نہ صرف حضرت معاویہ کو صلوٰۃ اللہ علیہ^(۱) خلیفہ راشد اور امام معصوم بنا کر پیش کر رہے ہیں بلکہ یزید، مردان اور حکم کو بھی رضی اللہ عنہم در ضواعنہ کے زمرہ مبشرہ میں داخل کر رہے ہیں۔ ع نہیں تفاوت راہ از کجاست تا کیجا۔

اب بعض سنی حضرات (خواہ وہ حنفی و دیوبندی ہوں یا اہل حدیث ہوں) جو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب خلافت و ملوکیت کے خلاف اتنی ہنگامہ آرائی و خامہ فرسائی کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں اور جو کہتے ہیں کہ سارا جھگڑا اسی کتاب سے پیدا ہوا، ان سے بجا طور پر یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ فرض کیا اس بے بنیاد الزام کو تسلیم کر لیا جائے کہ اس کتاب سے صحابہ کرام کی توہین اور رافضیوں کی تقویت کا سامان ہو گیا، لیکن اس سے پہلے یہ جو رافضیت سے بدتر باصبیت کا پودا آپ کے زیر سایہ برگ و باز لا رہا ہے اور پھل پھول رہا ہے، یہ بھی آپ کے نزدیک فتنہ کی تعریف میں آسکتا ہے یا نہیں؟ اگر آسکتا ہے تو اس کے خلاف آپ نے کتنا زور لگایا ہے؟

یہ ایک حقیقت ہے کہ عباسی صاحب کی کتاب مذکور کا مواد ۱۹۵۶ء میں دو سال تک کراچی کے ماہنامہ تذکرہ میں شائع ہوتا رہا جس کے مدیر، مضمون نگار و غیرہ بیشتر دیوبندی علماء تھے۔ مولانا مودودی کی کتاب اس سے کہیں دس سال بعد جا کر چھپی ہے۔ اس پورے عرصے میں صرف چند اصحاب (مثلاً مولانا طیب صاحب، مولانا عبد الرشید نعمانی صاحب) کو چھوڑ کر اکثر علماء بالکل خاموش رہے ہیں۔ لیکن خلافت و ملوکیت کا سلسلہ مضامین جو نہی شائع ہونا شروع ہوا تو فضا میں اچانک حرکت پیدا ہو گئی۔ سنی و ناصبی سب گلے مل گئے اور مولانا مودودی کی مخالفت میں یک زبان ہو گئے۔

یہ اتحاد مہارک ہو مومنوں کے لئے

کہ متحد ہیں تھیں بان شہر میرے خلاف

۱۔ محمود عباسی صاحب اپنی کتاب حقیقت خلافت و ملوکیت ص ۲۴۵ پر لکھتے ہیں معاہدہ کی دیت مسلمان کے برابر قرار دینا امیر المومنین معاویہ صلوٰۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

خلافت و ملوکیت کا مواد ”ترجمان“ ۱۹۶۵ء میں شائع ہونا شروع ہوا تھا کہ اس کے خلاف عباسی صاحب نے ایک ”ہفتوات“ لکھ کر چھاپ دی جسے تین سال بعد ”حقیقت خلافت و ملوکیت“ کے نام سے اضافوں سے ساتھ شائع کیا گیا اس کے علاوہ عباسی صاحب ان کے بھتیجے اور ان کے بعض اعوان و انصار نے اپنے افکار و نظریات کی اشاعت کے لئے متعدد دو دیگر کتب و رسائل لکھے اور طبع کرائے ہیں۔ اس فتنے کی لئے یہاں تک بڑھی ہے کہ ان میں سے ایک شخص محمد دین بٹ نے اپنی کنیت ابو یزید رکھ کر رشید ابن رشید امیر المؤمنین سیدنا یزید رضی اللہ عنہ کے نام سے ایک کتاب شائع کر دی ہے۔

اس تحریک کا ایک مقصد تو وہی ناصبیت تھا جس کی تقویت کے لئے کتاب و سنت کے نصوص صریح سے تو اعراض و انکار کیا گیا مگر اپنے مطلب کے لئے جو رطب و یابس حتیٰ کہ شیعوں، قادیانیوں، اسماعیلیوں، یہود و ہنود اور نصاریٰ تک کے جو اقوال مل سکے انہیں اپنی تحریروں میں جمع کر دیا گیا۔

مگر ان لوگوں کا ایک دوسرا مقصد بھی تھا اور وہ یہ تھا کہ پاکستان کے ہر ظالم و جابر حکمران کی چاپلوسی کی جائے اور یہاں استبداد و آمریت کی جڑیں مضبوط کی جائیں۔ چنانچہ میں بطور ثبوت عباسی صاحب کی ایک کتاب سے ایک نمونہ پیش کرتا ہوں۔ تحقیق مزید یہ سلسلہ ”خلافت معاویہ و یزید“ ص ۳۳۸ پر وہ لکھتے ہیں:

اسلامی تاریخ میں شاید یہی ایک قابل تقلید مثال مفادات امت کے پیش نظر بغیر خونریزی کے سیاسی انقلاب پیدا کرنے کی ہے جو فیلڈ مارشل محمد ایوب خان اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ان حضرات کو کہ اس طرح اسوہ عثمانی پر عمل تو ہو سکا۔

محمود عباسی وغیرہ کی ”خراقات و ہفتوات“ سے ہمارے علماء اور تعظیم صحابہ کے علمبرداروں نے صرف اغماض ہی نہیں برتا، بلکہ اسے ریسرچ اور تحقیق ائینق قرار دے کر اپنے رسالوں میں ان کو خراج تحسین پیش کیا، ان کی کتابوں کے اشتہار دیئے، فروخت کیا اور ان کی تصانیف پر تقریظات لکھیں۔ مثال کے طور پر علی احمد عباسی کی کتاب ”حضرت معاویہ کی سیاسی زندگی“ کے شروع میں مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے تعارف رقم فرمایا ہے یہ کتاب جب شیعوں کے شور مچانے پر ضبط ہوئی تو حکیم محمود احمد ظفر

صاحب سیالکوٹی نے اس کتاب کا ہو بہو چرہ بلکہ سرقہ کر کے ایک کتاب ”سیدنا معاویہ شخصیت و کردار“ تیار کر لی اور چھاپ ڈالی جس کا تعارف مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے تحریر کیا ہے۔ اس کتاب کا ذکر عباسی صاحب نے شکریہ و شکوہ کے جن ملے جلے جذبات کے ساتھ کیا ہے، وہ ان کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ ہوں:

حضرت معاویہ کی سیاسی زندگی ”مؤند پر و فیصر مولوی علی احمد عباسی سلمہ معرکتہ الاراکتاب پہلے چھی تھی... اسی مضمون پر ایک اور کتاب حکیم محمود احمد ظفر کی مؤند شائع ہوئی ہے، ”سیدنا معاویہ شخصیت و کردار“ جس کے سرسری مطالعہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ظفر صاحب نے حضرت معاویہ کی سیاسی زندگی کی کتاب سے استفادہ ہی نہیں، بلکہ اسے سامنے رکھ کر اپنی کتاب مرحب کر ڈالی، قدرے لفظی تغیر کے ساتھ عنوانات بھی اسی طرح کے اور مضمون بھی اکثر و بیشتر وہی۔ یہ صاحب کراچی آکر راقم الحروف سے کئی بار ملے، اپنا عندیہ ظاہر کر دیتے اپنی اور اپنے بھتیجے کی کتاب سے مواد لینے کی اجازت بڑے شوق سے دے دی جاتی، کیونکہ مقصد تو تحریک کی اشاعت ہے، یوں بلا اجازت مضامین نقل کر کے کتاب مرحب کر لینا کہاں تک مناسب ہے؟ اسی بحث پر ابو یزید محمد دین بٹ کی کتاب ”رشید ابن رشید“ اچھی تالیف ہے۔ نیز کتابچہ ”عارف یزید“ بھی۔^(۱)

ان حکیم محمود احمد صاحب کے بارے میں اتنی مزید وضاحت مناسب ہے کہ ان کا تعلق باری باری سے ہزاروی جمعیت علماء اور مرکزی جمعیت علماء اسلام سے رہا ہے اور ان کے مضامین ان کے رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔^(۲)

۱۔ حقیقت خلافت و ملوکیت، محمود احمد عباسی ص ۵۵۔

۲۔ خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص ۱۷۳۱۔

مولانا مودودی کی کتاب ”خلافت و ملوکیت“ کا اصل اور مرکزی موضوع اگرچہ کتاب و سنت کا نظریہ سیاست اور خلافت راشدہ کی حکومت ہے، تاہم اس کے چند صفحات اس بحث پر بھی مشتمل ہیں کہ خلافت کے ملوکیت میں تبدیل ہو جانے کے تاریخی وجوہ کیا تھے۔ اس طرح ظاہر ہے کہ اس کتاب کی زو عباسی صاحب کے ملحدانہ و مبتدعانہ نظریات پر بھی پڑتی تھی وہ آخر اس کتاب کی چوٹ اپنے اوپر کس طرح محسوس نہ کرتے جب کہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں اگر کوئی شخص ہے جس کا انتخاب بالکل پہلی بار امت کے عام استصواب سے ہوا تو وہ امیر المومنین یزید ہیں۔^(۱)

لیکن ان علمائے اہل سنت کی روش بڑی تعجب خیز ہے جو عباسی صاحب کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔ بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ علماء بیک کر شمشہ دو کار انجام دینا چاہتے ہیں اور ایک ہی حربے سے ایسا وار کرنا چاہتے ہیں جس سے ”خلافت و ملوکیت“ کا مصنف بھی مجروح و مطعون ہو اور ناصبیت و یزیدیت کی تحریک بھی مقبول و محبوب ہو۔ حضرت علیؑ، حضرت حسینؑ، حضرت ابن زبیرؓ کا نام و نا اہل نظر آئیں، امیر معاویہ و یزید اور مروان کامیاب و کامران قرار پائیں اور تصویر کا یہ رخ پیش کرنے والے نہ صرف سنی کے سنی ہی رہیں، بلکہ تحقیق و تدقیق اور صحابہ کی تعظیم کرنے والے کہلائیں۔

بہر کیف یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ یہ حضرات اس ضلالت کی روک تھام کرنے کے بجائے اپنا پورا زور اس کتاب کی تردید و تغلیط پر لگا رہے ہیں جسے ناصبیت کے پرچارک اپنی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ یہ ساری ہنگامہ آرائی اور غوغا سرائی جو ساہا سال سے جاری ہے، ہم اب تک اس کے بالمقابل خاموش رہے ہیں۔ خیال یہ تھا کہ شاید یہ طوفان و عداوت کسی آخری حد تک جا کر رک جائے لیکن بظاہر اس حد کا کو جزر نظر نہیں آ رہا اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ کہیں رک نہیں سکے گا۔ اس لئے میں نے مجبور ہو کر بادل ناخواستہ اللہ کا نام لے کر قلم اٹھایا اور تبصرہ و تجزیہ کے لئے اس سلسلہ مضامین کو منتخب کیا جو مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے صاحب زادے محمد تقی صاحب عثمانی نے اپنے رسالے ”البلاغ“ میں محرم ۱۳۸۹ھ سے شروع کیا تھا۔^(۲)

۱۔ ملاحظہ ہو ”خلافت معاویہ و یزید“ طبع دوم ص ۳۸ مزید واضح رہے کہ شیعوں نے بھی ایک کتاب ”امامت و ملوکیت“ بجا اب خلافت و ملوکیت“ چھاپی ہے جس میں خلافت و ملوکیت کو شیعیت کے لئے زہر قاتل قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ ص ۱۸

مودودی صاحب کے افکار، حالات، تصنیفات کی تفصیلات کے لئے مندرجہ ذیل کتب کی طرف مراجع فرمائیں:

۱۔ نگاہی بہ احوال و آثار و افکار سید ابوالاعلیٰ مودودی، تالیف سعید اسد گیلانی، فارسی ترجمہ استاد نذیر احمد اسلامی؛

۲۔ میری یادگار ملاقاتیں، مؤلف امیر حسین چمن؛

۳۔ صراطِ مستقیم و ادیانِ باطلہ، تالیف مفتی محمد نعیم؛ اس کتاب میں مودودی صاحب کے افکار اور اس کی جماعت کو ادیانِ باطلہ میں شمار کیا گیا ہے۔

کتاب کے بارے میں

یہ رسالہ درحقیقت مولانا مودودی صاحب کی تقریر ہے جو انہوں نے شیعہ و سنی اجتماع میں کی تھی جسے بعد میں ماہنامہ ”ترجمان القرآن“ جولائی ۱۹۶۰ء میں افادہ عام کے لئے شائع کیا تھا۔ بعد میں جداگانہ طور پر اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی نے بھی اسے افادہ عام کے لئے طبع کیا۔

ہمارا شش ماہی مجلہ ”میراث برصغیر“ چونکہ محرم الحرام اور جمادی الثانی میں نشر ہوتا ہے اس لئے فیصلہ کیا گیا ہے کہ محرم الحرام میں مجلہ ہمیشہ ”محرم الحرام نمبر“ کے عنوان سے طبع ہوتا رہے جس میں امام حسین علیہ السلام اور عزاداری سید الشہداء علیہ السلام وغیرہ سے مربوط برصغیر کی شیعہ و سنی دانشوروں کے افادات کو منظر عام پر لایا جائے۔

مودودی صاحب کا یہ رسالہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ مودودی صاحب نے اس تقریر میں شہادت امام حسینؑ کے مقصد پر روشنی ڈالتے ہوئے واضح الفاظ میں تحریر فرمایا تھا کہ یزید کی دلی عہدی اور پھر اس کی تخت نشینی سے جس چیز کی ابتداء تھی وہ اسلامی حکومت کے دستورات، ارکان و مقاصد کی تغیر تھی اس سلسلہ میں مودودی صاحب فرماتے ہیں:

یزید کی دلی عہدی اور پھر اس کی تخت نشینی سے دراصل جس خرابی کی ابتداء ہو رہی تھی وہ اسلامی ریاست کے دستور اور اس کے مزاج اور اس کے مقصد کی تبدیلی تھی۔^(۱)

پھر فرماتے ہیں:

اسلامی ریاست کا مقصد خدا کی زمیں میں ان نیکیوں کو قائم کرنا اور فروغ دینا تھا۔ جو خدا کو محبوب اور ان برائیوں کو دہانا تھا جو خدا کو ناپسند ہیں مگر انسانی بادشاہت کا راستہ اختیار کرنے کے بعد حکومت کا مقصد فتح ممالک اور تسخیر خلافت اور تحصیل باج و خراج اور عیش دنیا کے سوا کچھ نہ تھا اسلامی ریاست کی روح تقویٰ اور خدا ترسی اور پرہیزگاری کی روح تھی جس کا سب سے بڑا مظہر خود ریاست کا سرا براہ ہوتا تھا۔

حکومت کے عمال اور قاضی اور سپہ سالار، سب اس روح سے سرشار ہوتے تھے اور پھر اس روح سے وہ پورے معاشرے کو سرشار کرتے تھے، لیکن بادشاہی کی راہ پر پڑتے ہی مسلمانوں کی حکومتوں اور ان کے حکمرانوں نے قیصر و کسریٰ سے رنگ ڈھنگ اور ٹھاٹھ باٹھ اختیار کر لئے۔ عدل کے جگہ ظلم و جور کا غلبہ ہوتا چلا گیا۔ پرہیزگاری کی جگہ فسق و فجور اور راک ناگ اور عیش و عشرت کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ حرام و حلال کی تمیز سے حکمرانوں کی سیرت و کردار خالی ہوتی چلی گئی۔ سیاست کا رشتہ اخلاق سے ٹوٹا چلا گیا۔ خدا سے خود ڈرنے کی بجائے حاکم لوگ بندگان خدا کو اپنے آپ سے ڈرانے لگے اور لوگوں کے ایمان و ضمیر بیدار کرنے کے بجائے ان کو اپنی بخششوں کے لالچ سے خریدنے لگے۔

اس کے بعد مودودی صاحب نے اسلامی دستور کے سات بنیادی اصولوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور مولانا نے ان اصولوں کو دو زمانوں میں تقسیم کیا خلافتِ اولیٰ سے لے کر امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کی خلافت کا زمانہ یعنی ان کے بقول دورہ خلافتِ راشدہ اور پھر اس زمانہ سے لے کر تمام بنی امیہ و بنی عباس اور دیگر جابر حکمرانوں کا دورے اقتدار۔

مودودی صاحب نے اس حقیقت کا اقرار کیا ہے:

خلافت راشدہ کے بعد کوئی بھی حکومت خصوصاً یزید کی ولی عہدی سے آج تک
ان اسلامی دستوروں کی پابند نہیں رہی بلکہ قیصر و کسری کے سے رنگ ڈھنگ اور
ٹھاٹھ باٹھ اختیار کر لیا۔

جن اسلامی دستورات کی طرف مولانا نے اشارہ فرمایا ہے، وہ یہ ہیں:

۱۔ آزادانہ انتخاب؛

۲۔ شورا کی نظام؛

۳۔ اظہار رائے کی آزادی؛

۴۔ خدا اور خلق کے سامنے جواب دہی؛

۵۔ بیت المال، ایک امانت؛

۶۔ قانون کی حکومت؛

۷۔ حقوق اور مراتب کے لحاظ سے کامل مساوات۔

ان دستورات کا گنوانے کے بعد مولانا نے فرمایا: یہ تھے وہ تغیرات جو اسلامی حکومت کو خاندانی
بادشاہت میں کرنے سے رونما ہوئے۔ کوئی شخص اس تاریخی حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا کہ یزید کی ولی
عہدی ان تغیرات کا نقطہ آغاز تھی ہم مولانا کی اس روشن فکری کی داد دینے کے علاوہ اس شکوہ کا حق محفوظ
رکھتے ہیں کہ خود آپ کی کتاب ”خلافت و ملوکیت“ اور تاریخی حقیقت اس بات پر گواہ ہے کہ ان
دستورات اسلامی سے انحراف اور اس کا عملی نقطہ نگاہ من جمیع جہات خلافت سوم سے ہوا ہے۔ یزید نے
اس کو مستحکم کیا ہے۔ البتہ تاریخ کی حقیقی گواہی کے مطابق امیر المومنین علیؑ کے علاوہ کوئی خلیفہ خلفاء
راشدین میں سے صحیح معنوں میں ان اسلامی دستورات کا پابند نہیں رہا۔ خلفاء کے انہی تغیرات کی وجہ سے
۱۳۰۰ چودہ سو سال سے آج تک مسلمانوں میں مباحث مناظرات ہو رہے ہیں۔

بلکہ اس کے خلاف کام کرتے رہیں، تو محض ان کی ذات کے لئے گریہ وزاری کر کے، اور ان کے قاتلوں پر لعن و طعن کر کے قیامت کے روز نہ تو ہم امام ہی سے کسی داد کی امید رکھ سکتے ہیں اور نہ یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ ان کا خدا اس کی کوئی قدر کرے گا۔

اب دیکھنا چاہیے کہ وہ مقصد کیا تھا؟ کیا امام تخت و تاج کے لئے اپنے کسی ذاتی استحقاق کا دعویٰ رکھتے تھے اور اس کے لئے انہوں نے سر دھڑکی بازی لگائی؟ کوئی شخص بھی جو امام حسینؑ کے گھرانے کی بلند اخلاقی سیرت کو جانتا ہے، یہ بدگمانی نہیں کر سکتا کہ یہ لوگ اپنی ذات کے لئے اقتدار حاصل کرنے کی خاطر مسلمانوں میں خوں ریزی کر سکتے تھے۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے ان لوگوں کا نظریہ ہی صحیح مان لیا جائے جن کی رائے میں یہ خاندان حکومت پر اپنے ذاتی استحقاق کا دعویٰ رکھتا تھا، تب بھی حضرت ابو بکرؓ سے لے کر امیر معاویہؓ تک، پچاس برس کی پوری تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ حکومت حاصل کرنے کے لیے لڑنا اور کشت و خون کرنا ہرگز ان کا مسلک نہ تھا۔ اس لیے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ امام عالی مقام کی نگاہیں اس وقت معاشرے اور اسلامی ریاست کی روح اور اس کے مزاج اور اس کے نظام میں کسی بڑے تغیر کے انتظار دیکھ رہی تھیں، جسے روکنے کی جدوجہد کرنا ان کے نزدیک ضروری تھا، حتیٰ اگر اس راہ میں لڑنے کی نوبت بھی آجائے تو وہ نہ صرف اسے جائز بلکہ فرض سمجھتے تھے۔

ریاست کے مزاج، مقصد اور دستور کی تبدیلی

وہ تغیر کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ لوگوں نے اپنا دین نہیں بدل دیا تھا۔ حکمرانوں سمیت سب لوگ خدا اور رسول اللہ ﷺ اور قرآن کو اسی طرح مان رہے تھے، جس طرح پہلے مانتے تھے۔ مملکت کا قانون بھی نہیں بدلا تھا۔ عدالتوں میں قرآن اور سنت ہی کے مطابق تمام معاملات کے فیصلے بنی امیہ کی حکومت میں بھی ہو رہے تھے، جس طرح ان کے برسر اقتدار آنے سے پہلے ہوا کرتے تھے۔ بلکہ قانون میں تغیر تو انیسویں صدی عیسوی سے پہلے دنیا کی مسلم حکومتوں میں سے کسی دور میں بھی نہیں ہوا۔ بعض لوگ یزید کے شخصی کردار کو بہت نمایاں کر کے پیش کرتے ہیں، جس سے یہ عام غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے کہ وہ تغیر جسے روکنے کے لئے امام کھڑے ہوئے تھے، بس یہ تھا کہ ایک برا آدمی برسر اقتدار آگیا تھا۔ لیکن یزید کی سیرت و

شخصیت کا جو برے سے برا تصور پیش کرنا ممکن ہے، سے جوں کا توں مان لینے کے بعد بھی یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے کہ اگر نظام صحیح بنیادوں پر قائم ہو تو محض ایک برے آدمی کا برسرِ اقتدار آجانا کوئی ایسی بڑی بات ہو سکتی ہے، جس پر امام حسینؑ جیسا دانا وزیر ک اور علم شریعت میں گہری نظر رکھنے والا شخص بے صبر ہو جائے۔ اس لیے یہ شخصی معاملہ بھی وہ اصل تغیر نہیں ہے، جس نے امام کو بے چین کیا تھا۔

تاریخ کے غائر مطالعہ سے جو چیز واضح طور پر سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ یزید کی ولی عہدی اور پھر اس کی تخت نشینی سے دراصل جس خرابی کی ابتدا ہو رہی تھی، وہ اسلامی ریاست کے دستور اور اس کے مزاج اور اس کے مقصد کی تبدیلی تھی۔ اس تبدیلی کے پورے نتائج اگرچہ اس وقت سامنے نہ آئے تھے لیکن ایک صاحب نظر آدمی گاڑی کا رخ تبدیل ہوتے ہی جان سکتا ہے کہ اب اس کا راستہ بدل رہا ہے اور جس راہ پر مڑ رہی ہے وہ آخر کار اسے کہاں لے جائے گا۔ یہی رخ کی تبدیلی جسے امام نے دیکھا اور گاڑی کو پھر سے صحیح پٹری پر ڈالنے کے لیے اپنی جان لڑا دینے کا فیصلہ کیا۔

نقطہ انحراف

اس چیز کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے دیکھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدینؓ کی سربراہی میں ریاست کا جو نظام چالیس سال تک چلتا رہا تھا، اس کے دستور کی بنیادی خصوصیات کیا تھیں اور یزید کی ولی عہدی سے مسلمانوں میں جس دوسرے نظام کا آغاز ہوا، اس کے اندر کیا خصوصیات دولت بنی امیہ و بنی عباس اور بعد کی بادشاہیوں میں ظاہر ہوئیں۔

اسی تقابل سے ہم یہ جان سکتے ہیں کہ یہ گاڑی پہلے کس لائن پر چل رہی تھی اور اس نقطہ انحراف پر پہنچ کر آگے وہ کس لائن پر چل پڑی، اور اسی تقابل سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی آغوش میں تربیت پائی تھی اور جس نے صحابہ کی بہترین سوسائٹی میں بچپن سے بڑھاپے تک کی منزلیں طے کی تھیں، وہ کیوں اس نقطہ انحراف کے سامنے آتے ہی گاڑی کو

نئی لائن پر جانے سے روکنے کے لیے کھڑا ہو گیا، اور کیوں اس نے اس بات کی بھی پروا نہ کی کہ اس زوردار گاڑی کا رخ موڑنے کے لیے اس کے آگے کھڑے ہو جانے کا کیا نتیجہ ہو سکتا ہے؟

انسانی بادشاہی کا آغاز

اسلامی ریاست کی اولین خصوصیت یہ تھی کہ اس میں صرف زبان ہی سے یہ نہیں کہا جاتا تھا بلکہ سچے دل سے یہ مانا بھی جاتا تھا، اور عملی رویہ سے اس عقیدہ و یقین کا پورا ثبوت بھی دیا جاتا تھا کہ ملک خدا کا ہے، باشندے خدا کی رعیت ہیں اور حکومت اس رعیت کے معاملے میں خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔ حکومت اس رعیت کی مالک نہیں ہے۔ اور رعیت اس کی غلام نہیں ہے۔ حکمرانوں کا کام سب سے پہلے اپنی گردن میں خدا کی بندگی و غلامی کا قلابہ ڈالنا ہے، پھر یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ خدا کی رعیت پر اس کا قانون نافذ کریں۔ لیکن یزید کی ولی عہدی سے جس انسانی بادشاہی کا مسلمانوں میں آغاز ہوا، اس میں خدا کی بادشاہی کا تصور صرف زبانی اعتراف تک محدود رہ گیا۔ عملاً اس نے وہی نظریہ اختیار کر لیا جو ہمیشہ سے ہر انسانی بادشاہی کا رہا ہے، یعنی ملک بادشاہ اور شاہی خاندان کا ہے اور وہ رعیت کی جان، مال، آبرو، ہر چیز کا مالک ہے۔ خدا کا قانون ان بادشاہتوں میں نافذ ہوا بھی تو صرف عوام پر ہوا، بادشاہ اور ان کے خاندان اور امراء اور حکام زیادہ تر اس سے مستثنیٰ ہی رہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تھفل

اسلامی ریاست کا مقصد خدا کی زمین میں نیکیوں کو قائم کرنا اور فروغ دینا تھا، جو خدا کو محبوب ہیں اور ان برائیوں کو دبانے اور مٹانا تھا جو خدا کو ناپسند ہیں۔ مگر انسانی بادشاہت کا راستہ اختیار کرنے کے بعد حکومت کا مقصد فتح ممالک اور تسخیر خلافت اور تحصیل باج و خراج اور عیش دنیا کے سوا کچھ نہ رہا۔ خدا کا کلمہ بلند کرنے کی خدمت بادشاہوں نے کم ہی کبھی انجام دی۔

ان کے ہاتھوں اور ان کے امراء اور حکام اور درباریوں کے ہاتھوں بھلائیاں کم اور برائیاں بہت زیادہ پھیلیں۔ بھلائیوں کے فروغ اور برائیوں کی روک تھام اور اشاعتِ دین اور علوم اسلامی کی تحقیق و تدوین

کے لیے جن اللہ کے بندوں نے کام کیا، انہیں حکومت سے مدد ملنی تو دور کنار اکثر وہ حکمرانوں کے غضب ہی میں گرفتار رہے اور اپنا کام وہ ان کی مزاحمتوں کے علی الرغم ہی کرتے رہے۔ ان کی کوششوں کے برعکس حکومتوں اور ان کے حکام و متوسلین کی زندگیوں اور پالیسیوں کے اثرات مسلم معاشرے کو پیہم اخلاقی زوال ہی کی طرف لے جاتے رہے۔ حد یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے مفاد کی خاطر اسلام کی اشاعت میں رکاوٹیں ڈالنے سے بھی دریغ نہ کیا، جس کی بدترین مثال بنو امیہ کی حکومت میں نو مسلموں پر جزیہ لگانے کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

اسلامی ریاست کی روح تقویٰ اور خدا ترسی اور پرہیز گاری کی روح تھی، جس کا سب سے بڑا مظہر خود ریاست کا سربراہ ہوتا تھا۔ حکومت کے عمال و قاضی اور سپہ سالار، سب اس روح سے سرشار ہوتے تھے اور پھر اس روح سے وہ پورے معاشرے کو سرشار کرتے تھے، لیکن بادشاہی کی راہ پر پڑتے ہی مسلمانوں کی حکومتوں اور ان کے حکمرانوں نے قیصر و کسریٰ سے رنگ ڈھنگ اور ٹھاٹھ باٹھ اختیار کر لیے۔ عدل کی جگہ ظلم و جور کا غلبہ ہوتا چلا گیا۔ پرہیز گاری کی جگہ فسق و فجور اور راگ رنگ اور عیش و عشرت کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ حرام و حلال کی تمیز سے حکمرانوں کی سیرت و کردار خالی ہوتی چلی گئی۔ سیاست کا رشتہ اخلاق سے ٹوٹا چلا گیا۔ خدا سے خود ڈرنے کے بجائے حاکم لوگ بندگان خدا کو اپنے آپ سے ڈرانے لگے اور لوگوں کے ایمان و ضمیر بیدار کرنے کے بجائے ان کو اپنی بخششوں کے لالچ سے خریدنے لگے۔

اسلامی دستور کے بنیادی اصول

یہ تو تھا روح و مزاج اور مقصد اور نظریے کا تغیر۔ ایسا ہی تغیر اسلامی دستور کے بنیادی اصولوں میں بھی رونما ہوا۔ اس دستور کے سات اہم ترین اصول تھے، جن میں سے ہر ایک کو بدل ڈالا گیا۔

جو لوگ شوریٰ کے رکن بنائے گئے، اگرچہ ان کو انتخاب عام کے ذریعہ سے منتخب نہیں کرایا گیا تھا۔ جدید زمانے کے تصور کے لحاظ سے وہ نامزد کردہ لوگ ہی تھے۔

لیکن خلفائے نے یہ دیکھ کر ان کو مشیر نہیں بنایا تھا کہ یہ ہماری ہاں میں ہاں ملانے اور ہمارے مفاد کی خدمت کرنے کے لیے موزوں ترین لوگ ہیں۔ بلکہ انہوں نے پورے خلوص اور بے غرضی کے ساتھ قوم کے بہترین عناصر کو چنا تھا، جن سے وہ حق گوئی کے سوا کسی چیز کی توقع نہ رکھتے تھے، جن سے یہ امید تھی کہ وہ ہر معاملے میں اپنے علم و ضمیر کے مطابق بالکل صحیح ایماندارانہ رائے دیں گے، جن سے کوئی شخص بھی یہ اندیشہ نہ رکھتا تھا کہ وہ حکومت کی کسی غلط راہ پر جانے دیں گے۔ اگر اس وقت ملک میں آج کل کے طریقے کے مطابق انتخابات بھی ہوتے تو عام مسلمان انہی لوگوں کو اپنے اعتماد کا مستحق قرار دیتے۔

لیکن شاہی دور کا آغاز ہوتے ہی شوریٰ کا یہ طریقہ بدل گیا۔ اب بادشاہ استبداد اور مطلق العنانی کے ساتھ حکومت کرنے لگے۔ اب شاہزادے اور خوشامدی اہل دربار، اور صوبوں کے گورنر اور فوجوں کے سپہ سالار ان کی کونسل کے ممبر تھے۔ اب وہ لوگ ان کے مشیر تھے، جن کے معاملہ میں اگر قوم کی رائے لی جاتی تو اعتماد کے ایک ووٹ کے مقابلہ میں لعنت کے ہزار ووٹ آتے اور اس کے برعکس وہ حق شناس و حق گو اہل علم و تقویٰ جن پر قوم کو اعتماد تھا، وہ بادشاہوں کی نگاہ میں کسی اعتماد کے مستحق نہ تھے، بلکہ اٹلے معتبوب یا کم از کم مشتبہ تھے۔

۳۔ اظہار رائے کی آزادی

اس دستور کا تیسرا اصول یہ تھا کہ لوگوں کو اظہار رائے کی پوری آزادی ہو۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو اسلام نے ہر مسلمان کا حق ہی نہیں بلکہ فرض قرار دیا تھا۔ اسلامی معاشرے اور ریاست کے صحیح راستہ پر چلنے کا انحصار اس بات پر تھا کہ لوگوں کے ضمیر اور ان کی زبانیں آزاد ہوں، وہ ہر غلط کام پر بڑے سے بڑے آدمی کو ٹوک سکیں اور حق بات بر ملا کہہ سکیں۔ خلافت راشدہ میں صرف یہی نہیں کہ لوگوں کا یہ حق پوری طرح محفوظ تھا بلکہ خلفائے راشدین اسے ان کا فرض سمجھتے تھے اور اس فرض کے ادا کرنے میں ان کی ہمت افزائی کرتے تھے۔ ان کی مجلس شوریٰ کے ممبروں ہی کو نہیں، قوم کے ہر شخص کو بولنے

اور ٹوکنے اور خود خلیفہ سے باز پرس کرنے کی مکمل آزادی تھی، جس کے استعمال پر لوگ ڈانٹ اور دھمکی سے نہیں بلکہ داد اور تعریف سے نوازے جاتے تھے۔

یہ آزادی ان کی طرف سے کوئی عطیہ اور بخشش نہ تھی جس کے لیے وہ قوم پر اپنا احسان جتاتے، بلکہ یہ اسلام کا وہ عطا کردہ ایک دستوری حق تھا، جس کا احترام کرنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے، اور اسے بھلائی کے لیے استعمال کرنا ہر مسلمان پر خدا اور رسول ﷺ کا عائد کردہ ایک فریضہ تھا جس کی ادائیگی کے لیے معاشرے اور ریاست کی فضا کو ہر وقت سازگار رکھنا ان کی نگاہ میں فرائض خلافت کا ایک اہم جز تھا۔ لیکن بادشاہی دور کا آغاز ہوتے ہی ضمیروں پر قفل چڑھا دیے گئے اور منہ بند کر دیے گئے۔ اب قاعدہ یہ ہو گیا کہ زبان کھولو تو تعریف میں کھولو، ورنہ چپ رہو۔ اور اگر تمہارا ضمیر ایسا زور آور ہے کہ حق گوئی سے تم باز نہیں رہ سکتے تو قید یا قتل کے لیے تیار ہو جاؤ۔

یہ پالیسی رفتہ رفتہ مسلمانوں کو پست ہمت، بزدل اور مصلحت پرست بناتی چلی گئی۔ خطرہ مول لے کر سچی بات کہنے والے ان کے اندر کم سے کم ہوتے چلے گئے۔ خوشامد اور چالوسی کی قیمت مارکیٹ میں چڑھتی اور حق پرستی و راست بازی کی قیمت گرتی چلی گئی۔ اعلیٰ قابلیت رکھنے والے ایماندار اور آزاد خیال لوگ حکومت سے بے تعلق ہو گئے اور عوام کا حال یہ ہو گیا کہ کسی شاہی خاندان کی حکومت برقرار رکھنے کے لیے ان کے دلوں میں کوئی جذبہ باقی نہ رہا۔ ایک کو ہٹانے کے لیے جب دوسرا آیا تو انہوں نے مدافعت میں انگلی تک نہ ہلائی اور گرنے والا جب گرا تو انہوں نے ایک لات اور رسید کر کے اسے زیادہ گہرے گڑھے میں پھینکا۔ حکومتیں جاتی اور آتی رہیں، مگر لوگوں نے تماشا کی سے بڑھ کر اس آمد و رفت کے منظر سے کوئی دلچسپی نہ لی۔

۴۔ خدا اور خلق کے سامنے جواب دہی

چوتھا اصول، جو اس تیسرے اصول کے ساتھ لازمی تعلق رکھتا تھا، یہ تھا کہ خلیفہ اور اس کی حکومت خدا اور خلق دونوں کے سامنے جواب دہ ہے۔ جہاں تک خدا کے سامنے جواب دہی کا تعلق ہے، اس کے شدید احساس سے خلفائے راشدین پر دن کا چین اور رات کا آرام حرام ہو گیا تھا اور جہاں تک خلق کے

سامنے جواب دہی کا تعلق ہے، وہ ہر وقت، ہر جگہ اپنے آپ کو عوام کے سامنے جواب دہ سمجھتے تھے۔ ان کی حکومت کا یہ اصول نہ تھا کہ صرف مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) میں نوٹس دے کر ہی ان سے سوال کیا جاسکتا ہے، وہ ہر روز پانچ مرتبہ نماز کی جماعت میں اپنے آپکو عوام کے سامنے کرتے تھے۔ وہ ہر ہفتے جمعہ کی جماعت میں عوام کے سامنے اپنی کہتے اور ان کی سنتے تھے۔ وہ شب و روز بازاروں میں کسی باڈی گارڈ کے بغیر، کسی ہٹو پچو کی آواز کی بغیر عوام کے درمیان چلتے پھرتے تھے۔

ان کے گورنمنٹ ہاؤس (یعنی ان کے کچے مکان) کا دروازہ ہر شخص کے لیے کھلا تھا اور ہر ایک ان سے مل سکتا تھا۔ ان سب مواقع پر ہر شخص ان سے سوال کر سکتا تھا اور جواب طلب کر سکتا تھا۔ یہ محدود جواب دہی نہ تھی بلکہ کھلی اور ہمہ وقتی جواب دہی تھی۔ یہ نمائندوں کے واسطے سے نہ تھی بلکہ پوری قوم کے سامنے براہ راست تھی۔ وہ عوام کی مرضی سے برسرِ اقتدار آئے تھے اور عوام کی مرضی انہیں ہٹا کر دوسرا خلیفہ ہر وقت لاسکتی تھی۔ اس لیے نہ تو انہیں عوام کا سامنا کرنے میں کوئی خطرہ محسوس ہوتا تھا اور نہ اقتدار سے محروم ہونا ان کی نگاہ میں کوئی خطرہ تھا کہ وہ اس سے بچنے کی کبھی فکر کرتے۔ لیکن بادشاہی دور کے آتے ہی جواب دہ حکومت کا تصور ختم ہو گیا۔ خدا کے سامنے جواب دہی کا خیال چاہے زبانوں پر رہ گیا، مگر عمل میں اس کے آثار کم ہی نظر آتے ہیں۔ رہی خلق کے سامنے جواب دہی، تو کون مائی کا لال تھا جو ان سے جواب طلب کر سکتا۔ وہ اپنی قوم کے فاتح تھے۔ مفتوحوں کے سامنے کون فاتح جواب دہ ہوتا ہے۔

وہ طاقت سے برسرِ اقتدار آئے تھے اور ان کا نعرہ یہ تھا کہ جس میں طاقت ہو وہ ہم سے اقتدار چھین لے۔ ایسے لوگ عوام کا سامنا کیا کرتے ہیں اور عوام ان کے قریب کہاں پہنک سکتے تھے۔ وہ نماز بھی پڑھتے تھے تو تنہو خیرے کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے محلوں کی محفوظ مسجدوں میں، یا باہر اپنے نہایت قابل اعتماد محافظوں کے جھرمٹ میں۔ ان کی سواریاں نکلتی تھیں تو آگے اور پیچھے مسلح دستے ہوتے تھے اور راستے صاف کر دیے جاتے تھے۔ عوام کی اور ان کی مڈ بھیڑ کسی جگہ ہوتی ہی نہ تھی۔

پانچواں اصول اسلامی دستور کا یہ تھا کہ یہ بیت المال خدا کا مال اور مسلمانوں کی امانت ہے، جس میں کوئی چیز حق کی راہ کے سوا کسی دوسری راہ سے آئی نہ چاہیے اور جس میں سے کوئی چیز حق کے سوا کسی دوسری راہ میں جانی نہ چاہیے۔ خلیفہ کا حق اس مال میں اتنا ہی ہے جتنا قرآن کی رو سے مال یتیم میں اس کی ولی کا ہوتا ہے کہ من کان غنيا فليستعفف ومن كان فقيرا فليأكل بالمعروف (جو اپنے ذاتی ذرائع آمدنی اپنی ضرورت بھر رکھتا ہو، وہ اس مال سے تنخواہ لیتے ہوئے شرم کرے اور جو واقعی حاجت مند ہو وہ اتنی تنخواہ لے جسے ہر معقول آدمی مبنی بر انصاف مانے) خلیفہ اس کی ایک ایک پائی کے آمد و خرچ پر حساب دینے کا ذمہ دار ہے اور مسلمانوں کو اس سے حساب مانگنے کا پورا حق ہے۔ خلفائے راشدینؓ نے اس اصول کو بھی کمال درجہ دیانت اور حق شناسی کے ساتھ برت کر دکھایا۔ ان کے خزانے میں جو کچھ آتا تھا، ٹھیک ٹھیک اسلامی قانون کے مطابق آتا تھا اور اس میں سے جو کچھ خرچ ہوتا تھا، بالکل جائز راستوں میں ہوتا تھا۔

ان میں سے جو غنی تھا، اس نے ایک حسب اپنی ذات کے لیے تنخواہ کے طور پر وصول کیے بغیر مفت خدمت انجام دی، بلکہ اپنی گرہ سے قوم کے لیے خرچ کرنے میں بھی دریغ نہ کیا اور جو تنخواہ کے بغیر ہمہ وقتی خدمت گار نہ بن سکتے تھے۔ انہوں نے اپنی ضروریات زندگی کے لیے اتنی کم تنخواہ لی کہ ہر معقول آدمی اسے انصاف سے کم ہی مانے گا، زیادہ کہنے کی جرات ان کا دشمن بھی نہیں کر سکتا۔

پھر اس خزانے کی آمد و خرچ کا حساب ہر وقت ہر شخص مانگ سکتا تھا اور وہ ہر وقت ہر شخص کے سامنے حساب دینے کے لیے تیار تھے۔ ان سے ایک عام آدمی بھرے مجمع میں پوچھ سکتا تھا کہ خزانے میں یمن سے جو چادریں آئی ہیں، ان کا طول و عرض تو اتنا نہ تھا کہ جناب کا یہ لمبا کرتا بن سکے، یہ زائد کپڑا آپ کہاں سے لائے ہیں؟ مگر جب خلافت بادشاہی میں تبدیل ہوئی تو خزانہ خدا اور مسلمانوں کا نہیں بلکہ بادشاہ کا مال تھا، ہر جائز و ناجائز راستے سے اس میں دولت آتی تھی اور ہر جائز و ناجائز راستے میں بے غل و غش صرف ہوتی تھی۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کے حساب کا سوال اٹھا سکے۔

سارا ملک ایک خوان یغما تھا جس پر ایک ہر کارے سے لے کر سربراہ مملکت ہے، حکومت کے سارے کل پرزے حسب توفیق ہاتھ مار رہے تھے اور ذہنوں سے یہ تصور ہی نکل گیا تھا کہ اقتدار کوئی پروانہ اباحت

نہیں ہے جس کی بدولت یہ لوٹ مار ان کے لیے حلال ہو اور پبلک کامال کوئی شیر مادر نہیں ہے، جسے ہضم کرتے رہیں اور کسی کے سامنے انہیں اس کا حساب دینا نہ ہو۔

۶۔ قانون کی حکومت

چھٹا اصول اس دستور کا یہ تھا کہ ملک میں قانون (یعنی خدا اور رسول اللہ ﷺ کے قانون) کی حکومت ہونی چاہیے۔ کسی کو قانون سے بالاتر نہ ہونا چاہیے۔ کسی کو قانون کے حدود سے باہر جا کر کام کرنے کا حق نہ ہونا چاہیے۔ ایک عام آدمی سے لے کر سربراہ مملکت تک سب کے لیے ایک ہی قانون ہونا چاہیے اور سب پر اسے بے لاگ طریقے سے نافذ ہونا چاہیے۔ انصاف کے معاملے میں کسی کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہ ہونا چاہیے اور عدالتوں کو انصاف کرنے کے لیے ہر دباؤ سے بالکل آزاد ہونا چاہیے۔ خلفائے راشدینؓ نے اس اصول کی پیروی کا بھی بہترین نمونہ پیش کیا تھا۔

بادشاہوں سے بڑھ کر اقتدار رکھنے کے باوجود وہ قانون الہی کی بندشوں میں جکڑے ہوئے تھے نہ ان کی دوستی اور رشتہ داری قانون کی حد سے نکل کر کسی کو کچھ نفع پہنچا سکتی تھی، اور نہ ان کی ناراضگی کسی کو قانون کے خلاف کوئی نقصان پہنچا سکتی تھی۔ کوئی ان کے اپنے حق پر بھی دست درازی کرتا تو وہ ایک عام آدمی کی طرح عدالت میں کھینچ لا سکتا تھا۔ اسی طرح انہوں نے اپنے حکومت کے گورنروں اور سپہ سالاروں کو بھی قانون کی گرفت میں کس رکھا تھا، کسی کی مجال نہ تھی کہ عدالت کے کام میں کسی قاضی پر اثر انداز ہونے کا خیال بھی کرتا۔ کسی کا یہ مرتبہ نہ تھا کہ قانون کی حد سے قدم باہر نکال کر مواخذہ سے بچ جاتا۔ لیکن خلافت سے بادشاہی کی طرف انتقال واقع ہوتے ہی اس قاعدے کے بھی چھوڑے اڑ گئے۔

اب بادشاہ اور شاہزادے اور امراء اور حکام اور سپہ سالار ہی نہیں، شاہی محلات کے منہ چڑھے لونڈی غلام تک قانون سے بالاتر ہو گئے۔ لوگوں کی گردنیں اور پیشینہیں اور مال اور آبرو میں، سب ان کے لیے مباح ہو گئیں۔ انصاف کے دو معیار بن گئے۔ ایک کمزور کے لیے اور دوسرا طاقت ور کے لیے۔ مقدمات میں عدالتوں پر دباؤ ڈالے جانے لگے اور بے لاگ انصاف کرنے والے قاضیوں کی شامت آنے لگی۔ حتیٰ

ایک مضبوط جمعی جہائی حکومت کے خلاف اٹھنے میں بھگتنے پڑیں، ان کا خطرہ مول لے کر بھی انہیں اس انقلاب کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کوشش کا جو انجام ہوا، وہ سب کے سامنے ہے۔

مگر امامؑ نے اس عظیم خطرے میں کود کر اور مردانہ وار اس کے نتائج کو انگیز کر کے جو بات ثابت کی وہ یہ تھی کہ اسلامی ریاست کی بنیادی خصوصیات امت مسلمہ کا وہ بیش قیمت سرمایہ ہیں، جسے بچانے کے لیے ایک مومن اپنا سر بھی دے دے اور اپنے بال بچوں کو بھی کٹوا بیٹھے تو اس مقصد کے مقابلے میں یہ کوئی مہنگا سودا نہیں ہے اور ان خصوصیات کے مقابلے میں وہ دوسرے تغیرات جنہیں اوپر نمبر وار گنایا گیا ہے، دین اور ملت کے لیے وہ آفت عظمیٰ ہیں جسے روکنے کے لیے ایک مومن کو اگر اپنا سب کچھ قربان کر دینا پڑے تو اس میں دریغ نہ کرنا چاہیے۔ کسی کا جی چاہے تو اسے حقارت کے ساتھ ایک سیاسی کام کہہ لے مگر حسینؑ ابن علیؑ کی نگاہ میں تو یہ سراسر ایک دینی کام تھا، اسی لیے انہوں نے اس کام میں جان دینے کو شہادت سمجھ کر جان دی۔

کھواں قلم: سید محسن حسینی کشمیری

امام باڑہ جڈبیل (سرینگر) تاریخ کے جھروکوں سے

ادھر پیغمبر اسلام ﷺ نے ۲۸ صفر المظفر کو اپنی آنکھیں بند کر لیں تو ادھر زنجیروں کی جھنکاریں، تلواریں کی ضربتیں، زہر کا مزہ، آگ کے شعلے، زندان کی تاریکیاں، پھانسی کے پندھے، اہل بیت محمد علیہم السلام اور ان کے شیعوں کی قسمت شجرہ خبیثہ کے قلم سے شجرہ طیبہ کے صفحوں پر خون سے تحریر کی گئی۔ آج پیغمبر اسلام ﷺ کی رحلت کو ۱۴۲۲ سال گزر چکے ہیں۔

لیکن جو آگ ۱۱ھ میں ہمارے گھر کو مدینہ میں لگی وہ آج تک ٹھنڈی نہ ہو سکی اور تاریخ گواہ ہے کہ ہم نے تب سے لے کر اب تک گردنیں تو کٹوائیں مگر ظالم کے سامنے جھکنے نہیں دیں۔ آج بھی پوری دنیا دیکھ رہی ہے کہ ہم گردنوں کو جھکانے کے عادی نہیں بلکہ کٹوانے کے عادی ہیں۔ کیونکہ ہمارے وجود کو آب زمزم سے غسل دیا گیا ہے اور کوڑا ہماری میراث ہے۔ جسے چاہیے کتنا ہی دشمن مٹانے کی کوشش کرے لیکن خدائی وعدہ ہے کہ مٹ نہیں سکتی!

بہر حال جس امام باڑے کی تاریخ سپرد قلم کرنے جا رہا ہوں یہ مرکزی امام باڑہ جڈبیل میں واقعہ ہے اور خود جڈبیل سری نگر کے قلب میں واقعہ ہے۔ ابتداء سے سری نگر کشمیر کا مرکز رہا ہے اور پوری دنیا میں اسے خاصی شہرت حاصل ہے۔ کشمیر میں مذہب اہل بیت علیہم السلام کا بیج سادات نے بویا تھا اور اپنے خون سے اس کی آبیاری کی تھی۔ پھر کشمیر کے کونے کونے میں پھول کھلنے لگے اور ہر طرف سے خوشبو آئی۔ محمد علیہم السلام پھیلتی گئی۔

جن علاقوں میں شیعہ رہائش پذیر ہیں۔ ان میں سے ایک جگہ یہی جڈبیل ہے جہاں قدیم الایام سے شیعہ آباد تھے چنانچہ شہید ثالث قاضی نور اللہ شوشتریؒ (۱۰۱۹ ہجری) لکھتے ہیں:

مجھے کشمیر کے حالات کہیں سے معلوم نہیں ہوئے بلکہ خود دیکھ کر آیا ہوں وہاں شیعہ آباد ہیں اور پھر ان جگہوں کے نام گناتے ہوئے جڈنیل کا بھی ذکر کیا ہے۔^(۱) جیسا کہ علامہ سید محسن امین عالمیؒ نے بھی اعیان الشیعہ میں ان سے نقل کیا ہے۔^(۲)

جڈنیل میں بڑے بڑے علماء، صلحاء، تجار، خطاط، اطباء، نقاش وغیرہ نے جنم لیا ہے اور جو معروف خاندان یہاں پہلے سے آباد ہیں ان میں سادات رضوی جو موسیٰ مہر قح کی نسل سے ہیں، سادات موسوی جو میر عراقی کی نسل سے ہیں، خاندان ملک جو ملک حیدر چاؤدہ کی نسل سے ہیں۔ بحرین کا علم پرور خاندان کہ جن کے جد اعلیٰ ملا محمد رضا بحرین سے ہجرت کر کے یہاں پر ساکن ہو گئے اور سادات جلالی جو میر زاسید حسین سزواری کی نسل سے ہیں اور مختاری اور اعرجی بھی کہلاتے ہیں پہلے سے ہی مجالس عزا اور جلوس ذوالجنت کا انتظام سادات جلالی کے ہاتھوں میں تھا۔ بالخصوص نواب آغا سید حسین شاہ جلالی مرحوم کی خدمات اس سلسلے میں قابل قدر ہیں۔

جس امام باڑے کی بات ہو رہی ہے یہ کشمیر میں شیعوں کا سب سے قدیم امام باڑہ ہے جسے سلطان محمد شاہ کے وزیر کا جی چک نے ۹۲۲ھ (۱۵۱۸م) سے ۹۳۴ھ (۱۵۲۷م) تک کے درمیانی سالوں میں بنوایا تھا۔^(۳)

علامہ شہید سید عبدالغنی موسوی (۹۳۲ھ) اور ان کے دو عالم فاضل فرزند ان شہید سید حسن موسوی (م ۹۵۷ھ)، شہید سید حسین موسوی (م ۹۵۷ھ) اور میر یعقوب اصفہانی نے اس امام باڑے کی تعمیر و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔^(۴) بقول حکیم صفدر جہدانی ڈوگرہ حکومت کے ابتدائی دور تک یہ شیعوں کا واحد امام باڑہ رہا ہے۔^(۵) اس امام باڑے کی داستان بہت ہی دردناک ہے اور تاریخ نے اپنے سینے میں اسے حفظ کیا

۱۔ مجالس المؤمنین، ج ۱، ص ۵۱-۵۲۔

۲۔ اعیان الشیعہ، ج ۱، ص ۲۰۷۔

۳۔ شیعیان کشمیر، ص ۲۲۔

۴۔ دانشنامہ شیعیان کشمیر، ج ۱، ص ۹۶۔

۵۔ شیعیان کشمیر، ص ۲۲۔

ہے۔ دس دفعہ اس کو نذر آتش کیا گیا اور اس کے گرد نواح میں جتنے بھی شیعہ آباد تھے ان کے گھروں کو تاراج کر کے جلایا گیا۔

ان کے ناموس کی بے حرمتی کی گئی اور بڑے بڑے علماء و افاضل شیعہ کو چن چن کر قتل کیا گیا۔ اس پر آشوب زمانے میں خدا جانے ہمارے کتنے ہی کتابخانے آگ کی نذر اور کتنے ہی شاہ پارے ضائع ہوئے ہوں گے۔

غالب رکھو مجھے اس تلخ نوائی پہ معاف
آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے۔

ہم یہاں سالہائے تاراج کو مد نظر رکھ کر سنوات کے لحاظ سے تمام تہذیبوں کا ذکر یکے بعد دیگرے کریں گے:

تاراج اول (۹۵۵ھ بمطابق ۱۵۴۸ء)

پہلی دفعہ مرزا حیدر کاشغری نے جلایا^(۱) مرزا حیدر بہت متعصب اور دشمن اہل بیت علیہم السلام تھا۔ اسے حضرت علی علیہ السلام سے بغض تھا اور شیعیاں علی علیہ السلام سے کینہ اور عناد رکھتا تھا۔^(۲) چنانچہ اس نے حاجی بانڈے اور دوسرے امراء کشمیر کی مدد سے ۹۵۵ھ میں شیعہ مسلمانوں کے قتل عام کا حکم دیا۔^(۳) اسی سال اس نے میر عراقی کی خانقاہ اور امام باڑے کو بھی نذر آتش کیا اور شیعوں کے قتل عام کے بعد بزرگان دین کو بھی موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ پھر دولت چک نے امام باڑے کو از سر نو ۹۵۸ھ (۱۵۵۱ء) میں تعمیر کیا۔^(۴)

تاراج دوم (۹۹۳ھ بمطابق ۱۵۸۵ء)

۱۔ همان۔

۲۔ تحفہ الاحباب، ص ۵۵-۹۰۔

۳۔ مقدمہ، بہارستان شاہی، ص ۱۲۱۔

۴۔ شیعہ پان کشمیر، ص ۲۷-۲۸۔

دوسری بارے شمس چک کپواری کے بیٹے ظفر چک کپواری نے مذہبی تعصب کی بنا پر پھر سے جلادیا اور دوبارہ تعمیر ہوا۔^(۱)

تاریخ سوم (۱۰۳۵ھ بمطابق ۱۶۳۵ء)

تیسری دفعہ شاہجہان کے عہد حکومت میں دشمنان آل محمد علیہم السلام نے اسے پھر سے جلایا۔ اس وقت کشمیر میں ظفر خان صوبیدار تھا۔ اس سال سرینگر کے لوگ ایک دن بلاسمرتوت کھانے کے لیے گئے تھے۔ اسی اثناء میں کوئی شخص پیڑے سے نیچے گر گیا اور لڑائی شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ نوبت شیعہ سنی فساد پر پہنچی۔ چونکہ شیعہ کم تھے اس لیے انہیں زد و کوب کیا گیا اور پھر توہین مذہب کا الزام لگا کر قاضی سے ان کے قتل کا حکم جاری کرایا گیا اگرچہ ظفر خان نے قاضی کے حکم کی تعمیل کرنے میں تاخیر کی کیونکہ وہ جانتا تھا یہ سب بے بنیاد ہے۔ لیکن شرپسندوں کو آرام کہاں انہوں نے شیعوں کا قتل عام شروع کیا اور ان کے مکانات کو آگ لگائی اور حکومت فقط دیکھتی رہی۔

اس سے بھی انہیں تسلی نہیں ہوئی انہوں نے ایک کٹر مذہبی رہنما خواجہ خاوند محمود نقشبندی کی طرف رجوع کیا۔ اس نے اپنے ساتھ دیگر افراد کو ملا لیا اور ہجرت کی دہمکی دے کر چنار باغ چلا گیا۔ اس سے فساد کا اندیشہ پیدا ہوا اور ظفر خان بھی ڈر گیا۔ اس نے ناحق ان لوگوں کا خون بہایا جن پر توہین مذہب کا الزام لگایا گیا تھا۔^(۲)

تاریخ چہارم (۱۰۹۶ھ بمطابق ۱۶۸۲ء)

چوتھی دفعہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت میں جلایا گیا۔ اس وقت کشمیر کا صوبیدار ابراہیم خان تھا۔ اس دوران ایک فرقہ دارانہ فساد ہوا پھر سے بیچارے شیعوں پر توہین مذہب کی تہمت لگائی گئی۔ قاضی یوسف نے بغیر تحقیق کے ان کے قتل کے حکم جاری کئے۔ یہ لوگ صوبیدار کے پاس پناہ گزین ہوئے کیونکہ وہ خود بھی شیعہ تھا۔ قاضی یوسف نے عوام کو مشتعل کر کے فتنہ برپا کیا اور ان تباہ کاروں نے محلہ

۱۔ شیعہ کشمیر، ص ۲۲۔

۲۔ تاریخ حسن، ج ۱، ص ۲۸۳۔

حسن آباد کے شیعوں کو لوٹا اور مکانات جلادئے۔ اس کی اطلاع جب صوبیدار کو ملی تو اس نے اپنے بیٹے فدائی خان کو کچھ سپاہی ساتھ دے کر مومنان حسن آباد کی مدد کے لیے بھیجا۔^(۱) ابراہیم خان کے اس اقدام پر سنی فوجی سردار برہم ہوئے اور فرید خان، الف خان اور مرزا مقیم اور دیگر خوانین کا بل اپنے سپاہیوں کے ساتھ خواجہ شریف دہ بیدی، خواجہ محمد صابر مرزا سلیم، مرزا حلیم اور دیگر سنی سرداروں کے ساتھ شامل ہو گئے اور شہر کے سنی مسلمانوں کے ساتھ فدائی خان کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے۔^(۲)

انہوں نے شیعوں کا خون بہایا اور ان کے مکانات نذر آتش کئے۔ اس جماعت کا سردار ایک لیٹر خواجہ حاجی بانڈے تھا۔ اس جماعت کا نعرہ یہ تھا:

بلہ کر حاجو پلہ جھوی دور

گڈنی ذالون کمانگر پور

یعنی حاجی جلدی کر پہلے کمانگر پورہ (یہاں بھی شیعہ آباد ہیں) کو جلائیں گے جو ہمارے نزدیک ہی ہے اور پھر جڈنیل کی نوبت ہے۔ ملا محمد طاہر مفتی اعظم ابراہیم خان اور قاضی یوسف کے درمیان صلح کرنا چاہتا تھا۔ اس کا پتہ بعض غنڈوں کو لگا اور انہوں نے مفتی پر یہ تہمت لگائی کہ وہ صوبیدار کی طرفداری کر رہا ہے اس وجہ سے انہوں نے اس کے مکان کو بھی نذر آتش کر دیا۔ اس فساد میں شیعوں کے عالم و فاضل شیخ قاسم جسے مورخ حسن نے مقتداۃ شیعہ کے نام سے یاد کیا ہے۔ اسے راہ چلتے پکڑ کر اور اس قدر مارا گیا کہ راستہ پر ہی جام شہادت نوش کیا۔^(۳)

تاریخ پنجم (۱۱۳۲ھ بمطابق ۱۷۱۹ء)

پانچویں دفعہ محتوی خان کے فتنہ میں جلا یا گیا۔ اس سال بھی اس غنڈہ جماعت نے جڈنیل پر حملہ کر دیا۔ اس محلہ کے شیعوں نے بھی مورچے لگائے اور شام سے سحر تک لڑائی ہوئی۔ شیعہ اگرچہ تعداد میں کم

۱۔ تاریخ حسن، ج ۱، ص ۸۳۔

۲۔ تاریخ حسن، ج ۱، ص ۸۳۔

۳۔ تاریخ حسن، ج ۱، ص ۸۳؛ تاریخ خلیل و جان پوری، ص ۱۹۳؛ گوہر عالم، ص ۲۹۱-۲۹۲۔

تھے لیکن وہ لڑتے رہے اور انہوں نے حملہ کرنے والوں کو پیچھے دھکیل دیا اور وہ بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔^(۱) اس شکست کی اطلاع جب خواجہ محمد آفتاب اور خواجہ بادشاہ کو ہوئی جو اس وقت سلسلہ نقشبندی کے معزز اراکین میں شمار ہوتے تھے۔ ان کا اثر و رسوخ حکومت اور عوام دونوں پر تھا۔ انہوں نے بعض سپاہیوں کو حملہ آوروں کی مدد کے لیے بھیجا۔ اس سے وہ اور زیادہ طاقت ور ہو گئے اور انہوں نے ہر طرف سے حملہ شروع کر دیا۔ شیعہ تعداد میں کم تھے اور انہیں کہیں سے مدد کی امید بھی نہ تھی کیونکہ دیگر علاقوں کے شیعہ بھی خود مصیبت میں مبتلا تھے۔

شیعہ لڑتے رہے اور جب ان کے کافی افراد شہید ہو گئے تو یہ تباہ کار جماعت جڈنیل میں داخل ہو گئی۔ بوڑھے بچے اور عورتوں تک کو نہ بخشا نہ گیا۔ معصوم بچوں کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے۔ کچھ بچے اور عورتیں خانقاہ میر عراقی میں داخل ہو گئیں اور اندر سے خانقاہ کا دروازہ بند کر دیا۔ ان بے رحم ظالموں نے خانقاہ کو آگ لگا دی اور یہ بچے اور عورتیں زندہ جل کر راکھ ہو گئے۔

اسی طرح حسن آباد اور دیگر علاقوں کا تاراج کیا گیا۔ لوٹ کھسوٹ کا یہ سلسلہ ۱۱۳۲ھ (۱۷۱۷ء) تک جاری رہا۔^(۲) اسی سال ملا عبد الحکیم کو بھی شہید کیا گیا ہے جو حملہ علوم میں ماہر تھے۔ سید ابو القاسم رضوی نے انہیں ان الفاظ سے یاد کیا۔ ہادی طریقت حافظ شریعت مکمل الحلۃ حضرت ملا عبد الحکیم الشہید یہ روز جمعرات ۲۳، ذیقعدہ ۱۱۳۲ھ تھا۔^(۳)

تاراج ششم (۱۱۵۸ھ بمطابق ۱۷۴۵ء)

اس سال ابو البرکات خان کشمیر کا صوبیدار تھا۔ اس نے ہر اللہ خان کے ساتھ جنگ کی جو ۱۱۵۸ھ سری نگر پر حملہ آور ہوا۔ ابو البرکات نے اسے شکست دے دی اور وہ کامراج کی طرف بھاگ گیا۔ بجائے اس کے ابو البرکات اس کا تعاقب کرتا اس مجرم نے شیعوں کو تاخت و تاراج کرنے کی کھلی اجازت دی اور بیچارے

۱۔ گوہر عالم، ص ۳۲۳-۳۲۴

۲۔ تاریخ غلیل مرجان پوری، ص ۳۲۴؛ گوہر عالم، ص ۳۲۳-۳۲۴

۳۔ انضامہ شیعیان کشمیر، ج ۱، ص ۱۵۸۔

محبان آل محمد علیہم السلام پر اس سال وہ قیامت ڈھائی گئی کہ وہ محتوی خان کا فساد بھول گئے ہزاروں گھر نذر آتش کئے گئے اور جو شیعہ ہاتھ آیا اسے قتل کیا گیا۔ اس قتل وغارتگری کی تاریخ ”عام التثویش“ ہے۔^(۱)

تاریخ ہفتم (۱۱۷۵ھ بمطابق ۱۷۶۳ء)

بلند خان باغری کے عہد میں ساتویں بار اس امام باڑے کو جلایا گیا۔ ایک دن سری نگر کے سنی مسلمان عیدہ گاہ نماز استقاء ادا کرنے کے لیے گئے تھے۔ جب نماز تمام ہو گئی تو نوشہر محلہ کے شر پسند عناصر نے یہ افواہ اڑائی کہ جڈبیل کے شیعوں نے خواجہ حبیب اللہ نوشہری کے حق میں بے ادبی کی۔ بس بہانہ ملنا تھا کہ یہ غنڈگی جماعت شیعوں پر ٹوٹ پڑی قتل وغارتگری کا بازار گرم کیا ہزاروں گھر نذر آتش کئے اور صوبیدار فقط دیکھتا رہا۔

ستم بالاے ستم اس نے انشا شیعوں کو گرفتار کیا اور اکثر شیعوں کے ناک اور کان کاٹے اور دیگر شیعہ افراد سے جرمانہ وصول کیا اور بہت سوں کو سخت سزائیں دی گئیں۔ لیکن ان لٹیروں سے کسی قسم کی کوئی پوچھ تاچھ نہ کی۔^(۲) بالا ستر علاقے کے بعض اہل بصیرت افراد کے ہمراہ سید امیر الدین موسوی کی مداخلت کی وجہ سے یہ تنازعہ رفع ہو گیا۔^(۳) اسی لوٹ میں ملا محمد مہدی جو جامع علوم و فنون اور محدث کبیر تھے۔ ان کا بے مثال کتابخانہ جلایا گیا۔^(۴)

تاریخ ہشتم (۱۲۱۶ھ بمطابق ۱۸۰۱ء)

آٹھویں دفعہ افغانیوں کی حکومت میں روز عاشورا ۱۲۳۱ جون کو پھر سے جلایا گیا۔ افغان حکمرانوں نے ماتم پر پابندی لگائی تھی۔ شیعہ عاشورا کے موقع پر امام باڑہ جڈبیل میں جمع ہو گئے۔ جب ان بد معاشوں کو خبر ہوئی تو تمام پٹھان سردار دوسرے غنڈوں کو لے کر جڈبیل پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے امام باڑے کو آگ

۱۔ تاریخ خلیل مرجان پوری، ص ۲۳۸-۲۳۷۔

۲۔ تاریخ حسن، ج ۱، ص ۲۹۰۔

۳۔ دانشنامہ شیعہ، ج ۱، ص ۱۵۸۔

۴۔ دانشنامہ شیعہ، ج ۱، ص ۱۶۱۔

لگادی۔ سلمان کو لوٹا گیا اور مکانوں کو جلا یا گیا۔ ناموس کی بے حرمتی اور مردوں کو موت کے گھاٹ اتارا قتل وغارتگری کا یہی بازار دوسرے شیعہ محلوں میں بھی گرم کیا گیا۔^(۱)

تاریخ نهم (۱۲۳۶ھ بمطابق ۱۸۳۰ء)

اس سال ایک ملا روز عاشور ۲۱ جولائی جامع مسجد میں عوام اہل سنت کو مشتعل کر کے لڑنے پر آمادہ کیا۔ وہ مسجد سے باہر آئے اور شیعہوں کے خلاف نعرہ بازی شروع کی اور جامع مسجد کے نزدیک کمانگر پورہ میں جہاں شیعہ آباد ہیں پہلے انہیں تاریخ کیا گیا اور پھر جڈی بیل کی طرف دوڑے۔ چونکہ روز عاشور تھا اور لوگ ماتم میں مشغول تھے۔ جب لوگوں نے لیٹروں کے نعرے سنے تو کچھ عورتیں اپنے بچوں کو لے کر ایک غار میں پناہ گزین ہو گئیں۔ انہوں نے اس غار کے منہ پر آگ جلائی اور پھر غار کو بند کیا۔ دھوئیں سے عورتوں اور بچوں کو دم گھٹ گیا اور وہ تمام اسی غار میں شہید ہو گئے۔ اسی لے یہ جگہ بیہ مزار کہلاتی ہے یعنی عورتوں کا مزار علامہ میر سید رضا موسوی امام باڑہ جڈ بیل میں مشغول خطابت تھے کہ آل ابی سفیان نے امام باڑے کے دروازے بند کر کے چاروں طرف آگ لگادی اور اکثر عزا داران زندہ جل گئے۔

میر سید رضا کو زخمی حالت میں باہر لایا گیا لیکن انہوں نے وہیں پر جام شہادت نوش فرمایا۔ ہزاروں آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر قتل کیا گیا اور جنہیں امام باڑے کے باہر قتل کیا گیا ان کی تعداد تقریباً اٹھارہ سو بتلائی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ جگہ مرگ بل کے نام سے مشہور ہو گئی۔^(۲) پھر حکیم مہدی خان کشمیری جو بادشاہ اور اودھ ناصر الدین کامنٹر تھا۔ اس نے ایک رقم باقر خان سوداگر ایرانی کے پاس بھیج دی اور اس نے دیگر افراد کے ذریعہ امام باڑے کو پھر سے تعمیر کیا۔

تاریخ دہم (۱۲۸۹ھ بمطابق ۱۸۷۲ء)

اس وقت کشمیر کا حاکم مہاراجہ رنبیر سنگھ تھا۔ ہیضہ کی بیماری اس سال کشمیر میں عام ہو گئی اور لوگ مسجدوں میں جا کر استغفار اور دعائیں مانگنے لگے۔ محلہ مدین صاحب جو کہ جڈ بیل سے متصل ہے۔ وہاں کے

۱۔ تاریخ حسن، ج ۱، ص ۴۹۱۔

۲۔ دانشنامہ شیعہ، ج ۱، ص ۱۹۱؛ تاریخ حسن، ج ۱، ص ۴۹۲-۴۹۱؛ شیعہ، ج ۱، ص ۱۶۲-۱۶۱۔